حجاز
دہلی
جدید
مفتی اعظم نمبر
ستمبر اکتوبر سنہ ۱۹۹۰ء
ایڈیٹر
ایس اختر مصباحی
6/-

وارث علوم اعلیٰ حضرت نبیرۂ حجۃ الاسلام جانشین مفتی اعظم ہند جگر گوشہ مفسر اعظم شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

حضرت علامہ مفتی الشاہ **محمد اختر رضا خان قادری ازہری**

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ کے لئے وزٹ کریں

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

     /makhtarraza1011

ترجمانِ دین و دانش

سالانہ اعزازی ۱۰۱/= ● عمومی ۶۰/=
ششماہی ۳۵/= ● فی شمارہ ۶/=

مدیر مسئول ————— یٰس اختر مصباحی

مدیر معاون ————— فتح احمد بستوی مصباحی

صفر۔ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
مطابق ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء

جلد ۳ شمارہ ۹۔۱۰ فون: ۶۸۳۶۷۹۶

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر محمد یٰس اختر مصباحی نے ایس۔ کے آفسیٹ پریس مٹیا محل دہلی ۶ سے طبع کراکے آفس ماہنامہ حجاز جدید۔ ۸۸۔ اسٹریٹ ۱۴۔ ذاکر نگر۔ نئی دہلی ۲۵۔۱۱۰۰ سے شائع کیا۔

جملہ خط وکتابت و ترسیل زر کا پتہ

مینیجر ماہنامہ حجاز جدید
۸۸۔ اسٹریٹ ۱۴۔ ذاکر نگر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ڈرافٹ پر صرف حجاز جدید منتقلی لکھیں

HIJAZ JADEED MONTHLY

تزئین :۔ عمید الزماں جلال پوری فیض آبادی

کاروانِ حجاز

مفتیٔ اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہٗ

اداریہ

یٰسٓ اختر مصباحی

دین اسلام کی تبلیغ و دعوت اور نشر و اشاعت کے بے شمار وسائل و ذرائع ہیں۔ اور عہد رسالت سے لے کر عصر حاضر تک کتاب و سنت کی تفسیر و توضیح اور تفصیل و تشریح کے لئے اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ائمۂ مجتہدین اور علماء و فضلاء اسلام نے ایسی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ جنھیں تاریخ اسلام میں آب زر سے لکھا گیا۔ اور ان کے لازوال کارنامے آنے والی نسلوں کے لئے سنگ میل اور مینارۂ نور ثابت ہوئے۔

متحدہ ہندوستان کی تاریخ دعوت و عزیمت کا مطالعہ کیا جائے تو جہاں ایک طرف سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء وغیرہما رحمہم اللہ تبارک و تعالیٰ کی نگاہ کیمیا اثر کے فیضان سے لاکھوں انسانوں کے قلوب ضلالت و گمراہی کی وادیوں سے نکل کر ایمان و اسلام کے اجالے میں قدم بڑھاتے نظر آتے ہیں۔ وہیں شیخ الہند حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی و مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی وغیرہما رحمہم اللہ تبارک و تعالیٰ کی قلمی و مجاہدانہ خدمات کا تسلسل بھی لاکھوں انسانوں کے دلوں کو یقین و اذعان کی دولت سے مالا مال کرتا نظر آتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ انھیں نفوس قدسیہ کے دم قدم سے ہندوستان کے اندر اسلام کی روشنی پھیلی اور اس کے طول و عرض میں توحید و رسالت کے سرمدی نغمات گونجے۔

انھیں اسلاف کرام کے مقلد و متبع اور وارث و جانشین کی حیثیت سے چودھویں صدی ہجری کے اندر ہمیں دو ممتاز اور نمایاں نام نظر آتے ہیں۔ جن میں ایک جلیل القدر شخصیت امام اہلسنّت مولانا احمد رضا قادری فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی ہے جنھوں نے اپنی چھوٹی بڑی تقریباً ایک ہزار کتابوں کے ذریعہ حمایت حق کا گراں قدر فریضہ انجام دیا۔ اور رفعت و عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جن کے ایمان افروز ترانوں کی گونج آج بھی ایشیا و افریقہ اور یورپ و امریکہ کے ہر اس شہر میں سنائی دیتی ہے جہاں اردو جاننے والے مسلمان تھوڑی تعداد میں بھی موجود ہیں۔ اور دوسری عظیم المرتبت ذات گرامی ہے مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ مصطفےٰ رضا قادری نوری بریلوی قدس سرہٗ کی جن کے علم و فضل اور تدین و تقویٰ کے سامنے معاصر علماء کی گردنیں تسلیم و رضا سے خم تھیں۔ اور جنھیں رب کائنات نے تسخیر قلوب کی دولت گرانمایہ سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا کہ وہ جس راہ سے گزر جاتے ادھر ہزاروں دل فرش راہ بن جاتے اور جہاں خیمہ زن ہو جاتے وہیں علم و فضل اور عشق و عرفان کے خزانے تقسیم ہونے لگتے۔

انھیں مقدس ہستیوں کے بارے میں خدائے علیم و خبیر ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورۂ مریم ۱۹) یعنی جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے رحمٰن دلوں میں محبت پیدا فرما دیتا ہے۔

مرشد برحق حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے گرد ہجوم خلق دیکھ کر اور ان کی قوت تسخیر قلوب کا مشاہدہ کر کے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی عملی تفسیر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ اور مشتاقان زیارت جب شرف باریابی سے بہرہ ور ہوتے تھے تو وہ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدۂ حق کر کے اس حقیقت کا بر ملا اعتراف کر لیتے تھے کہ بلا شبہ آپ انھیں مومنین صالحین اور مقربین و محبوبین بارگاہِ الٰہی میں سے ہیں جن کا ذکر خیر اس آیت کریمہ میں ہوا ہے۔ ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

شاہ محمد فضل حسن صابری فاروقی قدس سرہٗ ایڈیٹر دبدبۂ سکندری۔ رام پور

افغانستان کے معزز مہمند کے قابل فخر فرزند حضرت شاہ محمد فضل حسن صابری فاروقی سرزمین رامپور کی معروف دینی و علمی شخصیت ہیں۔ آپ سچے عاشق خدا و رسول تھے۔

امام اہلسنّت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا خود بریلی شریف حاضر ہو کر اکثر شرف ملاقات سے سرفراز ہوتے۔

اہلسنّت کی خبریں اخبار دبدبۂ سکندری رام پور میں بڑے اہتمام سے شائع کیا کرتے تھے۔ اسی لئے اس اخبار کے اندر اہلسنّت کی تنظیموں اور تحریکوں و سرگرمیوں سے متعلق ایک وافر ذخیرہ موجود ہے۔

حضرت شاہ فضل حسن قدس سرہٗ نے ۱۳۳۰ھ میں زیر نظر مضمون تحریر فرمایا۔ اور ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ/ یکم اپریل ۱۹۱۲ء بروز دوشنبہ اخبار دبدبۂ سکندری رامپور نمبر ۱۵ جلد ۴۸ صفحہ ۳ تا ۶ کالم نمبر ۱ تا ۲۰ میں اسے شائع فرمایا۔

مضمون کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر ترتیب جدید، ترجمہ، تحشیہ کے ساتھ کتابچہ کی شکل میں شائع کرنے کے علاوہ اسے اہلسنّت کے مشہور دینی و علمی ترجمان ماہنامہ حجاز جدید دہلی کے صفحات کی زینت بنایا جا رہا ہے۔

فقیر نوری سید شاہد علی قادری رضوی۔ الجامعۃ الاسلامیہ گنج قدیم۔ رامپور

۵ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ/ ۲۶ اگست ۱۹۹۰ء

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مدظلہم الاقدس

آج جب کہ بیسویں صدی کا دور دورہ ہے، نئے نئے پراگندہ خیالات اہل دنیا کے منھ و قلم سے نکلتے ہیں جن کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اختلاط عالم کی سچی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

افراد دنیا کسی زمانے میں اخلاق ذکر کے سچے نمونے تھے، ان میں احساس قومی

و مادۂ ہمدردی کافی سے زائد موجود تھا۔ ان کی بات " دلوں میں گھر کرلیتی تھی ان کی زبان تسخیر کا سچا عمل تھی، ان کا عمل ؔ الید (ہاتھ کا عمل) نقش حب کا کام دیتا تھا۔ غرضیکہ سب کچھ تھا جو خدا نے اپنے راست باز بندوں کو دے رکھا تھا، اب کیا نہیں ہے؟ سب کچھ ہے! وہی دن ہے وہی رات ہے وہی مذہب ہے، سب کچھ وہی ہے مگر وہ لوگ بادِ فنا کے سنسنی خیز جھونکوں کے ہاتھوں قبروں میں جا سوئے جہاں سے واپس آنا خلافِ عقل و محال۔

اب زمین اس مردم خیزی کے جواب میں ایسا حسرت ناک نقشہ پیش کرتی ہے کہ انگشت بدنداں ساکت و خاموش ہونا پڑتا ہے۔

مگر جب ہم اپنے رفیع الشان مالک و مختار حضرت ربّ العزت جلّ و علا کے حضور یہ عرض کرتے ہیں کہ ہماری ہستی اور ہمارے مذہبی قصر کا کوئی بھی محافظ ہے تو اس کا جواب ہمیں اپنے دینی مقتدا حضرات کی پیروی میں ملتا ہے۔

آج جب کہ دنیائے اسلام پر دہریت، نجدیت کی بلاؤں کے طوفان آرہے ہیں، ہماری آنکھیں اگر کسی شمعِ بزمِ ہدایتِ محمدی پر پڑتی ہیں تو ہمارا دل نہایت عجز و انکسار سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجددِ مأتہ حاضرہ، مؤیدِ ملتِ طاہرہ جناب تقدس مآب مولانا مولوی مفتی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ محمدی سنی قادری حنفی برکاتی بریلوی مدظلہم الاقدس کی ذاتی وجاہت اور علمی حسنِ لیاقت اور اخلاق علو مرتبت کے روبرو سرِ تسلیم خم کرنے کی ہدایت فرماتا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [1]

اس ملائک صفات بشر کی سچی حالت کی تصویر ــــ قلم ہیچمداں مطلق نہیں کھینچ سکتا۔ اپنے سچے جذبات کی جائز خواہش پر جو بھی صفحۂ کاغذ پر گل فشاں کرے اسے غور سے پڑھئے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مدظلہم الاقدس کا جو رتبہ ہے اسے تو آنکھوں والوں سے پوچھئے۔ نابینا ہرگز کسی بات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ یہ بتا سکتا ہے کہ کسی کے قصرِ فضل و کمال کا کونسا درجہ کس صنعت و دست کاری سے بن سنور کر مرتب ہوا ہے بلکہ وہ تو ساری دنیا کو اپنا ہی مثل جانتا اور سمجھتا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ چند چشمانِ عقل کے اندھے اس ملائک صفات بشر کے علوِ مرتبت میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں مگر ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اس میں معاذ اللہ کسی طرح کمی مرتبت واقع نہیں ہوتی بلکہ علوِ کمال میں بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ "ہم تو وہی ہیں مگر ہم ان کے پایۂ کمال کو نہیں جان سکتے ــــ ہم سے اچھے اچھوں نے ان کے مراتب کا لوہا مانا ہے۔

اگر انصاف کی دوربین عینک سے ملاحظہ فرمایا جائے تو عرضداشت ہٰذا کا ہر فقرہ منصف نور باطن کے لئے سرمۂ ضیاء و قدرتی بینائی ثابت ہوگا۔

۱۔ حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن دھان

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن دھان مدرّس حرم شریف مدظلہم اپنی تقریظ "حسام الحرمین" میں فرماتے ہیں:

شَهِدَ لَهُ عُلَمَاءُ الْبَلَدِ الْحَرَامِ بِأَنَّهُ السَّيِّدُ الْفَرْدُ الْإِمَامُ [2]

یعنی ان کے لئے علماء مکۂ معظمہ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سردار اور بے نظیر امام ہیں۔

ماشاء اللہ و بارک اللہ جس ارضِ مقدس کی خدائے کریم قسم فرمائے [3] وہاں کے ایک شیخ عالی مقام اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی نسبت "السید الفرد الامام" فرمائیں تو ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم ایسے بے نظیر امام کی قدر و منزلت جان سکیں۔

اور ملاحظہ فرمایئے جب اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے رسالۂ مبارکہ علمِ غیب مسمّیٰ بہ اسم تاریخی "الدولة المكية بالمادة الغيبية" تالیف فرمایا اور علمائے مکۂ معظمہ میں اس کا شہرہ ہوا تو وہاں کے معظم عظیم القدر شیخ حضرت مولانا احمد ابو الخیر میرداد نے فرما بھیجا کہ میں اس رسالے کا مشتاق ہوں اور خود آپ کی زبانِ مبارک سے سننا چاہتا

---

[1] یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (کنز الایمان پ ۲۷ سورۂ حدید ۵۷ آیت ۲۱)

[2] حسام الحرمین ص ۸۳ سطر ۳، اشاعت قادری بکڈپو بریلی شریف

[3] اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَاَنْتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ مجھے اس شہر (مکہ) کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو (کنز الایمان)

ہوں اور پاؤں کی معذوری کے سبب سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس تشریف لے گئے اور ایک جلسے میں رسالہ حضرت ممدوح کو سنایا۔ حضرت موصوف نے بے حد تعریف فرمائی اور صدہا دعائیں دیں۔ وقت رخصت اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے جب اس مقدس نورانی عالم کی تعظیم کے لئے جس کی عمر پاک ستر برس سے متجاوز ہے۔ قدم لینا چاہے تو انھوں نے فرمایا "انا اقبل ارجلکم انا اقبل نعالکم" یعنی میں آپ کے پاؤں چوموں میں آپ کی نعلین کو بوسہ دوں۔ جب ہم اس بیان تک پہنچتے ہیں تو ہماری مسرت کی حد نہیں رہتی۔ حضرت شیخ نے جو کچھ بھی فرمایا وہ نہایت درست فرمایا اور سچ تو یہ ہے کہ اہلِ فضل کی قدر و منزلت اہلِ فضل ہی خوب جانتے ہیں۔

کیا آج کوئی ہندوستانی عالم اس جید فاضل کے امتیاز کی نظیر رکھتا ہے؟

غالباً اس سوال کا جواب نفی میں ملے گا۔ ہاں یہ ضرور امتیاز حاصل ہوا کہ اپنے خبثِ باطنی و ظاہری کی تسکین اس دیارِ مقدس میں کی اور علمائے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً نے کفر کے فتوے پر رجسٹری فرما کر کہیں کا نہ رکھا۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی ذات سے ہم کو یہ فخر کیا کم ہے کہ اشرافِ مکہ معظمہ آپ کی نعلینِ مبارک کو بوسہ دینے کی تمنا رکھتے ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو یہ اسی عزت و احترام کا صدقہ ہے جو اس عاشقِ محبوبِ ربانی کو مل رہا ہے جس نے تن من دھن سب خدا کے محبوبِ جمیل کی عزت کے لئے وقف کر دیا ہے اور مجھ سے اگر کوئی پوچھے تو میں ایماناً ہر لحظہ یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ خدا کا ملنا آسان مگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامِ رحمت ہاتھ آگیا تو اس نے دنیا و مافیہا حتیٰ کہ خدائے جل و علا کو بھی پالیا۔ پھر خدا تک رسائی آسان اور اس کی ساری کائنات تابعِ فرمان۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس اس مثال کے بلا شبہ سچے نمونہ ہیں ان کے ہر قول ہر فعل ہر عمل سے سنیت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اس بات سے کبھی ہراساں نہ ہوئے کہ زید بکر ان کی ذاتی وجاہت پر بدنما دھبہ لگائیں وہ تو دل سے یہ چاہتے ہیں کہ مصطفیٰ پیارے کے نام پر اپنی، اپنے اہل و عیال کی، اپنے خاندان کی عزت و حرمت نثار ہو تو قیامت تک روح قبر میں بھی مزے لے لے کر وجد کرے اور زبانِ حال اس شعر کو ادا فرمائے ؎

دل جلا کر رخِ محبوب کا جلوہ دیکھا
ہم نے گھر پھونک کے کیا خوب تماشا دیکھا

۱۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی

۱۲۰۸ھ

اس پر آشوب زمانے میں حضرت تقدس مآب مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب نقشبندی گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بے مثال بزرگ ہوئے، جن کی عظمت ہند سے لے کر عرب تک قلوب میں عزت کے ساتھ متمکن ہے اور اب وہ شیخ العرب والعجم لکھے جاتے ہیں، یہ مراتب ہیں ــــ اس میں اللہ والوں کی ذات کے لئے مجھے کیا، ہر زندہ دل کو سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔

اس شیخ العرب والعجم نے اس ذاتِ اقدس کا وہ احترام کیا ہے کہ آج ہم عصر و ہم پایہ سے محال و ناممکن۔

رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ کا مبارک مہینہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس گنج مرادآباد تشریف لائے اور ایک جگہ قیام فرما کر اپنے دو ہمراہیوں کو شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمتِ مبارک میں بھیجا اور تاکید فرما دی کہ صرف اتنا کہنا "ایک شخص بریلی سے آیا ہے ملنا چاہتا ہے"۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے معاً فرمایا:

"وہ یہاں کیوں آئے ہیں،
ان کے دادا اتنے بڑے عالم
ان کے والد اتنے بڑے عالم ــــ
اور وہ خود عالم ــــ فقیر کے پاس کیا دھرا ہے"۔

پھر نرم ہو کر بکمالِ لطف فرمایا:

"بلایئے ــــ تشریف لائیں"۔

بعد ملاقات اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے مجلس (میلاد) شریف کی نسبت حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے استفسار کیا۔ ارشاد فرمایا: "تم عالم ہو، پہلے تم بتلاؤ"۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا: "مستحب جانتا ہوں"۔

فرمایا:

"آپ لوگ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور میں سنت جانتا ہوں صحابہ رضی اللہ عنہم جو جہاد کو جاتے تھے، تو کیا کہتے تھے؟ یہی نا کہ ــــ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ــــ اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اتارا۔ انھوں نے یہ معجزے دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل دیئے۔ اور مجلس میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ یہی بیان ہوتے ہیں جو صحابہ اس مجمع میں کرتے تھے!

* فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڈوا (لڈو) بانٹتے ہو، وہ اپنی مجلس میں موڑ (یعنی سر) بانٹتے تھے۔"

غرض حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو بکمال اعزاز و اکرام باصرار تمام تین روز ٹھہرایا۔ ۲۹ رماہ مبارک کو رخصت کیا جب عید سر پر آگئی ــــ اور وقتِ رخصت زینۂ مسجد کے کنارے تک تشریف لائے۔

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے نزدیک گستاخانِ رسول کا حکم

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے!

فرمایا:

"تکفیر میں جلدی نہ کرنا۔"

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے دل میں یہ خیال کیا کہ

"میں تو ان کو دل میں کافر کہتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ انور میں گستاخی کرتے ہیں۔"

یہ خیال لاتے ہی معاً حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"ہاں جو ادنیٰ حرف گستاخی کا شانِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں بکے، ضرور کافر کہنا، بے شک (وہ) کافر ہے۔"

پھر حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے موڑ کی ٹپیا تمھارے موڑ پر دھر دیں اور تمھارے موڑ کی اپنے موڑ پر دھر لیں،"

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے برائے ادب سر جھکا لیا۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی کُلاہ مبارک اپنے سر مقدس پر رکھ لی اور اپنی کلاہ مقدس اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کے سر مبارک پر رکھ دی۔[۱] جو آج تک بطورِ تبرک محفوظ کی گئی ہے۔[۲]

اس روایت کا نتیجہ ظاہر ــــ کھلی وصاف بات پر خامہ فرسائی بے کار۔ "کیا کوئی اس عزت کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔"

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے لائق و اہل سجادہ نشین حضرت قبلہ و کعبہ مولانا شاہ احمد میاں صاحب قبلہ مدظلہم الاقدس سے مجھے خاص طور سے شرفِ قدم بوسی حاصل ہے جن کے افضال وکرم کی انتہا نہیں ــــ اور میں بحمد اللہ اس شیخ الوقت علیہ الرحمہ کے حالاتِ مقدس سے بھی واقف ہوں۔ وہاں تک رسائی مشکل تھی لیکن بمصداق ؎

ہر کجا چشمہ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

مخلوقِ خدا آکر اپنی امیدوں کی جھولیاں پھیلاتی تھی اور شیخ علیہ الرحمہ کو دُرِ شہوار سے ان کو بھرنا ہوتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ مخلوقِ خدا چار طرف آکر گھیرتی تھی اور انھیں مجبور ہونا پڑتا تھا۔ پھر ان کی زندگی کے کارنامے صدہا تو اہلِ قلم نے قلم بند فرمائے ــــ رہے سہے لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔

تو کہنا ہے کہ

"کیا انھوں نے یہ افضال و اکرام کسی دوسرے عالم فاضل یا درویش صوفی پر بھی

---

[۱] یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی عمر شریف صرف بیس سال کی تھی اور حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی پورا اسی سال یعنی اعلیٰ حضرت کی صغر سنی اور حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی کبر سنی لیکن حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اپنی نگاہ ولایت سے پہچان لیا کہ اس نوجوان فاضل کا آفتابِ ولایت ایک وقت میں طلوع ہوکر چمکے گا اور اپنی نورانیت سے عالم کو منور فرمائے گا۔ ۱۲ رضوی

[۲] حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی وہ ٹوپی آج بھی پاکستان میں نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفسر اعظم ہند حضرت علامہ الحاج شاہ محمد ابراہیم رضا خاں صاحب جیلانی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے داماد حضرت الحاج شوکت حسن خاں صاحب رضوی مدظلہ العالی کے پاس موجود ہے۔ (تجلیاتِ امام احمد رضا ص ۳۲)

فرمائے یا نہیں؟

"بے شک یہ عزت اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو حاصل ہوئی۔"

یہ معلوم کر کے ہم وطن متعصب افراد اور زائد اپنے ہی طیش کی آگ میں جلنے لگیں گے اور رشک و تعصب کئی گنا بڑھ جائے گا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ:

"الحمد للہ ہمیں ایسی صورت کا گرویدہ اور والہ و شیدائی بنایا ہے جن کی نعلین کو بوسہ دینے کے متمنی علمائے مکۂ معظمہ اور صرف یہی نہیں بلکہ انھیں ایک بے نظیر امام بھی جاننے اور ماننے والے ہیں۔ اور طبقۂ صوفیا کے ممتاز و سربرآوردہ شیخ ان سے ٹوپیاں بدلنے والے اور انھیں ایک پشتینی عالم و فاضل سمجھنے والے ہیں۔"

۲۔ حضرت شاہ جی محمد شیر میاں قادری نقشبندی پیلی بھیتی

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی عادتِ شریف تھی کہ جب پیلی بھیت تشریف لے جاتے تو حضرت جناب تقدس مآب حاجی میاں محمد شیر صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ سے ضرور ملنا ہوتا۔

ایک روز اعلیٰ حضرت بعد مغرب تشریف لے گئے، حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ایک آہ سرد بھری، جس کی وجہ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے دریافت فرمائی تو فرمانے لگے کہ "فیض بند ہو گیا ہے۔"

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا:

"کیا باعث؟"

ارشاد فرمایا کہ:

"ایک دفعہ دل میں بیٹھے بیٹھے یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ کہیں کوئی بات شاید ان وہابیوں کی بھی حق ہو۔ یہ خیال آتے ہی فیض کا دروازہ بند فرما دیا گیا ہے۔ آپ ذکر شریف حضور پر نور محبوب اکرم سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیجئے۔ اس سے فیض جاری ہو جائے گا۔"

چنانچہ اسی وقت مجلسِ مبارک غوثیت ترتیب دی گئی ہے۔ بعد نمازِ عشا نصف شب تک اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے ذکر اقدس سے حاضرین کو بہرہ یاب فرمایا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہزاروں دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔

اب تو غالباً رشک و حسد کا آسمان کور باطنوں پر ٹوٹ پڑے گا کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے ایک ایسے پیر کامل کا فیض جاری کرا دیا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ معمولی بات ہے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس خدا کے محبوب بندے ہیں اور خدا کے محبوب عظیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی کچھ شان کریمی بھی معلوم ہے؟

پڑھئے کلام قدسی

"کُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ
وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاکَ یَا مُحَمَّدُ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"

یعنی سب ہماری رضا چاہتے ہیں اور ہم آپ کی رضا جوئی چاہتے ہیں۔ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!

اور پڑھئے قرآن کریم و برہانِ عظیم میں فرمایا جاتا ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ [1]

یعنی فرما دیجئے کہ اگر تم خدا کی محبت رکھتے ہو، تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے۔

تو گزارش یہ ہے کہ جو ایسے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فدائی ہو اور اس کے اس مقدس نام پر جو ابو البشر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے وسیلۂ رستگاری ہو، اپنا تن من دھن نثار کرے ـــــ تو ظاہر ہے کہ وہ کیا ہو سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ بد عقل یہ بہت جلد کہہ بیٹھتے ہیں کہ

"مولانا کو کفر کا فتویٰ خوب یاد ہے اور بہت جلد کافر بنا دیتے ہیں۔"

اب کوئی ان سے پوچھے کہ حضرت! شریعت تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئین مقدس ہے، مولانا کے گھر کی شریعت

---

[1] پ ۳ سورۂ آل عمران آیت ۳۱

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

امام احمد رضا اور ہم

مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی مصباحی (ایم۔اے)

متنبی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

ومن صحب الدنیا طویلا تقلبت
علیٰ عینہ حتیٰ یریٰ صدقہا کذبا

(جو دنیا میں عرصہ دراز تک زندہ رہا تو دنیا اس کی نگاہ میں اس طرح بدل جاتی ہے کہ کل کے سچ کو آج جھوٹ سمجھنے لگتا ہے)

بے شمار مشاہدے اس کی توثیق کر دیں گے۔ اور ایسا ہوتا بھی ہے۔ اردو شاعر نے بھی لکھا ہے:

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

مگر مشاہدہ عالم میں عجیب عجیب مناظر نگاہوں میں آتے ہیں۔ کتنے لائق بیان، کچھ لائق بیان نہیں۔ احساس پر بے حسی کا لبادہ ڈال کر دیکھتے جایئے۔ آنکھ بند کر کے گزر جایئے کچھ نہ بولئے۔ آپ اچھے۔ اگر کہیں زبان کھلی تو دفتر شکایت سننے کو آمادہ رہیئے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

امام احمد رضا کے عرس کی تقریب ہر سال منعقد ہوتی ہے۔ ہوتی رہے گی۔ زندہ باد کے نعرے ہر سال لگتے ہیں.... لگتے رہیں گے۔ خطبار ہر سال مناقب بیان کرتے رہیں گے۔ اور پورے بر صغیر سے عقیدت کیش آتے ہیں... آتے رہینگے۔ امام احمد رضا کا روحانی فیض جاری ہے جاری رہے گا۔ مگر کیا صرف زندہ باد کے نعرے لگا لینے سے ہم امام احمد رضا کے حقیقی عقیدت کیش ہو سکتے ہیں! یہ ایک اہم سوال ہے جو ہمارے اور آپ کے سامنے سوالیہ نشان "؟" بن کر کھڑا ہوا ہے۔

پورے ہندوستان میں انجمنیں بنتی ہیں اور اسٹیج سجا کر وہی ایک نعرہ بلند کیا جاتا ہے جس کو نصف صدی سے فضاؤں میں تحلیل ہوتا ہوا سنا اور محسوس کیا جا رہا ہے.... مگر... کسی نے اس پر غور کیا کہ ہم امام احمد رضا کے آفاقی نظریات کو فضاؤں میں تحلیل ہونے والے نعروں سے زندہ نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ امام احمد رضا نے بنیادی اصولوں کی قدر دانی کی ہے اور استحکام پسندی کو گلے لگایا ہے۔ وہ سخت کوش تھے اور سخت کوشی کی ترغیب دیتے تھے۔ وہ بنیادوں کو مستحکم اصول پر رکھنے کے عمل کو تیز سے تیز تر فرماتے تھے۔ ان کی پوری زندگی فکر و نظر کے انھیں پائیدار محاور پر گردش کر رہی ہے۔ اگر ان کی زندگی کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو سال کے ۳۵۸ / دن استحکام سازی کے عمل پیہم میں گزرتے اور دو دن خلق خدا کی سیرابی میں صرف ہوتے۔ مگر وہ بھی سوز دروں کی ایسی چاشنی ہوتی کہ محفل میں حاضر باش افراد صفائی قلب کا مرقع بن کر اٹھتے۔

اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ امام احمد رضا کی نظر میں صرف انھیں کاموں کی اہمیت تھی جو بنیادی اور ٹھوس ہوتے۔ اگر امام احمد رضا نے زبانی جمع خرچ کیا ہوتا تو اب تک نسلیں ان کو بھول چکی

ہوئیں۔ اور ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو گئی ہوتی۔ مگر انھوں نے خون جگر جلایا۔ لہو کی بوند، بوند نسل انسانی کے مستقبل کی تابناکی کے لیے قربان کردی۔ رات، رات لکھتے ۔۔ دن، دن لکھتے۔ لمحہ لمحہ لکھتے۔ ہمیشہ لکھتے رہے۔ حتیٰ کہ تصنیفات کا ایک عظیم ذخیرہ ہمیں ہبہ کیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ قلم کی طاقت اور تحریر کی قوت ذرائع ابلاغ کی جان ہیں۔ قوموں کو زندہ رکھنے کے لیے قلم و کاغذ۔ دوات و روشنائی کا ہتھیار سب سے قیمتی ہوتا ہے۔ لہٰذا تمام امت مسلمہ کو اس ہتھیار سے لیس کر دیا جائے۔ انھوں نے کیا اور کر کے دکھایا۔ مختلف فنون پر لکھا، ہزاروں کی تعداد میں لکھا۔ انمٹ نقوش چھوڑ گئے۔ بڑھتی دنیا تک کے لیے شعور کا اجالا بخش گئے۔ پوری قوم کا کام کیا، یکہ و تنہا کیا۔ یہاں تک کہ آخری لمحات تک کیا۔

انھوں نے افق پر اٹھنے والے غبار سے تند و تیز آندھی و طوفان کا جائزہ برسوں پہلے لے لیا تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ جب قومیں فضاؤں میں پرواز کے جذبات لے کر اٹھیں تو قوم مسلم کف افسوس ملتی تماشائی بنی رہے، بلکہ اس کو عصری افکار کے ایسے جواہر پارے بخش دیے جائیں، جو ہر وقت اس کی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوں اور وقت کی دوڑ میں سب سے آگے نکل سکے۔ علوم جدیدہ و قدیمہ کے بیش بہا خزانے وراثت میں چھوڑ گئے۔ امت مرحوم کو تہی دامن نہ چھوڑا، ہندی نژاد مسلمانوں کو ترقی کی راہ میں دوڑنے اور آگے نکل جانے کے تمام تر ذرائع کو اکٹھا کر دیا۔ سواد اعظم در غیر پر کاسۂ گدائی لے کر نہ جائے، خود کفیل ہو، دوسروں کی اس راہ میں رہنمائی کرے۔ ان کا احساس انھیں کروٹ کروٹ بے چین کیے رہتا اور وہ لمحہ لمحہ اہلسنت و جماعت کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتے رہے۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔

آج ہم ۔ ۔ ۔ کیا کر رہے ہیں! کہاں ہیں! ۔ ۔ ۔ کیسے ہیں ۔ ۔ ۔ ! کسی کو سوچنے کی فرصت نہیں۔ کسی کو جاننے کا موقع نہیں۔ ہم مبہم خیالات کو سچائی کا روپ دینا چاہتے ہیں۔ واقعیت سے چشم پوشی کر کے حقیقت کا راگ الاپ رہے ہیں۔ وقت سے پہلو تہی کر کے ایک ایسے ماحول کی آبیاری کر رہے ہیں جس کا لازمی نتیجہ صفر اور صرف صفر ہے۔

آج کے دور میں جو قوم ذرائع ابلاغ میں خود کفیل ہوتی ہے وہی کامیاب و کامراں کہی جاتی ہے۔ اور جو اس سے خالی ہو کوئی اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا بلکہ وہ گداگروں کی صف میں شمار ہونے لگتی ہے۔ صرف لکھنا کافی نہیں ہوتا بلکہ اکاڈمیکل کام کی پذیرائی ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تصنیف و تالیف کے مراکز قائم کیے جائیں۔ ۔ ۔ دار التصنیف والتالیف۔ ۔ دار المصنفین، دار الترجمہ ۔ ۔ ۔ ۔ اکاڈمی جیسے ادارے وجود میں آئیں۔ ان میں ارباب فکر و نظر اور اصحاب قلم کی خدمات حاصل کی جائیں۔ اور وقت کی تیز گامی میں قدم آگے بڑھایا جائے۔ شاید میری یہ بات تلخ ہو مگر سنانے سے مفر نہیں۔ مسلک اہلسنت و جماعت پوری دنیا کا آفاقی مذہب ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے خون جگر سے اسی نظریہ کی آبیاری کی۔ ہم انھیں کے اتباع کہے جاتے ہیں۔ برصغیر ہند و پاک میں جماعت اہلسنت انھیں کے علامتی نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ مگر بہت سارے ایسے ممالک ہیں جہاں امام اہلسنت کی شخصیت سے لوگ غیر متعارف ہیں۔ ایک دل دوز واقعہ سنئے اور نظریہ قائم کیجیے کہ ہماری لفظی خلائی پرواز کتنی دور رس ہے۔ ممکن ہے میرے اس قول اور واقعہ سے آپ کو اتفاق نہ ہو مگر مشاہدہ کا انکار سلامت طبعی کی دلیل نہیں۔

الجماهيرية العربية الليبية میں قیام کے دوران ایک روز کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ کی لائبریری سے کچھ کتابیں نکالنے ہمارا پورا وفد پہنچا۔ کتابوں کی تلاش میں ہر شخص منہمک تھا۔ راقم الحروف بھی ادھر ادھر کتابوں کے انبار میں نگاہیں مرتکز کیے ہوئے تھا۔ عربی کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ جس میں صرف عربی نسخے ہی موجود۔ مگر دفعۃً میری نگاہ کلیات اقبال اردو پر پڑی۔ نکال کر دیکھا اور رکھ دیا۔ پھر تفاسیر کے درمیان ایک جگہ تفہیم القرآن از سید ابو الاعلیٰ مودودی پر نگاہ پڑی تو وہیں جم کر کے رہ گئی۔ اس کو نکال کر دیکھا پھر رکھ دیا۔ مگر

ذہن میں تیز آندھی چل رہی تھی کہ کہیں امام اہلسنّت کی تصنیفات کا کوئی نسخہ ہاتھ لگے۔ پوری لائبریری چھان ماری مگر کہیں کوئی نسخہ نہ مل سکا۔ میرا ذہن خلاؤں میں مرتعش تھا۔ دماغ میں کرب کا احساس موجزن۔ کتاب لے کر اپنے ہوسٹل واپس ہو گئے۔ پھر کلاس میں اپنے مخصوص استاذ علی الطابونی سے میں نے امام اہلسنّت کے بارے میں معلوم کرنا چاہا۔ أأنت تعرف من هو الشيخ احمد رضا؟ (کیا آپ امام احمد رضا کو جانتے ہیں؟) جواب تھا لا! (نہیں) پھر میں نے پوچھا هل انت تعلم عن ابی الحسن علی الندوی؟ (کیا آپ ابوالحسن ندوی کو جانتے ہیں!) جواب تھا لا (نہیں) مگر تیسرے سوال کے جواب نے مجھے چونکا دیا۔ وماذا رايك عن ابی الاعلی المودودی؟ (ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟) انھوں نے کہا نعم انا اعلم كان عالمًا (ہاں میں جانتا ہوں وہ ایک عالم تھے) پھر میں نے پوچھا دون ذالك (اس کے علاوہ) انھوں نے کہا لا اعلمه إلا عالمًا فقط (میں انھیں صرف ایک عالم جانتا ہوں) پھر ہم نے اور ہمارے شریک سفر مولانا سیف خالد اشرفی نے امام احمد رضا کا لمبا چوڑا تعارف کرایا اور حضرت کی مشہور زمانہ حمد:

الحمد للمتوحد وجلاله المتفرد
وصلاته دوما على خير الانام محمد

سنایا جس پر وہ محظوظ ہوئے۔ (تفصیل کا مقام نہیں پورا مکالمہ کسی اور موقع پر ذکر کیا جائے گا)...

آپ اسے صرف ایک واقعہ سمجھ کر نظر انداز نہ کیجیے۔ بلکہ اس کے مبادیات پر نظر ڈالیے تو آپ کی روح کانپ اٹھے گی۔ آپ ایک سرسری تقابلی جائزہ لیجیے۔ مودودی کے بارے میں اتنا معلوم ہوا کہ وہ ایک عالم تھے اور امام احمد رضا کے بارے میں عدم علم کہ میں نہیں جانتا دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ عدم علم سے علم بہرحال بہتر ہوتا ہے۔ جب علم ہے تو مزید کسی دن اس کی معلومات کا شوق پیدا ہوگا پھر شخصیت کے مخفی گوشوں کی تلاش بھی ہوگی۔ مگر جس کے بارے میں کچھ علم نہیں اس کی طرف ذہن کا التفات کیونکر؟ آخر تفہیم القرآن وہاں کیوں پہنچی؟ جب کہ وہ اردو میں ہے۔ آپ تسلیم کریں یا نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ اکاڈمیکل کام کی اہمیت اور اس کی ضرورت ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ کی توانائی ہی کا کرشمہ تھا کہ جو تفہیم القرآن وہاں پہنچی۔ ورنہ کون جانتا کہ ابوالاعلیٰ مودودی کون ہیں؟

امام احمد رضا کی آفاقیت کو بٹہ لگانے میں غیروں سے زیادہ ہمارا اپنا ہاتھ ہے۔ ایک محاسبہ کیجیے۔ پورے ہندوستان کا نہیں صرف بنگال، بہار، یو۔پی اور اڑیسہ کا۔ ان چار صوبوں کا اوسط نکالیے سال میں کتنی کانفرنسیں اور کتنے جلسے ہوتے ہیں۔ اور سب کا ایک تخمینہ قائم کیجیے۔ تو آپ کی نگاہ حیرت سے پھٹی رہ جائے گی کہ اخراجات کی شرح لاکھ تک نہیں بلکہ کئی لاکھ تک پہنچتی ہے...

میں جلسوں کا مخالف نہیں۔ جلسے ضرور کیے جائیں کیونکہ ان پڑھ افراد کے درمیان اسلام پہنچانے کا جلسے ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ لیکن اپنی ساری انرجی صرف جلسوں ہی میں نہ جھونکی جائے۔ اس کو ثانویت کا درجہ دیا جائے اور اکاڈمیکل کام کو اولیت کا وہ لاکھوں لاکھ کا سرمایہ جو صرف لفظوں کی آبادکاری میں صرف ہوتا ہے اس کو مستحکم اور ٹھوس کاموں میں صرف کیا جائے۔

ایک عظیم الشان اکاڈمی دہلی یا بمبئی میں قائم کی جائے جس میں مختلف زبانوں میں اسلام کا کام ہو۔ امام اہلسنّت کی بلند و بالا، عبقری شخصیت کو پوری دنیا میں متعارف کرایا جائے۔ جدید طریقہ کار سے کالجز اور یونیورسٹیز تک امام احمد رضا کے بے داغ حق پر مبنی مسلم الثبوت نظریات پہنچایا جائے۔ ان کی عربی، فارسی اور اردو تصنیفات کا اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ امام احمد رضا یقیناً اردو کے ایک عظیم نثار ہیں اور ان کی اردو اردوئے معلّیٰ کا مرقع ہے مگر عصر حاضر کی زبان اس کی متحمل نہیں۔ کیونکہ اب اردو میں سہل پسندیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ تعلیمی معیار یا تو انحطاط پذیر ہوا ہے یا پھر اس کے دروبست میں تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ ہر زبان دس بیس سال کے بعد ایک انقلابی دور سے گزرتی ہے۔ اسی طرح اردو بھی مسلسل انقلابی

ادوار سے گزر رہی ہے۔ اس لیے ان کی اردو تصنیفات کا عصرِ حاضر کی اردو میں ترجمہ کیا جائے تاکہ لوگ خوب سے خوب تر فائدہ حاصل کر سکیں۔ اور ان کی انقلاب آفریں فکر سے ہر شخص آشنا ہو سکے۔ ان کے وہ جدید نظریات جو آج چیلنج کی شکل میں پیش کیے جا سکتے ہیں ان کو سہل اور عام فہم کیا جائے۔ شب و روز اور مسلسل کام کیا جائے۔ تب کہیں جا کر امام احمد رضا کا حق نمک خوارگی ادا ہو سکے گا۔

آج عرب میں دنیا میں السید سابق کی تصنیف فقہ السنۃ کو سند کا درجہ حاصل ہے ان کے افکار کو مجتہدانہ عمل تصور کیا جاتا ہے۔ یقیناً فقہ السنۃ ایک بہت معیاری کتاب ہے۔ مصنف نے شان اجتہاد سے کام لیا ہے۔ طرز تحریر اور طریقۂ استدلال بہت ہی جاذب ہے مگر فتاویٰ رضویہ کا معیار کچھ اور ہی ہے۔ یہاں استدلال کی قوت پر دلیلوں کی طغیانی ہے اور ہر دلیل کسی مجتہد کی فکر رسا کی یاد تازہ کرتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مجتہد اجتہاد کے ذروۂ کمال سے بول رہا ہو۔ اگر فتاویٰ رضویہ کا عربی ترجمہ کیا گیا ہوتا تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ السید سابق کی فقہ السنۃ سے کم اہمیت اور درجہ سند حاصل نہ ہوا ہوتا۔ بلکہ عرب دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہوتا . . . امام احمد رضا کی فکری پرواز بہت بلند ہے . . . مگر . . . آج ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہم پانی پر تحریروں اور ہواؤں میں رسم الخط کو ابدیت کا ملازمہ قرار دیتے ہیں تیز کاغذ کے پھولوں سے گلاب کی خوشبو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہماری خود فریبی ہے۔ ہم کو میدان عمل میں نکل کر آنا ہوگا اور حقیقت پسندی کا تاج محل تعمیر کرنا ہوگا۔

علاوہ ازیں ہمیں صرف امام احمد رضا پر ہی نہیں کام کرنا ہے بلکہ اپنے اکابر اسلاف کے ان مخفی خد و خال کو اجاگر کرنا ہوگا جن کی حیات کے درخشاں کارنامے زمانے کی دبیز تہوں میں گم ہوتے جا رہے ہیں۔ آج چند بزرگوں کو چھوڑ کر ہماری موجودہ نسل شاید کسی سے واقف ہو۔ چونکہ جن کے تذکرے کبھی کبھار دو چند ورقی کتابچوں میں نگاہوں سے گزر جاتے ہیں ان کے متعلق ایک دھندلا سا نقش ذہن میں موجود رہتا ہے۔ مگر کتنے ایسے بزرگ ہیں جن کی زندگی دو ورقی کتابچے میں بھی نہیں آسکی اور وہ پردۂ گمنامی میں مبہم ہوتے چلے گئے۔ کتنے تو ایسے ہیں جن کا تذکرہ تواتر سے ہوتا رہتا ہے اس لیے سماعت مانوس رہتی ہے لیکن وہ جن کا ذکر کبھی ہوا ہی نہیں ان کو کیا جانا جا سکے گا؟ ہم نے گرد و پیش سے نگاہیں موند لی ہیں۔

اگر ہم حریف جماعت کے طریق کار کو دیکھتے تو ہماری نگاہیں کھلتیں۔ آج ان کے یہاں گڑی ہڈیوں کو تحریر کا جامۂ فاخرہ پہنایا جاتا ہے اس پر ڈاکٹریٹ (پی۔ ایچ۔ ڈی) کی ڈگری لی جاتی ہے۔ لیکن ہم طفل تسلی میں زندہ باد . . . زندہ باد . . . کا انقلاب آفریں نعرہ بلند کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نظام شمسی کو مسخر کر لیا ہے۔

صدر الشریعہ مولانا امجد علی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین، مفتیٔ اعظم مولانا شاہ مصطفےٰ رضا، مجاہد حریت علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا عنایت احمد کاکوروی، مولانا عبدالحق خیرآبادی مولانا ارشاد حسین رامپوری، سید ابوالحسن نوری مارہروی، محدث اعظم مولانا سید محمد میا[ں] کچھوچھوی، مفتی مظہر اللہ دہلوی، حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مرادآبادی، مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی، مجاہد ملت مولانا حبیب الر[حمٰن] اڑیسوی، سید العلماء مارہروی، مفتی عبدالرشی[د] ناگپوری، مولانا سید حسینی چندارا کچوری علیہم الرح[مۃ] والرضوان وغیرہم کتنے نام شمار کراؤں۔ صفحہ [کے صفحے ہو] جائے بلکہ دفتر درکار، ان پر کیا کام ہوا؟ یہ تو زمانہ قریب کی شخصیتیں ہیں۔ زمانہ بعید کی ہم سے اوجھل ہیں۔ دو نسل گزر جانے کے بعد یہ بھی اوجھل ہو جائیں گے۔ پھر کون یاد کرے گا کہ فلاں بزرگ ایسے تھے۔ ان کا کارنامہ یہ ہے۔ جب کہ ان پر ایسے دستاویز مرتب ہونے چاہیے تھے جو مستقبل کی نسلوں کے لیے ہر میدان میں ماخذ کا کام دیتے اور نسلیں ان سے متعارف ہوتیں۔

ابھی چند ہفتہ پہلے جون ۱۹۹۰ء میں بنگلور کے اندر ایک فقہی سیمینار منعقد ہوا۔ رپورٹ شائع ہوئی اس میں اہلسنت و جماعت کا کوئی بھی فرد نظر نہ آیا جب کہ یہ سیمینار غیر جانب[دار] تھا۔ یہ سیمینار ہم کو منعقد کرنا چاہیے تھا لیکن ہم . . . . . . اگر ہم نے ا[...]

میدان میں قدم بڑھایا ہوتا۔ عصر حاضر کے ابھرتے ہوئے جدید مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہوتی تو ہم کو کف افسوس نہ ملنا پڑتا۔ ہم جزوی مسائل میں الجھ کر رہ گئے ہیں اور آفاقیت سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔ کیا یہ ہمارے لئے سود مند ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر اس عمل کو کیوں غیر ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ تحقیقی اور اکاڈمیکل کام کی ہر زمانے میں قدر و قیمت رہی ہے اور اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

لیبیا کے عالمی مذہبی ادارہ کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ العالمیۃ کا ایک علمی سیمینار ۲۲ جون کو اس کی راجدھانی طرابلس میں ذات العماد نامی بلڈنگ میں منعقد ہوا۔ جس کا عنوان "البحث العلمی فی الدراسۃ الاسلامیۃ" تھا۔ اس میں متعدد ممالک کے مندوبین شریک ہوئے۔ انھیں میں مصر کے دکتور محمد زحیلی بھی تھے۔ آپ نے بیش قیمت مقالہ "اصول البحث الاسلامی فی السیرۃ النبویۃ" پڑھا۔ ہمارا وفد بھی اس میں سامع کی حیثیت سے موجود تھا۔ جب ڈاکٹر محمد زحیلی صاحب اپنا مقالہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو شریک سفر مولانا سیف خالد اشرفی نے ان سے سیرت کے متعلق چند سوالات کئے۔ موصوف نے جواب دیا کہ محترم! سیرت پر جتنا کام ہندوستان میں ہوا ہے اتنا کسی بھی ملک میں نہیں ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر۔ سیرت نگاری سے متعلق ہندوستان کی اہمیت ایک مصری ڈاکٹر کے نزدیک کیوں اجاگر ہوئی؟ کہ یہاں اس پر اکاڈمیکل کام ہوا ہے جو ایک حقیقت ہے۔ ۔ ۔ پھر اگر امام احمد رضا کے افکار کو اکاڈمک طور پر پیش کیا جائے تو کیا ان کی عبقری شخصیت اور خدمات پر اہل علم نہ سر دھنیں گے۔ بلکہ اعتراف حقیقت ہوگا مگر پہلے انجام تو دیا جائے۔

پورے ہندوستان سے ارباب حل و عقد کا ایک بورڈ بنایا جائے۔ اس میں مفکرین اور دانشور شامل کئے جائیں۔ قلم کاروں کی خدمات حاصل کی جائیں اور لوگوں کا ذہن اس کی اہمیت کی طرف مبذول کرایا جائے۔ میں جانتا ہوں جو قوم کانفرنس اور جلسے کے نام پر لاکھوں کا سرمایہ دے سکتی ہے اگر اس کے سامنے افادیت کا یہ پہلو اجاگر کیا جائے تو کیا وہ آپ کو نامراد لوٹا دے گی؟ نہیں۔ ۔ ۔ بلکہ دل کھول کر آپ کی مدد کرے گی۔

اس کی زندہ مثال حافظ ملت کا وہ غیر مسخر مستحکم عزم راسخ ہے جس سے انھوں نے اتنا بڑا کام لیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ انھوں نے قوم کو اس کی ضرورت اور افادیت سمجھایا۔ لوگ محسوس کرنے لگے پھر حافظ ملت کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اپنے خزانوں کے منھ کھول دیئے۔ اور انھوں نے "الجامعۃ الاشرفیہ" کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ یہ ہمارے لئے ایک پیغام عمل ہے۔ کاش ارباب نظر سر جوڑ کر بیٹھتے اور وقت کی اس عظیم ضرورت سے قوم کو آشنا کراتے۔ اس ٹیکنالوجیکل دور میں ہر کام تدریجی اور تحقیقی ہو چکا ہے۔ اب لمحوں کو وسعت دے کر زمانہ بیکراں بنایا جاتا ہے اور زمانوں کو سمیٹ کر لمحات کا روپ دیا جاتا ہے۔ سائنس و کمپیوٹر نے سوچ کا رخ بدل دیا ہے۔ ہم کو بھی اپنی سوچ کا رخ بدلنا ہوگا۔ ہم کو چودھویں صدی ہجری کی نصف اخیر کی دہائیوں کا خلا اس طرح پر کرنا ہوگا تاکہ مستقبل کی نسلوں میں تشکیک کی راہ جنم نہ لے سکے۔ اور تحقیقی مواد کا ربط امام احمد رضا کے عصر سے متصل رہے۔

لکھنے کو تو بہت لکھتا مگر مقالہ کی طوالت کے باعث انھیں چند سطروں پر اکتفا کر رہا ہوں۔ خدا کرے قوم مسلم "اہلسنت وجماعت" کروٹ لے اور تاریخ کا ایک نیا باب مرتب کرے۔ ہمارے معزز علماء اور خطباء کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ قوم کے درمیان اس ماحول کو پیدا کریں۔ جب قوم اپنا معیار ترقی سمجھ لے گی تو آپ کے دوش بدوش وہ ہر منزل پر نظر آئے گی۔ لفظوں کی بنی دنیا سے تاج محل اور قطب مینار کی تعمیر نہیں ہو سکتی۔ قوم کی مزاج سازی کے لئے جگر کا لہو پلایا جاتا ہے تب آفتاب و ماہتاب کی برق کرنیں نمودار ہوتی ہیں۔

مکتوبات حافظ ملت علیہ الرحمہ

عقیدتمندان حافظ ملت کیلئے یہ خبر یقیناً باعث مسرت ہوگی کہ استاذ العلماء حافظ ملت قدس سرہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ کے مکتوبات جمع کرنے کا باقاعدہ کام شروع ہو چکا ہے۔ لہٰذا جن صاحبان کے پاس حضرت کے خطوط ہوں وہ برائے کرم ارسال فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں جو صاحبان اصل ارسال نہ کر سکیں وہ فوٹو کاپی بھیجدیں، تاکہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیات اور کارنامے کو اس زاویے سے بھی قوم کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ رابطہ کا پتہ

محمد عبدالمبین نعمانی قادری۔ دار العلوم قادریہ چریاکوٹ۔ ضلع مئو (اعظم گڈھ) ۲۷۶۱۲۹ (یوپی)

ساخت کھو چکے ہیں یا کھو رہے ہیں۔ مثلاً صلواتیں سنانا یعنی گالی دینا جب کہ لفظ صلوات صلوٰۃ کی جمع معنی نماز یا درود کے ہے۔ لن ترانیاں کرنا یعنی بکواس کرنا۔ اس طرح شعوری یا غیر شعوری طور پر ارباب حل وعقد بھی اس میں شریک ہیں۔ اگر ان مجروح لفظوں پر مزید بحث کروں تو مقالہ لمبا ہو جائے گا ورنہ معاشرے میں آج بھی اس طرح کے جتنے کتنے الفاظ ہیں جن کو لوگ استعمال کرتے ہیں اور اس کے منفی اثرات پر توجہ نہیں دیتے۔

میں اس سلسلہ میں کوئی شرعی قانون یقیناً آپ کو نہیں سناؤں گا۔ بلکہ آپ کا ضمیر خود ایک محاسب ہے۔ اپنے ضمیر سے پوچھئے۔ اگرچہ بعض الفاظ کے معنی میں تغیر کے بعد شرعی قباحتیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ ۔ ۔ ذات اور محل کے مطابق الفاظ استعمال کئے جائیں۔ نہ ان کو اتنا گھٹایا جائے کہ لفظ بے جان ہو جائے اور نہ ہی اس کو کسی غیر محل میں استعمال کیا جائے کہ اس کا تشخص مجروح ہو جائے۔ اگر الفاظ کے معنوی ارتباط کے توڑ پھوڑ کا عمل یوں ہی جاری رہے گا تو ممکن ہے کہ آئندہ کی نسلیں تاریخ کے پاکیزہ واقعات کے ضمن میں آئے ان الفاظ کا معنی غلط نہ سمجھ بیٹھیں۔ کیونکہ جب صحیح الفاظ کا بحران ہو جائیگا تو تاریخ کی اہمیت وافادیت بھی مجروح ہو جائے گی۔

(صفحہ ۶۵ کا بقیہ)

کو خوشخبری سناتے اور مبارکباد دیتے ہیں کہ مولانا آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے جو عالم باعمل اور ولی کامل ہوگا اور نادر دینی خدمات انجام دے گا وغیرہ وغیرہ اور کچھ دن بعد حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ والرضوان جب بریلی تشریف لائے تو حضرت مفتی اعظم کو اپنی گود میں لے کر نہ صرف اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرمایا بلکہ اسی وقت خلافت واجازت بھی عطا فرمادی۔ حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ کے مرتبہ کی عظمت کو سمجھنا ہو تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی روشنی میں سمجھیے جو آپ نے قصیدۂ نوری کے اختتام پر مقطع میں فرمایا ہے کہ ؎

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

معلوم ہوا کہ حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ ایسے عالم باعمل اور ولی کامل کا نام ہے کہ جس کے علم وولایت کا چرچا اللہ کے نیک بندوں کی زبانوں پر آپ کے اس خاکدان عالم میں قدم رکھتے ہی آچکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی بھی روشن۔ وفات بھی تابناک۔ اور مرقد میں بھی اجالا ہی اجالا ہے۔ جیسا کہ خود تحدیث نعمت کے طور پر فرماگئے کہ ؎

نور ایماں کی مشعل رہے روشن پھر تو
شب و روز مرقد نوری میں چراغاں ہوگا

(صفحہ ۱۰۴ کا بقیہ)

محلہ سوداگران عشاق مفتی اعظم سے بھرا
تھا۔ اور آج تو شہر بریلی کا وسیع وعریض
بھی انسانی سیلاب سے تنگ ہو رہا ہے۔

یہ کس کے روئے منور کی جلوہ باری ہے
نظارہ کرنے کو پیر وجواں سبھی نکلے

لاکھوں سوگوار آنکھوں نے اس آفتاب ولایت کو زیر زمیں چھپتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک عہد کی داستان دفن ہو گئی تقویٰ اور پارسائی کا معیار اپنے کردار دامن میں رکھنے والا چلا گیا۔ مگر ایک تاریخ چھوڑ کر۔ ایک شمع بجھ گئی ہزاروں چراغ جلاکر ۔ انسانی قلوب میں ایمان وتقویٰ کے نور بکھیرنے مرتے کہاں ہیں۔ وہ تو وفات پاکر زندہ ہو جاتے ہیں۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

مفتیٔ اعظم ہند

ایک تاریخ ساز شخصیت

برہان الملت حضرت علامہ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری

حضور مفتیٔ اعظم ہند شاہزادہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مصطفےٰ رضا صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے وصال پر ملال اور دائمی داغ مفارقت نے دل بے قرار اور دماغ وطبیعت کے انتشار کو فقیر کے سارے حالات پر ایسا مسلط کر دیا ہے کہ جس وقت حضرت اقدس کا خیال آتا ہے آہ کے ساتھ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰہم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منہ انا الی ربنا راغبون۔

مشیت پروردگار اور رضائے الٰہی پر صبر ورضا کے ساتھ حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کے خادم آستان برہان پر جو اکرامات اور احسانات کا فیض جاری رہا ہے اور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام آستاں کو حضرت مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے برابر ہمیشہ فیوض وبرکات سے نوازا اس کے چند مختصر حالات تسکین قلب کے لئے قلم بند کر رہا ہوں۔

حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ نے مجھ فقیر کو ہمیشہ اپنا بھائی فرمایا۔ اس بنا پر کہ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام اہلسنت رضی اللہ عنہ نے اس خادم کو اپنا روحانی بیٹا فرمایا۔ میں نے جو زمانہ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور تعلیم علوم دین اور اکتساب فیوض وبرکات ظاہری وباطنی اور روحانی حاصل کرنے کے لئے گزارا اس زمانے میں حضرت مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے میرا تعلق سگے بھائیوں جیسا رہا اور وہی نعمت وصال کے وقت تک قائم رہی۔ جس طرح اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبل پور کے متعلق اور حضرت والد ماجد عبد الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمۃ کے بارے میں اور اس خادم کے لئے ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا ؎

سپس بہر عبد السلام ایں سپاس
کہ از شکر خالق بود شکر ناس

وطن گرچہ آرام را در خور ست
جبل پور مارا از و خوشتر ست
نہ از خود شد او فرحت افزا مقام
کہ از عبد الاسلام عبد السلام
تولائے اصحاب آں محترم
برانگیختہ از وطن خاطرم
سلامت بود شاہ عبد السلام
بحق محمد علیہ السلام
الٰہی نگہدار برہان حق
بود دائما از وے اعلان حق
برائے تو و نسل تو دائما
بود از احد لطف ز احمد رضا

حضرت مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرح[mۃ]
اکثر فرماتے میرا ایک گھر بریلی شریف میں ا[ور]
دوسرا جبل پور میں ہے۔ فقیر حالانکہ اس
آستانہ عالیہ رضویہ کا ادنیٰ ترین خادم ہے لیکن
حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے ہمیشہ
مجھے اپنے برابر رکھا اور اعلیٰ حضرت امام اہل[سنت]
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے ایک طو[یل]

قصیدہ میں جہاں اپنے شاگردوں اور خلفاء کا ذکر فرمایا ہے اس خادم کا حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے حضور مفتیٔ اعظم ہند کا اسم گرامی مشہور مصطفیٰ رضا خاں اور کنیت آل الرحمٰن ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصیدے کے ایک شعر میں ہم دونوں کا ذکر فرمایا۔ اور پھر شعر میں ہی نہیں بلکہ ایک ہی مصرع میں ہمارے دونوں کے ناموں کو جمع فرمادیا جب کہ ہر شاگرد اور خلیفہ کا ذکر علیحدہ علیحدہ شعر میں فرمایا ہے۔ ہمارے متعلق جو شعر ارشاد فرمایا وہ یہ ہے ؎

آل الرحمٰن، برہان الحق
شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

تحریک خلافت اور قومی حکومت

جن دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد اور انگریزوں کی حکومت کے خاتمہ کی تحریک زوروں پر تھی۔ رجب ۱۳۳۹ھ کا واقعہ ہے کہ خادم آستان بریلی شریف حاضر ہوا۔ اس وقت یہ عام تحریک چل رہی تھی کہ ہندوستان میں قومی حکومت قائم ہوگی اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑا اجلاس بریلی میں زیر صدارت ابوالکلام آزاد منعقد ہوا اسی اجلاس میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر اعلیٰ حضرت نے اس جلسے میں شرکت نہیں فرمائی۔ اور اس زمانے کی چلنے والی تحریکات میں جو خلاف شرع باتیں تھیں ان کے پیش نظر اس اجلاس میں ایک وفد کو ستر سوالات کے ساتھ افہام و تفہیم کے لئے روانہ فرمایا۔ جو بصورت اشتہار "اتمام حجت نامہ" شائع ہوکر اراکین خلافت کمیٹی تک پہنچایا جاچکا تھا جو وفد اعلیٰ حضرت کی جانب سے مناظرہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا اسی وفد کے ساتھ فقیر بھی جلسہ گاہ میں پہنچا ابوالکلام سے فقیر نے مناظرہ کے آخر میں جو سوالات کئے اس کے پاس سوائے لعنۃ اللہ علیٰ قائلہ، لعنۃ اللہ علیٰ قائلہ کہنے کے اور کچھ کہنے کو نہ تھا اس واقعہ کی پوری تفصیل "روداد مناظرہ" اور "اکرام امام احمد رضا" میں تحریر ہے۔ (اکرام امام احمد رضا مصنفہ حضرت مولانا مفتی برہان الحق صاحب دامت برکاتہم القدسیہ ترتیب و تحشیہ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مرکزی مجلس رضا لاہور سے شائع ہوگئی ہے۔ محمد محمود احمد غفرلہٗ)

دارالقضاء شرعی کا قیام

اسی موقع پر اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض عقیدت مند اور ذی اثر صاحب رائے حضرات کے عرض کرنے پر بریلی شریف میں دارالقضاء شرعی کے لئے قاضی شرع اور قاضی شرع کو شرعی احکام و اعانت کے لئے مفتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دن صبح کے قریب ۹ بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے تخت پر ایک قالین بچھانے کا حکم فرمایا۔ ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لئے فرما رہے ہیں۔ پھر حضور امام اہلسنّت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ کو مخاطب فرمایا کہ میں آج بریلی میں دارالقضاء شرعی کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں اور انھیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قالین پر انھیں بٹھا کر فرمایا "میں آپ کو ہندوستان کے لئے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے کوئی مسائل پیدا ہوں جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کرسکتا ہے وہ قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے۔" پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے جن کا اقرار حضرت صدر الشریعہ نے کیا۔ اس کے بعد حضور نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے دست مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اسی مسند پر حضرت صدر الشریعہ کے متصل بٹھا کر مجھ سے فرمایا میں نے تمہارے فتوے دیکھے افتاء کے لئے تمہارے دماغ کو بہت مستعد پایا ہے میں تمہیں مسند افتاء پر بٹھا کر دارالقضاء شرعی کے لئے مفتی مقرر کرتا ہوں اس کے بعد حضرت مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں بٹھا[illegible] اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے ان سے فرما کر پھر ہم دونوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ دارالقضاء شرعی کے لئے قاضی شرع مولانا امجد علی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت او[illegible] فتویٰ دینے کی اجازت دیتا ہوں آج سے تم دونوں ہندوستان کے دارالقضاء شرع[illegible]

مرکز بریلی میں مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے ہو ہم دونوں سے کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادت عظیم پر سرِ نیاز خم کر دیا اور اٹھ کر ہم نے اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کی اعلیٰ حضرت نے دست مبارک اٹھا کر بہت دیر تک دعا فرمائی۔

حضرت صدر الشریعہ نے دو ہی دن قاضی شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک معاملہ کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے بعد میں اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر رمضان شریف کے لیے جبل پور آ گیا۔ یہاں جبل پور پہنچنے پر کچھ ایسے حالات و مواقع پیدا ہوئے کہ میں رمضان المبارک کے بعد پھر بریلی شریف حاضر نہ ہو سکا ذیقعدہ کے درمیانی ایام میں میری دو بچیوں کی وفات ہو گئی اور میری اہلیہ سخت بیمار ہو گئیں جس کی اطلاع اعلیٰ حضرت کو تار کے ذریعہ کی گئی۔ اس وقت موسم گرما کی شدت کے باعث اعلیٰ حضرت بھوالی نینی تال میں تشریف فرما تھے وہاں سے حضرت والد ماجد کے نام والا نامہ جو تعزیت اور دعاؤں کا حامل تھا تشریف لایا۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت نے اپنی سخت علالت کے سبب اس والا نامہ کو کئی نشستوں میں تحریر کرانے کا ذکر فرمایا ہے۔ جس کی نقل "اکرام امام احمد رضا" میں شامل ہے۔

محرم شریف ۱۳۴۰ھ میں کچھ اطمینان ہوا ہی تھا کہ والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمہ کی طبیعت سخت علیل ہو گئی جس کے باعث پھر بریلی شریف حاضری کا موقع نہ مل سکا اور یکایک بریلی شریف سے ۲۵ صفر المظفر کو حضور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال ذو الجلال کا تار ملا۔ تار اس وقت پہنچا جب میں بھی سخت بیمار اور غفلت کی حالت میں تھا۔ اس طرح دار القضاء شرعی کی بس ایک ہی نشست کرنے کے بعد ہم کوئی اجلاس نہ کر سکے نہ ہم تینوں ایک ساتھ کسی جلسے میں شریک ہو سکے۔

بریلی شریف میں میری پہلی حاضری

حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ میں نے پورے چار سال بریلی شریف میں گزارے۔ جب میری پہلی بار بریلی شریف حاضری ہوئی اس وقت میری عمر بیس سال تھی ویسے پہلی بار بمبئی میں مجھے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ اس وقت میری عمر تیرہ چودہ سال تھی۔ دوسری بار جب بریلی شریف میں میں نے حاضری دی اس وقت والد ماجد علیہ الرحمہ کے ہمراہ تھا اور میں اپنی تعلیم جبل پور ہی میں والد ماجد سے مکمل کر کے اعلیٰ حضرت سے اکتساب فیوض و برکات روحانی اور فیضان علم سے مستفیض ہونے کے لئے حاضر ہوا تھا اس وقت میں نے فارسی میں ایک سلام لکھا تھا جسے میں نے اپنے ہمراہ اس سفر میں جو مداح رسول منشی عبد الغفار صاحب تھے انھیں اعلیٰ حضرت کے حضور سنانے کے لیے دے دیا تھا کہ کسی موقع پر حضور میں اسے سنا دیں۔ بریلی شریف میں حاضری کے بعد جو پہلا جمعہ ملا اس میں نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اعلیٰ حضرت کے دولت خانہ پر تشریف فرما ہوئے منشی عبد الغفار صاحب نے اعلیٰ حضرت سے نعت شریف پیش کرنے کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر انھوں نے میرا فارسی کا سلام خوش الحانی اور والہانہ انداز میں جس وقت پڑھا اس وقت حاضرین مجلس میں پچاس ساٹھ حضرات اور بھی موجود تھے اس سلام کے چند اشعار یہ ہیں ؎

حضور سید خیر الوریٰ سلام علیک
بارگاہ شفیع الوریٰ سلام علیک

روم بسوئے تو بر ہر قدم کنم سجدہ
نوائے قلب شود شیدا سلام علیک

بجز درت نکشایم بہ ہیچ در دستم
تو ئیست قبلۂ حاجات ما سلام علیک

عطاکؐ عم علی کل ذرۃ فامطر
علیّ غیث عطاس عطا سلام علیک

ان اشعار کو سنتے وقت اعلیٰ حضرت پر ایک کیف طاری تھا اور آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ ادھر سامعین ہر شعر کو بار بار پڑھوا رہے تھے۔ منشی صاحب نے جب یہ شعر پڑھا ؎

بہ احمدے کہ رضائش ہمہ رضائے خداست
بگو ز من بصلوٰۃ اے صبا سلام علیک

اس شعر پر اعلیٰ حضرت نے چشم مبارک کھول کر والد ماجد کی طرف دیکھا اور خاموش رہے اس شعر کو محفل میں بار بار پڑھنے کی خواہش

کا اظہار ہوتا رہا۔ جب منشی صاحب نے مقطع کا یہ شعر پڑھا ؎

رسی چو بر در احمد رضا بگو برہان
بصد ادب بشما شد اسلام علیک

مقطع کے اس شعر کو سن کر اعلیٰ حضرت نے والد ماجد سے فرمایا کیا یہ برہان میاں نے لکھا ہے، ماشاء اللہ یہ آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے۔ میں غور کر رہا تھا کہ مولانا جامی کی زمین میں یہ کس نے طبع آزمائی کی ہے۔ برہان میاں کہاں ہیں؟ میں دارالافتاء سے باہر آکر اعلیٰ حضرت کے حضور مؤدب دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ صحابی رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعت پڑھنے کی اجازت چاہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا منبر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر پڑھو حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے والہانہ انداز میں نعت شریف پیش کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی حضور کے جسم مبارک پر اس وقت بردیمانی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریب بلا کر وہ چادر انھیں اڑھا دی۔ فقیر آپ کو کیا پیش کرے اتنا فرما کر جس عمامہ کو زیب سر مبارک فرما کر اعلیٰ حضرت نے جمعہ پڑھائی تھی اسے سر مبارک سے اتار کر خادم کے سر پر رکھ دیا گیا یہ بارگاہِ رضویت سے میرے لئے پہلا انعام تھا جس سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری پر فقیر کو سرفراز فرمایا گیا۔ آج تک وہ عمامہ میرے پاس تبرکات میں محفوظ ہے۔ جسے میں عید میلاد مبارک اور عید غوثیہ کے موقع پر زیب سر کرتا ہوں۔

میں بریلی شریف میں پانچ ساڑھے پانچ ماہ رہتا پھر جبل پور آجاتا۔ اس طرح میں نے چار سال حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گزارے اور علوم دینی ظاہری و باطنی اور فیوض روحانی کے ساتھ ساتھ برکات و سعادات مبارکہ سے مزین ہوا اور آج وہی فیوض و برکات و سعادات فقیر کے لئے عزت افزا اور خدمت دین متین سے شرف یابی کا سبب ہیں۔

میرا بریلی شریف میں یہ چار سال کا زمانہ حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے ساتھ اس طرح گزرا کہ اجنبی لوگ جو باہر سے آتے ہم دونوں کو حقیقی بھائی سمجھتے۔ ہم دونوں ہر وقت ساتھ کھانا کھاتے، ساتھ رہتے اور اٹھتے بیٹھتے لکھتے پڑھتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم کسی نماز میں ساتھ شامل ہوتے تو ہمیشہ حضور مفتیٔ اعظم اس خادم کو امامت کے لئے بڑھاتے حالانکہ فقیر ہمیشہ عذر کرتا۔

۱۳۳۶ھ میں اعلیٰ حضرت کو جبل پور تشریف لانے کی تکلیف دی گئی۔ حضرت مفتیٔ اعظم ہند بھی پہلی بار اعلیٰ حضرت کے ساتھ تشریف لائے اور اس کے بعد پھر متعدد بار اعلیٰ حضرت کی حیات طیبہ میں حضور مفتیٔ اعظم جبل پور تشریف لائے ایک بار شعبان میں حضور مفتیٔ اعظم کی تشریف آوری ہوئی اور ۲۲ ر رمضان المبارک کے بعد جبل پور سے بریلی شریف مراجعت فرمائی۔ یہ آستانہ عالیہ رضویہ کے غلام خادم آستان پر حضور مفتیٔ اعظم کا کرم تھا جو روز افزوں بڑھتا ہی رہا اور اس طرح حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی تشریف آوری اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشادِ مبارک کی تصدیق تھی کہ جبل پور میرے وطن سے مجھے زیادہ محبوب ہے وطن میں گرچہ آرام ملتا ہے مگر جبل پور مجھے اس سے زیادہ خوشتر ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ جبل پور کو اپنا دوسرا وطن فرماتے اور دوسرے لوگوں سے فرماتے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال شریف کے بعد شوال ۱۳۴۰ھ میں جب والد ماجد علیہ الرحمۃ نے حج و زیارت کا ارادہ فرمایا اس وقت یہ فقیر دو دن کے لئے بریلی شریف حاضر ہوا۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ اور مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ سے اس سفر خیر کے لئے دعاؤں کا طالب ہوا اور بحمدہٖ تبارک و تعالیٰ فریضۂ حج اور دربار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف حاصل کر کے جب ہم ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ میں واپس آئے تو یہ فقیر ربیع الآخر میں بریلی شریف حاضر ہوا اور تبرکات کا تحفہ پیش کیا۔

اس کے بعد حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ
فی عرصہ کے بعد حضرت والد ماجد عید الاسلام
اہ محمد عبد السلام علیہ الرحمۃ کے چہلم میں
دی الآخرہ ۱۳۷۲ھ میں جبل پور تشریف لائے۔
ر تو ہر سال والد ماجد علیہ الرحمۃ کے عرس میں
ر جمادی الاولیٰ سے ایک دو یوم قبل جبل پور
شریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی مسلسل دو دو
سے زائد قیام فرماتے ایک بار جبل پور
ے اجمیر شریف حضرت کے ہمرکاب میری بھی
اضری ہوئی۔ اجمیر شریف سے واپسی پر جے پور
جی شیخ احمد حسین صاحب جوہری کی دعوت
جانا ہوا۔

سئلہ اذان ثانی

جے پور میں ہماری قیام گاہ کے بالکل
امنے مسجد تھی۔ جمعہ کے دن حضور مفتئ اعظم
ندے نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی
ی حضور نے یہ خدمت خادم کو تفویض فرمائی۔
ب جمعہ کا وقت آیا۔ اذان ہوئی ہم نے مسجد
انے کی تیاری کی مگر حضرت میرے ساتھ
انے کے لئے تیار نہ ہوئے میں نے حضور سے
سجد چلنے کے لئے عرض کی تو فرمایا۔ "یہاں
مسجد کے لوگ بہت ضدی ہیں اذان ثانی
سجد کے اندر ہی دیتے ہیں مسئلہ بتانے اور
سمجھانے کے بعد بھی باز نہیں آتے اور میں
خلاف سنت فعل اپنے سامنے ہوتے نہیں دیکھ
سکتا۔ جب خطبہ شروع ہو جائے گا۔ میں
آجاؤں گا" میں نے عرض کی حضور تشریف تو
لے چلیں آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی پھر
فرمایا کہ میں بہت سمجھا چکا اور دیکھ چکا یہ لوگ
ماننے والے نہیں میری دعا ہے کہ خدا کرے
کہ یہ آج آپ کے سمجھانے اور مسئلہ کی وضاحت
سے مان جائیں۔ خدا انھیں اس کی توفیق
و ہدایت عطا فرمائے۔ میں تنہا مسجد میں
حاضر ہوا۔ ادائے سنت کے بعد مجھ سے
خطبے کے لئے کہا گیا۔ میں منبر پر بیٹھ گیا
موذن نے بالکل منبر کے قریب کھڑے ہوکر
اذان دینے کا ارادہ کیا۔ میں نے موذن کو روک
کر حاضرین مسجد کو مطلع کر کے اذان سے متعلق
شرعی حکم سنایا کہ اذان مسجد کے اندر دینا
مکروہ تحریمی ہے اذان کا مقصد اعلان عام
ہے خطیب کے سامنے منبر کے قریب مسجد کے
اندر اذان دینے سے وہ مقصد حاصل
نہیں ہوتا جو شریعت نے مقرر فرمایا ہے۔ اسی
مقصد کے لئے اذان خطبہ بھی خارج مسجد دینے
کا حکم فرمایا گیا ہے۔ میں خلاف سنت کوئی کام
نہ کروں گا کہ میں منبر پر رہوں اور اذان خطبہ
میرے سامنے منبر کے قریب مسجد کے اندر
دی جائے۔ میں خطبہ اور نماز جمعہ اسی وقت
پڑھاؤں گا جب اذان خارج مسجد خطیب کے
سامنے ہو۔ اور نماز عصر کے بعد آپ تمام
حضرات مسجد ہی میں موجود رہیں میں اس
مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ آپ کو
سمجھادوں گا۔ چنانچہ موذن نے مسجد کے باہر
منبر کے سامنے اذان خطبہ دی۔ جب مسجد کے
باہر اذان خطبہ دی۔ جب مسجد کے باہر اذان
خطبہ بھی ہوئی تو قیام گاہ میں حضرت کو
معلوم ہوا کہ آج تو اذان مسجد کے باہر ہو رہی ہے
اس پر حضرت نے بڑے جذبۂ مسرت کے
اظہار کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ آج
تو اذان خارج مسجد ہو رہی ہے۔ برہان میاں
نے صحیح کہا تھا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی اور
حضور فوراً مسجد تشریف لے آئے۔ نماز جمعہ
کے بعد فقیر نے مسئلہ اذان ثانی کو بہت واضح
طور پر سمجھایا ختم تقریر پر متولی صاحب نے اقرار
کر لیا اور اعلان کیا کہ اب اذان خطبہ بھی ہمیشہ
اس مسجد میں خارج مسجد ہی ہوا کرے گی
اور اس امر کا ندامت کے ساتھ اعتراف کیا
کہ حضور مفتئ اعظم ہند کی بات ہم لوگوں
نے نہیں مانی جس کا ہمیں افسوس ہے اور اس
کے لئے توبہ کی اور معافی چاہی۔ بحمدہٖ تبارک و تعالیٰ
حضور کی دعاؤں کی برکت سے آج بھی وہاں
اذان خارج مسجد ہی ہو رہی ہے۔ نماز جمعہ سے
واپسی پر قیام گاہ میں خادم کو اس کامیابی
پر حضور نے بہت بہت دعاؤں سے سرفراز
فرمایا میں نے عرض کیا کہ یہ سب حضور کی دعاؤں
کی برکت کا ہی فیض ہے۔

مسلم پرسنل لار

شریمتی اندرا گاندھی کے سابقہ دور حکومت
میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تحریف اور تبدیلی
کا بل پیش ہوا۔ فقیر نے اس کے خلاف
فوری طور پر احتجاجاً ایک مراسلہ حکومت ہند
کو بھیجا جس میں مسلم پرسنل لا میں کسی بھی

قسم کی کوئی تبدیلی ترمیم یا تحریف کو مسلمانوں کی جانب سے ناقابلِ قبول قرار دیا اور اس کے لئے قانونی شرعی پہلوؤں کو اس مراسلے میں تحریر کیا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے ارباب فکر و دانش نے علمائے کرام کی زیرِ قیادت بمبئی میں ایک احتجاجی جلسہ کا اعلان کیا۔ جس میں ملک کے ہر عقیدہ اور مکتبۂ فکر کے علماء کو دعوت شرکت دی گئی۔ فقیر کے نام بھی دعوت نامہ آیا مگر فقیر نے اس مخلوط جلسے میں شرکت سے معذرت نامہ بھیج دیا۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند انھیں دنوں بالاگھاٹ تشریف لائے ہوئے تھے اور فقیر زادہ محمد محمود احمد حضور کی خدمت اقدس میں شرف زیارت وفیوض و برکات کے حصول کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت والا سے محمود میاں نے پرسنل لا اور اس کے اجتماع میں میری شرکت کے بارے میں دریافت کیا اور فقیر زادہ نے میری شرکت سے معذرت اور اس کے اسباب حضور کے سامنے عرض کئے اور اپنے طور پر جو کچھ بھی کارروائی کی جا رہی تھی اس کا بھی تذکرہ کر دیا حضور نے سارے معروضات سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ "برہان میاں سے جاکر کہو کہ ہرگز ہرگز اس جلسے میں شرکت سے انکار نہ کریں اور چونکہ اس سلسلے میں سب سے پہلے انھیں کا احتجاج اور اقدام ہے اور احتجاج بھی ایک باقوت احتجاج ہے اس لئے انھیں اپنا کام جاری رکھنا اور اسے آگے بڑھانا ہے مخلوط اجتماع اور غیروں کے زیر اہتمام وصدارت یہ جلسے ہونے کے باعث انھوں نے جو معذرت کی اور شرکت سے احتراز فرمایا ہے اسے ترک فرمادیں اور ضرور ضرور شرکت فرمائیں۔" ادھر بمبئی سے مدعوئین جلسہ برابر مراسلات و فون سے مجھ سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے کہ میں ضرور ضرور ہر حالت میں جلسے میں شرکت کروں۔ جب فقیر زادہ محمود میاں صاحب نے بالاگھاٹ سے آکر مجھے حضرت کا پیغام وحکم سنایا تو میں نے حضرت اقدس کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے ان کے اشارات وہدایات پر شرکت کا ارادہ کر لیا۔

جلسے میں شرکت کے لئے میں بمبئی پہنچا مگر منتظمین جلسہ کا مہمان نہ ہوا اور اپنے ایک برادرِ طریقت خلیل احمد صاحب کے یہاں میں نے قیام کیا۔ جلسے میں بہت زبردست اجتماع تھا تقریباً دو لاکھ افراد کا مجمع تھا میرے پہنچنے سے پہلے جن مولویوں کی تقریریں ہوئیں ان کے فوٹو بھی لئے گئے اور دورانِ تقریر تالیوں کی گڑگڑاہٹ اور گونج اٹھتی رہی۔ جب تقریر کے لئے فقیر کے نام کا اعلان ہوا اور فقیر مائک کے سامنے پہنچا فوٹو گرافر سامنے آئے۔ میں نے نہایت بلند آواز سے زور اور سختی کے ساتھ منع کیا کہ یہ جلسہ ایک اسلامی جلسہ ہے مسلمانوں کا ہے فوٹو کھینچنا حرام ہے ہرگز ہرگز کوئی فوٹو نہ لیا جائے۔ جب میں نے تقریر شروع کی اور اسلام کے قانون کی عظمت واہمیت کا ذکر کیا تو حسبِ معمول مجمع نے تالیاں بجائیں میں نے سختی کے ساتھ مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کو کہا کہ ایک اسلامی اجتماع ہے یہ کوئی سیاسی جلسہ نہیں کہ آپ لوگ تالیاں بجا رہے ہیں آپ لوگوں کو شرم آنی چاہئے اگر آپ کو کوئی بات پسند آتی ہے اور آپ کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے تو آپ اس کی تائید میں نعرۂ تکبیر بلند کیجئے اور اس کا استق[illegible] نعرہ ہائے اسلامی سے کیجئے اس کے ساتھ ہی جلسے میں نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کی آوازیں بلند ہونے لگیں اسی تقریر میں میں نے واضح کیا کہ مسلم پرسنل لا رمسلمانوں کا قرآنی شرعی اسلامی قانون ہے جس میں ایک حرف کی ترمیم ہو سکتی ہے نہ ہی کسی قسم کی تحریف وتبدیلی ہی کی جا سکتی ہے۔ قرآن عظیم کے حکم کے مطابق اس میں کسی قسم کی ترمیم وتحریف یا[illegible] کرنا تو درکنار اس قسم کا کوئی ارادہ کرنا اور اس کا اظہار کرنا ہی کفر ہے قرآن عظیم کا ار[illegible] ہے ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الکٰفرون — جو بھی اللہ کے حکم کو نہ مانے وہ کھلے کافروں میں سے ہے اور یہ بھی قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ ان الحکم الا اللّٰہ اسلام کے لئے حکم دینا صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے اللہ ہی اسلام میں احکام کا مالک ہے میں نے اس سلسلے میں جن نکات کو جلسے میں پیش کیا ان سے سبھی حاضرین جلسہ بہت متاثر ہوئے۔ پھر میں نے ساتھ ہی ساتھ حکومت کو بھی متنبہ کیا کہ مسلمان سر پر کفن باندھ کر حکومت کے ہر اس اقدام کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں

اور ہر اس حکم کی دھجیاں اڑانے کو مستعد ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ وہ حکومت کے اس ارادہ کو کبھی بھی کامیاب نہ ہونے دیں گے کہ وہ مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی ترمیم و تحریف۔ تبدیلی کی کوشش کرے اور حکومت چونکہ سیکولر ہے اسے اپنا سیکولرزم کے پیش نظر مسلمانوں کے مذہبی معاشرتی اور اخلاقی احکام میں دخل دینے سے احتراز کرنا چاہئے اور ملکی قانون کے تحت شخصی و مذہبی آزادی میں حکومت کو کسی قسم کی دخل اندازی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

حکومت کے پاس جو کچھ فضلہ خوار نام کے مسلمان ہیں اور اپنی مطلب براری کے لئے پال رکھے گئے ہیں وہ صرف نام کے مسلمان ہیں وہ احکام الٰہی میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ یا تحریف کا ارادہ کریں اور حکومت سے درخواست کریں تو وہ جب سرے سے مسلمان ہی نہیں بلکہ خارج از اسلام ہیں تو ان کی بات مسلمانوں کی بات نہ ہو گی۔ اور انھیں مسلم پرسنل لا کے متعلق کچھ کہنے کا قانونی حق بھی نہیں ہے اور پھر مسلمانوں سے کہا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان سے مقاطعہ کریں ان سے سلام و کلام ترک کریں۔ بیمار پڑیں عیادت نہ کریں مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔

میں حکومت کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اعلان کیا ہے کہ اگر مسلمان چاہیں گے تو مسلم پرسنل لا میں ان کی منشا کے مطابق تبدیلی کرنے کا قانون بنایا جا سکتا ہے حکومت اور وزیر اعظم کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان کبھی بھی مسلم پرسنل لا میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو برداشت نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں انھیں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا کوئی قانونی حق نہیں۔ حکومت ان کی باتوں میں ہرگز ہرگز توجہ نہ دے۔ تقریر کے فقرہ فقرہ پر نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت جلسے میں بلند ہوتے رہے۔

جب میں اپنی تقریر ختم کر کے جلسہ گاہ سے قیام گاہ کی طرف جانے لگا تو مولوی قاری طیب صاحب اور مولوی عتیق صاحب نے مجھے جلسے میں بیٹھنے کو کہا میں نے کہا کہ مجھے آپ نے جس لئے بلایا تھا میں نے اپنا اظہار خیال کر دیا اور اپنا کام کر دیا۔ اب آپ اپنا جلسہ کرتے رہیں۔ قاری مولوی طیب صاحب نے بڑے پر خلوص جذبات میں کہا کہ جلسے میں آپ نے جن نکات کا ذکر کیا۔ ان نکات کی طرف ہمیں شان و گمان بھی نہ تھا۔ ہمارے فہم اس کے حصول سے قاصر رہے۔ ہم اس طرف توجہ بھی نہ کر سکے آپ کی تشریف آوری اور شرکت سے ہمارا جلسہ نہایت کامیاب رہا۔ پھر مولوی فاخر صاحب الٰہ آبادی، مولوی عتیق صاحب اور قاری طیب صاحب نے مجھے جلسے میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں نے پھر کہا کہ میں جو کہنے آیا تھا وہ کہہ چکا کچھ سننے نہیں آیا تھا۔ اس لئے اب قیام گاہ پر جا رہا ہوں۔ داؤدی فرقے کے پیشوا ملا نجم الدین صاحب و مولوی عتیق صاحب کچھ دور تک میرے ساتھ آئے اور کہا کہ اگر آپ جلسے میں تشریف نہ لاتے اور شرکت نہ فرماتے تو جس طرح آپ کی شرکت سے اور تقریر سے ہمارا جلسہ کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے ہرگز ہرگز نہ ہوتا۔

اس جلسے میں علمائے اہلسنت میں سے کسی نے بھی میرا ساتھ نہ دیا۔ جب کہ میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے ارشاد اور حکم کے مطابق ہی شریک جلسہ ہوا تھا۔ صبح جب جلسے کی کارروائی میری تقریر کے ساتھ اخبارات میں جلی حرفوں میں شائع ہوئی۔ تو علمائے اہلسنت نے میرے لئے دعائیں کیں اور کامیابی پر مبارکباد دی۔ دوسرے دن کے جلسے میں چونکہ حضرت ارشد القادری صاحب حج زیارت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور بمبئی میں ہی تھے میں نے ان سے جلسے میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے کے لئے کہا وہ فقیر کے ساتھ دوسرے دن جلسے میں تشریف لے گئے اور اپنی تقریر میں میرے بیان کی تائید و حمایت فرمائی۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو جب جلسے کی مکمل رپورٹ ملی تو انھوں نے میری کامیابی پر دعائیہ کلمات کے ساتھ مبارکباد تحریر فرما کر والانامہ سے نوازا۔ جب میں بریلی شریف حاضر ہوا تو حضور نے مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم شریک جلسہ نہ ہوتے اور اظہار حق و اعلان حق نہ کیا ہوتا تو بڑی کمی رہ جاتی۔ تم نے اس سلسلے میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی اس کی تائید میں یہ جلسہ

بڑا کامیاب رہا اور یہ جلسہ تمہاری شرکت سے تمہارا جلسہ ہوگیا۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ ونوالہ وافضالہ۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والد ماجد علیہ الرحمۃ کے چہلم میں جمادی الآخرہ ۱۳۷۲ھ میں کافی عرصہ کے بعد جبل پور تشریف لائے پھر تو برابر ہر سال عرس رضوی عید الاسلامی کے موقع پر عرس مبارک سے ایک دو یوم قبل تشریف لاتے اور کبھی کبھی عرس مبارک کے بعد دو دو ماہ قیام فرماتے حضور مفتئ اعظم ہند کی آخری تشریف آوری دسمبر ۱۹۷۸ء میں ہوئی حاجی محمد رمضان جبل پور سے حضور کو لینے کے لیے گئے سخت علالت اور کمزوری کی حالت میں حاجی صاحب اوائل دسمبر میں حضور کو بہت آرام کے ساتھ جبل پور لے آئے ساتھ میں حاجی حافظ محمد فاروق صاحب بنارسی خلیفہ حضور مفتئ اعظم بھی تشریف آئے۔ جبل پور میں فقیر نے حضور کا مزاج مبارک دیکھ کر علاج شروع کیا۔ یہاں بفضلہٖ تبارک وتعالیٰ حضور بالکل تندرست ہوگئے۔ ۲۲ جنوری ۱۹۷۹ء کو تقریب دو ماہ قیام کے بعد حضور نے ذریعہ کار براہ بنارس بریلی شریف مراجعت فرمائی۔

اسی دوران قیام کے اختتام پر مسلمانان جبل پور نے حضور مفتئ اعظم ہند کے جشن صحت کا ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور فقیر کے لیے بھی اس جشن صحت میں صحت و تندرستی کے لیے رب قدیر کا شکر ادا کیا اور ہماری صحت و تندرستی کے لیے دعائیں کی گئیں۔ یہ جشن صحت جس میدان میں منایا گیا تمام لوگوں کی خواہش پر اس میدان کو یادگار کے طور پر رضا چوک کا نام دیا گیا اس جلسے کے موقع پر جو ایک یادگار اور تاریخی جلسہ تھا میلوں دور پہ کھڑے عقیدت مند مسلمانوں نے حضور کا نعرۂ تکبیر نعرۂ رسالت نعرۂ غوثیت اور حضور مفتئ اعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے استقبال کیا اور شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا اور اس موقع پر سارے شہر کو برقی قمقموں سے رات کو دن بنا دیا گیا تھا جب جلسہ گاہ میں حضور مفتئ اعظم ہند تشریف فرما ہوئے۔ فقیر بھی ہمراہ تھا جلسہ گاہ میں حضور کے تشریف فرمانے کے بعد بمبئی کے ایک شاعر جناب مرتضیٰ حسن صاحب نے جو رضوی تخلص فرماتے ہیں ایک قصیدہ تہنیت جو دعائیہ کلمات پر مشتمل تھا پیش کیا جس کا مطلع تھا۔

یا الٰہی تیرے فضل کے سایہ میں مفتئ اعظم دین وملت رہے
میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا پیر طریقت سلامت رہے

شاعر نے اپنے جذبات بھرے والہانہ انداز میں مطلع کے شعر کو ابھی دو ہی بار پڑھا تھا اور جب تیسری بار اس شعر کی تکرار کی اور ابھی پہلا ہی مصرعہ پڑھا تھا اور مصرعہ ثانی جیسے ہی پڑھنے کا ارادہ کیا حضور مفتئ اعظم ہند جو تکیہ سے سہارا لیے بیٹھے تھے اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور مطلع کے مصرعہ ثانی میں اس طرح دی یا یوں کہیے کہ مصرعے کو تبدیل فرماکر مطلع کے مفہوم ہی کو بالکل بدل دیا حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے مجھ فقیر کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے فرمایا ؎

میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا برہان ملت سلامت رہے

حضور نے یہ مصرعہ جس انداز سے تبدیل فرماکر جوش محبت اور خلوص قلب سے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا دیکھنے اور سننے والے ہی اس کی لذت اور حقیقی تاثرات سے آشنا ہیں۔ جشن صحت کے تیسرے دن حضور اقدس یہاں سے بریلی شریف کے لیے تشریف لے گئے۔ بریلی شریف میں پہنچنے پر حضور کی طبیعت پھر ناساز ہوئی ضعف بڑھتا گیا اور پھر جبل پور تشریف نہ لاسکے اور بمشیت الٰہی ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کو داعی اجل کو لبیک فرماتے ہوئے ؎

مصطفیٰ رضا صحب معبود ہوگئے

۱۴۰۲ھ

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ واسکن فی جنت النعیم۔

رب العزت تبارک وتعالیٰ حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کے وسیلے سے ہم تمام خادمان مفتئ اعظم ہند کو ثبات واستقامت کے ساتھ مجدد دین وملت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک مقدس پر قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

واللہ المستعان علیٰ ما تصفون وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نور عرشہ ومظہر لطفہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین آمین۔

مفتی اعظم کا

تقویٰ اور متشرع زندگی

حضرت علامہ مفتی عبد المنان مبارکپوری شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی۔

انسانوں میں پائی جانے والی خوبیوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ ۱۔ ذاتی (۲) اضافی

آدمی کی اضافی خوبیوں سے ہماری مراد وہ بڑائیاں ہیں جو کسی فرد کو کسی دوسری بڑی چیز سے رشتہ اور علاقہ کی بنیاد پر حاصل ہوں۔ مثلاً زید بہت بڑا آدمی ہے۔ اس لئے کہ ایک بہت بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ عمر ایک بہت اونچا انسان ہے اس لئے کہ وہ ایک عالی خاندان کا فرد ہے۔ بکر ایک گریٹ جنٹلمین ہے اس لئے کہ وہ ایک فیمس جگہ کا رہنے والا ہے۔

الغرض وہ ساری خوبیاں جو خود انسان میں نہ ہوں بلکہ کسی بڑی سوسائٹی کا فرد، یا بڑے مقام کا باشندہ ہونے یا بڑے آدمی کے رشتہ ناطہ کے ذریعے آدمی کو بڑا بناتی ہوں، وہ ہمارے نزدیک اضافی خوبیاں ہے۔

ہر چند کہ یہ خوبی انسان کی اصلی خوبی نہیں شمار کی جاتی۔ چنانچہ شعراء نے اس کی مذمت کی ہے حضرت سعدی فرماتے ہیں۔ ؎

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر
گل از خاست ابراہیم از آذر

"تم میں کوئی خوبی اور کمال ہو تو دکھاؤ، تم اپنے حسب ونسب کی بڑائی نہ شمار کراؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پھول کانٹوں کے ہجوم میں مسکراتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام آزر بت پرست کے گھر میں ہوئے۔"

اور حدیث پاک میں اسی پر تنقید کی گئی۔

من البطأ عمله لم يسرع نسبه۔

"جس آدمی کو اس کا عمل سست کردے، اس کو اس کا خاندان آگے نہیں بڑھا سکتا،"

بلکہ خود قرآن عظیم میں بھی بڑائی اور بزرگی کا معیار نسب کو نہیں قرار دیا گیا۔ بلکہ اصلی اور ذاتی خوبیوں کو ہی کرامت کا معیار قرار دیا گیا، ارشاد ربانی ہے۔

انا جعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

"ہم نے تم کو مختلف خاندانوں میں باہمی امتیاز کے لئے اور تعارف کی خاطر بانٹا۔ اللہ کے نزدیک سب سے بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرے۔"

مگر اضافی خوبی کی یہ ساری تنقید اسی صورت میں ہے، اگر آدمی صرف اضافی خوبیوں پر ہی اترائے ذاتی خوبیاں اس کے پاس کچھ نہ ہوں، ورنہ ذاتی خوبیوں کے ساتھ مل کر یہ اضافی خوبی بھی حسن وزیبائش کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ نے آپ سے عرض کیا۔

من اکرم الناس یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سب سے بزرگ کون ہے؟"

آپ نے فرمایا۔

اکرم الناس یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ ابن نبی اللہ۔

"حضرت یوسف علیہ السلام سب سے بزرگ ہیں کہ خود نبی ان کے باپ نبی ان کے دادا نبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خود اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

ان اللہ اصطفی کنانۃ من ولد اسمٰعیل واصطفی قریشا من کنانۃ ومن قریش بنی ہاشم واصطفانی من بنی ہاشم۔

"اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل میں سے قبیلہ بنو کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنو کنانہ میں سے قریش کے خاندان کا انتخاب کیا۔ اور قریش میں بنو ہاشم کو اعزاز بخشا، اور ان میں مجھ کو نبی مصطفیٰ اور حبیب رب السماء بنایا۔"

یہ دونوں حدیثیں بیانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ نسبی فضیلت اور خاندانی وجاہت بھی، باعث مدح و ستائش اور سبب فضل و شرف ہے۔

اور ایک حدیث میں تو آپ نے خود اپنی ذات سے نسبی اور سببی علاقہ رکھنے والوں کی ایک غیر معمولی خوبی کا ذکر کیا چنانچہ ارشاد ہے۔

کل نسب وسبب ینقطع یوم القیامۃ الا نسبی وصہری۔

"میرے علاوہ تمام رشتے اور ناتے قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے۔"

اور اسی علاقے پر مباہات کرتے ہوئے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

وبنت محمد خدنی وعرسی
مسوط لحمہا بدمی ولحمی

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میری ہم راز اور میری دلہن ہیں۔ میرا اور ان کا خون اور گوشت ایک دوسرے سے مخلوط ہو گیا ہے۔

الغرض انسان کی اضافی خوبی بھی قابل لحاظ خوبیوں میں سے ہے، جب کہ وہ ذاتی محاسن سے عاری نہ ہو۔ پھر ذاتی محاسن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہبی (۲) کسبی۔

وہبی خوبیوں کے دائرے میں وہ محاسن آتے ہیں جن کے حصول میں خود انسان کی اپنی کد و کاوش اور جد و جہد کا اتنا دخل نہ ہو، جیسے رنگ و روغن کی خوشنمائی، قد و قامت کی دلربائی، اعضاء کی موزونیت اور شخصیت کی دلکشی، اور کسبی خوبیوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے جنھیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہر شخص انھیں جانتا پہچانتا ہے۔

اور یہ دونوں خوبیاں فی الحقیقت ایسی ہیں جو انسان کے فضل و شرف کا معیار ہیں اور جن کی بدولت ایک کم حیثیت آدمی بھی اوج ثریا تک بلند پروازی کر سکتا ہے۔ بلکہ شہرت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے اس میں بھی آخر الذکر کو اول الذکر پر غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔

بریلی کے غیر مسلموں کی زبان میں "بڑے مولانا صاحب" اور پورے ہندوستان کے سنیوں کی زبان میں مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انھیں غیر معمولی انسانوں میں سے ہیں۔ جنھیں قدرت نے اصلی اور اضافی، وہبی، اور کسبی، سبھی قسم کی غیر معمولی خوبیوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

اضافی خوبیاں

سب سے پہلے میں آپ کی اضافی خوبیوں کا ایک شمہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کے والد ماجد مجدد مأتہ رابعہ عشر حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز انسانی شکل و صورت میں آیۃ من آیات اللہ (اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) تھے انھوں نے اپنی زبان کی لافانی تسخیری قوت، اپنی تحریر کا بے مثال زور اور اس کی غیر معمولی تاثیری روح اور اپنے بے کراں علم کا خزانہ عامرہ استعمال کر کے، بلکہ اپنی ذات کی تمام توانائیاں نچوڑ کر اسلام کے رخ زیبا پر جمی ہوئی صدیوں کی گرد صاف کی، جس کے نتیجے میں اسلام کا حسن فطرت نئی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا۔ اور اسی وجہ سے اہل حق نے آپ کو مجدد گردانا۔ اور اہل زیغ نے بدعتی کہا، یہ ان کی نگاہوں کا تصور، اور طرز ادا کی خرابی تھی ورنہ انھوں نے بھی وہی دیکھا جو ساری دنیا کے حق پرستوں کو نظر آیا۔ اور جیسے حدیث مبارک میں بیان کیا گیا۔

ان اللہ عزوجل یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ مع مرآۃ ص ۲۱۴)

ان اللہ تعالیٰ یبعث علی راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک مجدد مبعوث فرماتا ہے، جو دین کو نئی آب و تاب دیتا ہے۔"

آپ کے دادا حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے امام، اور اہل دل

صوفیوں کے سرخیل تھے، صاحب تصانیف کثیرہ، اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے مولوی رحمٰن علی صاحب اپنی کتاب تذکرہ علمائے ہند میں فرماتے ہیں۔

"ذہن ثاقب و رائے صائب داشت خدائے تعالیٰ وی را بعقل معاد و معاش ممتاز اقران آفریدہ بود علاوہ شجاعت جبلی بصفت سخاوت و تواضع و استغنا موصوف بود و عمر گراں مایۂ خود باشاعت سنت و ازالۂ بدعت بسر برد"

"آپ تیز ذہن اور درست رائے رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں معاد و معاش کی دانشوری میں اپنے زمانہ والوں سے ممتاز بنایا تھا۔ ان میں فطری شجاعت کے ساتھ سخاوت، تواضع اور بے نیازی بھی تھی۔ اپنی پوری عمر سنت کی حمایت اور بدعت کی نکایت میں بسر کی"

آپ کے دادا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ عارف کامل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، سالکان راہ جذب اور رہروان راہ سلوک دونوں ہی آپ کی عظمت و سیادت کے معترف تھے۔ چہرہ دیکھ کر نوشتۂ تقدیر پڑھ لیتے اور حال کے آئینے میں مستقبل کی تصویر دیکھ لیتے۔ مجدد مأۃ رابع عشر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کو ولادت کے بعد آپ کی آغوش میں رکھا گیا۔ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا،

"میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم دین ہوگا"

الغرض جہاں تک آپ کے نسب کا سلسلہ تاریخ کی روشنی میں ہے۔ سلسلہ کا ہر فرد گل سر سبد اور ہار کی ہر لڑی وسطا القلادہ ہے۔ لیکن اوپر پانچویں پشت میں حضرت محمد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ انھوں نے بھی دولت و ثروت کو لات مار کر زہد و تقویٰ اختیار فرمایا۔ اور ایک حکمراں خاندان آپ ہی کی ہمت اور اولوالعزمی سے علم و عرفان کی راہوں پر چل پڑا۔ خود یہ بھی سلطان شاہ محمد خاں کے وزیر اور ان کے والد سعادت یار خاں وزیر مالیات، اور دادا حضرت سعید اللہ خاں صاحب ملقب بہ شجاعت جنگ بہادر منصب شش ہزاری پر فائز تھے۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں جو قندھار سے ہندوستان تشریف لائے۔ جن کی وجہ سے چودھویں صدی میں تجدید و احیائے دین کی دولت ہندوستان کے حصے میں آئی۔

پس آباو اجداد کی شرافت و کرامت اگر کسی انسان کی عظمت میں چار چاند لگاتی ہو تو حضور مفتیٔ اعظم ہند کو یہ حق پہنچتا ہے کہ کہیں۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع۔

یہ ہمارے آبائے کرام ہیں۔ اے جریر اگر قوموں کی بھیڑ میں تمھیں کوئی ان کا مثل مل سکے تو لاؤ۔

وہبی خوبیاں

اس عنوان کے تحت میں سخت الجھن میں ہوں کہ قارئین پر اپنا مافی الضمیر کس طرح ظاہر کروں۔ کیونکہ قامت کی دلکشی، ناک نقشہ اور چہرہ مہرہ کی دلربائی رنگ و روغن کے حسن، اعضا کی موزونیت، عادات و اطوار کی لطافت اور شخصیت کی دلآویزی کے بارے میں، اگر کسی جوان العمر انسان کا ذکر کیا جائے تو بات قرین قیاس ہے۔ لیکن یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو عمر کی اسی منزلیں طے کر چکا تھا۔ سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ قامت کا وہ تناؤ جو جوانی کے ساتھ مخصوص ہے ختم ہو چکا تھا اور جسم کی کھال کہیں کہیں سکڑی معلوم ہوتی تھی ان سب کے باوجود حال یہ تھا کہ جس راستے سے گزر جائیں۔ دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ جائے۔ جس محفل میں بیٹھ جائیں لوگ ٹکٹکی باندھ کر رہ جائیں، جس سے مصافحہ کر لیں وہ اسے اپنی سعادت تصور کرے۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب آپ بیمار چل رہے تھے۔ ضعف و نقاہت کی وجہ سے آپ نے باہر کا سفر اور گھر کا دربار عام دونوں ہی موقوف کر دیا تھا۔ اور تھوڑی دیر کا بیٹھنا بھی آپ پر بار تھا۔ عرس رضوی کے موقع پر لوگ بڑی جد و جہد کے بعد حضرت کو سہارا دے کر تھوڑی دیر کے لئے مجلس قل میں لائے۔ اختتام قل کے بعد مصافحہ کے لئے جو انسانوں کا ریلا چلا ہے تو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے لائن بنائی گئی۔ مگر جو آتا مصافحہ کے بعد دست بوسی اور دست بوسی کے بعد

قدم بوسی، پھر قدم بوسی کے لئے جھکنے والے پر آپ کی ناگواری، اس کو ہاتھ سے روکنا، اور استغفر اللہ، استغفر اللہ پڑھنا۔ الغرض جو آستانہ ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اور آپ کے قرب کی دولت کو نعمت ابدی تصور کرتا۔ لوگ اس درجہ خود غرض ہو گئے تھے کہ انھیں حضرت کی کمزوری اور تکلیف کا بھی مطلق خیال نہ رہ گیا تھا۔

میں نے حضرت کی غیر معمولی تکلیف کا خیال کر کے لوگوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر زبردستی حضرت کے سامنے سے ہٹانا شروع کیا۔ آپ نے دو ایک دفعہ ہاتھ میری طرف اٹھایا۔ مگر میں نے مطلب نہیں سمجھا تو مولانا رحمانی میاں صاحب نے فرمایا۔ سختی سے لوگوں کو نہ ہٹایئے وہ بھی اپنے جذبۂ شوق سے مجبور ہیں۔ میں نے دل میں سوچا سبحان اللہ یہ لوگ حصول برکت کی دھن میں اندھے ہو گئے ہیں۔ اور اپنے اظہار شوق سے حضرت کو غیر معمولی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ تو مارنے کے لائق ہیں۔ اور خود حضرت کا یہ حال ہے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور ؎

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

پھر دل ان کے اتباع سنت کے وقار سے معمور ہو گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کا بھی یہی بیان ہے کہ خود تکلیف اٹھا لیتے، لیکن دوسروں کی دل شکنی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک صاحب آپ بیتی بیان فرماتے ہیں۔

واللہ ما رأیت معلما احسن منہ ماضربنی ولا قھرنی ولکن قال انما ھذا المساجد لم تبن لھذا۔

مع ایک انجان اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر ڈالا آپ نے نہ انھیں مارا نہ جھڑکا، نہ مسجد صاف کرنے کا انھیں حکم دیا بلکہ نرمی سے انھیں سمجھایا، مسجد اس کام کے لئے نہیں اور صفائی کا دوسرے کو حکم دیا۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا گزارش یہ کرنی تھی، لوگوں کے اس جذبۂ شوق اور وارفتگی کا سبب آپ کی شخصیت کی دل کشی کے علاوہ اور کیا تھا؟

ہو سکتا ہے یہاں کسی کو خیال ہو مذکورہ بالا واقعہ میں جس رجوع عام اور اظہار شوق کا ذکر کیا گیا ہے اس کا سبب آپ کی شخصیت کی دلکشی نہیں، بلکہ روحانیت اور بزرگی ہے۔ تو میں گزارش کروں گا کہ میں یہاں جس دلکشی کا ذکر کر رہا ہوں اس میں اور بزرگی میں کوئی مناسبت نہیں۔ میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دلکشی کا ذکر بھی نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں جس میں یہ دل آویزی، یہ جمال اور یہ دلکشی اس کی روحانیت اور بزرگی ہی نے پیدا کی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔

مع بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، اللہ پاک مخلوق کے دل میں ان کی محبت پیدا فرماتا ہے۔

پھر بھی میں ایک ایسا واقعہ ذکر کر رہا ہوں جس میں مذکورہ بالا شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔

ایک دفعہ کلکتہ سے واپسی میں ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت کا ساتھ ہو گیا۔ کچھ لوگ پہنچانے کے لئے بھی آئے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بنچیں ساری بھر گئی تھیں۔ اس لئے زمین پر ہی حضرت کے لئے فرش بچھا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا سینکڑوں مسلموں اور غیر مسلموں نے آپ کو گھیر لیا۔ نہ کبھی کی دید نہ شنید، نہ تعارف مگر ہر انجان جاننے کی کوشش کر رہا ہے کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے؟ کہاں آئے تھے اور کہاں جائیں گے؟

میں کہوں گا عرس کی تقریب میں تو اس قبول عام کی وجہ عقیدت مندوں اور مریدوں کی معرفت تھی ہوڑہ اسٹیشن پر انجانوں میں اس قبول عام کا سبب آپ کی پرکشش شخصیت کے علاوہ اور کونسی چیز تھی جس پر نظر پڑ گئی اور جم کر رہ گئی، قدم رک گئے اور دل بے اختیار کھنچنے لگے۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

صداقت ہو تو دل سینے سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی!

خود میری وارفتگی اور گرویدگی کا سبب حضرت کا کوئی غیر معمولی علمی کارنامہ یا ان کی عظیم بزرگی اور خدا رسیدگی نہیں ہے۔ مجھے پہلے سے اتنا معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ مگر جب دیکھا تو یہ ان کی شخصیت کی دلکشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زندگی میں انھیں سینکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا جب

دیکھا جمال و وقار حسن دلکشی کا مرقع دیکھا۔ اور جس حال میں دیکھا ان کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی۔

"میں نے ان کو بیٹھ کر تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے"۔ اور بیشتر اوقات وہ تعویذ ہی لکھتے رہتے تھے۔ سر پر قیمتی بھاگل پوری عمامہ جسم پر قیمتی چکن کا نہایت صاف کرتہ، اس پر سنگھائی، پولسٹر، یا قیمتی کپڑے کی رنگین صدری، گلے میں گلاب کے پھولوں کا خوشنما ہار، پیر میں علی گڑھی پاجامہ، جو چھالٹی کا بھی ہوتا اور بڑی کاٹ کا بھی، جتنا جسم کپڑے سے باہر ہوتا نہ چونے کی طرح سفید نہ گیہوں کی طرح سرخ بلکہ سفید گیہوں کی طرح دودھیا۔ اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک (حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ یہ چمک شب زندہ داروں اور تہجد گزاروں کی علامت ہے) بایاں زانو زمین پر رکھا ہوا۔ اور دایاں کھڑا ہوا، اسی پر رکھ کر تعویذ لکھتے رہتے تھے۔ کاغذ پر تعویذ کے خانوں کی لکیر لوگ بائیں سے کھینچتے ہیں۔ آپ داہنے سے ہی بلا تکلف نہایت صاف سیدھی لکیریں بناتے تھے کاغذ پھاڑنے کے لیے اس کو موڑنے اور نشان ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تعویذ مکمل ہو گیا تو داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت کے اشارے سے اور بائیں ہاتھ سے کاغذ دبا کر، جہاں سے ضرورت ہو بقیہ کاغذ آہستہ آہستہ الگ کر لیا، اور کاغذ کبھی بے قاعدہ یا غلط نہیں پھٹتا تھا۔

اب میں کیا عرض کروں؟ عمامہ شاندار نظر آتے یا بدوضع، عام طور پر لوگ عمامہ اہتمام سے ہی باندھتے ہیں مگر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے کبھی بھی عمامہ اہتمام سے باندھتے نہیں دیکھا، باندھنے کے بجائے اس کو لپیٹنا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مگر زندگی میں کم لوگوں کو دیکھا جن کے سر پر عمامہ اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ عمامہ کی وضع انھیں کے فرق اقدس کے لیے ہوئی ہے۔

یوں ہی علمائے کرام میں ایک سے ایک مرصع لباس پہننے والے ملے۔ ان کی بڑائی کی وجہ سے میں ان کے لباس پر خاموش رہا ہوں یہ اور بات ہے لیکن دل میں ہمیشہ ناگواری ہی رہی۔ اور سادگی پسندی کی وجہ سے اکثر و بیشتر علمائے کرام کا میں شاکی ہی رہا مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے لباس فاخرہ کو میں نے ہمیشہ مستثنیٰ قرار دیا۔ اور دل نے ہر بار یہی فیصلہ دیا کہ جس کے جسم پر لباس ایسا پھبتا ہو اس کو بلاشبہ ہر عمر میں ایسا ہی لباس پہننے کا حق حاصل ہے۔ واللہ العظیم میں نے اتنا جامہ زیب انسان وہ بھی اتنا بوڑھا دیکھا ہی نہیں۔

مالا گلاب کی ہو یا گیندے کی مجھے کبھی نہیں بھائی، اگرچہ خود بھی پہنا اور لوگوں کو بھی پہنے ہوئے دیکھا، مگر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے گلے میں سرخ گلاب کی مالا زیب دیتی تھی کہ بار بار جی چاہا کہ ایک مالا خرید کر میں بھی گلے میں ڈال دوں پھولوں کے ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک پھول نظر آتا تھا۔

میں نے ان کو چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے

مذکورہ بالا لباس پر دبیز پولسٹر چکن کی ایک نیچے دامن، پوری آستین، بند گلے کی عبا کا اضافہ ہو جاتا داہنے ہاتھ میں عصا اور بائیں کو موڑ کر اس میں ایک رومال دابے ہوئے رہتے۔ دور سے معلوم ہوتا ایک خوبصورت گلدستہ ہولے ہولے حرکت کر رہا ہے اس آہستگی اور نرمی سے زمین پر قدم رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول برس رہے ہیں۔ میں نے بار بار سوچا سبحان اللہ زمین پر نرم قدم رکھ کر اور سر جھکا کر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جب اس سنت رسول کی نقل اتنی دلکش ہے تو صاحب سنت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل رفتار کس درجہ حسین و دلربا رہی ہوگی

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

میں نے آپ کو دسترخوان پر کھاتے بھی دیکھا

جبل پور میں حضرت مولانا برہان الحق زید مجدہم کے یہاں آپ مہمان تھے۔ دسترخوان نہایت مکلف اور وسیع تھا۔ اس علاقہ میں کڑھی بڑے اہتمام سے پکتی ہے جو اتفاق سے حضور مفتی اعظم ہند کو بھی مرغوب تھی دسترخوان پر وہ بھی سامنے رکھی ہے، آپ ہاتھ سے اس کی پلیٹ ذرا اور کھسکا رہے ہیں، اور فرماتے ہیں مجھے زکام ہوا ہے یہ نقصان کرے گی، اور لوگ منت وسماجت کر رہے ہیں، نہیں حضور یہ تو زکام کو

مفید ہے اس سے ہاضمہ بہتر صاف ہو جاتا ہے۔ الغرض کافی عرض و معروض کے بعد آپ نے اس سے تھوڑا شوق فرمایا۔ سرخ مرچوں اور لہسن کی چٹنی بھی آپ کو پسند تھی۔

روٹی کا چھلکا شوربے میں ڈبو کر اس طرح منہ میں رکھتے کہ ہاتھ کا کم سے کم حصہ آلودہ ہو۔ تین انگلیوں سے کھانے کا انداز مسنون ہے۔ یہ حدیثوں میں پڑھا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو دیکھ کر اس کی عملی مشق بھی فراہم ہوئی۔ اور یہ معلوم ہوا کہ یہ ڈھنگ حسن و نفاست سے بھر پور اور آنکھوں کو بھی بھلا لگنے والا ہے۔

مختصر لقمہ منہ میں رکھ کر منہ بند کر کے دیر تک چباتے رہتے، ساتھ ہی سر کو بھی تھوڑی جنبش ہوتی رہتی۔ مجھے ان کے اس طرح منہ چلانے کا انداز بھی بے حد بھلا لگتا۔ اور ان کے ساتھ دستر خوان پر میں کام و دہن کی لذت کے ساتھ حسن نظارہ کا کیف بھی حاصل کرتا تھا۔

ایک دفعہ متو اسٹیشن پر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا۔ میں اپنی عادت کے موافق جلدی جلدی ہاتھ مارنے لگا۔ اور حضرت اپنی عادت کے موافق تناول فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں مجھے احساس ہوا کہ میں حضرت کے ساتھ کھانے کے لائق نہیں۔ اور حسن و ادب کے ساتھ کھانے کا سلیقہ بھی ایک فن ہے۔

ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرما رہے تھے۔ ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا آپ نے فرمایا میاں کھانا داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں اس نے جواب میں کہا بابا میں مسلمان نہیں۔ مطلب یہ کہ مسلمان ہوتا تو داہنے ہاتھ سے کھاتا۔ کہ داہنے ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔ آپ نے فرمایا، ارے میاں مسلمان نہیں ہو تو انسان تو ہو۔ سبحان اللہ کیا عمدہ ہدایت ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ایک دفعہ دعوت میں کھانے کے بعد کسی نے لائف بوائے صابن سے ہاتھ دھلانا شروع کیا۔ فرمانے لگے سبحان اللہ کھانا کتنا عمدہ کھلایا، اور ہاتھ اتنے بدبودار صابن سے دھلایا۔ کھانے کے بعد کوئی خوشبودار صابن ہونا چاہئے۔

آپ کے کھانے کی نشست بھی عموماً ایک زانو موڑ کر اور دوسرا کھڑا کر کے ہوتی میں نے آپ کو چار زانو بیٹھے کبھی نہیں دیکھا۔ سفر میں چاہے کتنے روز گزر جائیں مشتبہ اور دوکان کے کھانے سے پرہیز کرتے۔ حقہ مسلسل نوش کرتے مگر ہر کش نہایت خوشگوار اور باسلیقہ ہوتا۔

الغرض آپ کا کھانا بھی حسن و نفاست اور خوشنمائی کا ایک خوشگوار عمل ہوتا۔ اور جب آپ دستر خوان سے اٹھتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے دستر خوان کو نوازا ہے۔

میں نے آپ کو بستر پر آرام کرتے بھی دیکھا ہے

پہلی بیعت میں عرس حشمتی کے موقع پر بعد قل مولانا مرحوم کے آنگن میں ہی حضرت کے لئے بستر لگا۔ میں نے دیکھا فی الوقت کوئی خادم نہیں ہے۔ تو تھوڑی دیر میں نے ہی پاؤں دبایا۔ آپ کے افعال کی متانت و آہستگی دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کا جسم بے حد ملائم اور نرم ہوگا۔ مصافحہ کے وقت ہاتھ کی نرمی سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی پنڈلیاں اور رانیں کافی سخت محسوس ہوئیں۔ داہنی کروٹ رخسارے کے نیچے ہاتھ رکھ کر، اور پاؤں ذرا سمیٹ کر آرام کر رہے تھے۔

سونے کے اس انداز کے بعد مجھے دوسرے تمام طریقوں پر تنقیدی نظر ڈالنی پڑی، اور اس کے مقابلے میں سب کو ہی رد کرنا پڑا۔ پٹ سونے کا تو حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ چت پاؤں پھیلا کر سونے میں مردے کا گمان ہوتا ہے حق یہ ہے کہ زندوں اور زندہ دلوں کا سونا وہی ہے جو سنت رسول ہے۔ اور حضور مفتی اعظم ہند جس پر کاربند تھے۔

آپ کی نماز کا منظر بھی دیکھنے کا ہوتا تھا

گھر سے آپ کے برآمد ہوتے ہی کئی آدمی آپ کو آگے پیچھے سے گھیر لیتے، اور مسجد کے دروازہ تک پہنچتے پہنچتے جو مشکل سے پچاس قدم کی دوری پر ہوگا۔ کسی کو دست بوسی کا شرف بخشتے۔ کسی کو مصافحہ سے نوازتے اور کسی کے سلام کا جواب دیتے اتنے میں مسجد کے دروازے میں داخل ہو جاتے۔ نہایت متانت و آہستگی سے اللھم افتح لی ابواب رحمتک پڑھتے اور عمامہ اتار کر وضو کے لئے بیٹھ جاتے جو شخص عام انسانوں کے سامنے کبھی بھی سر کھول کر نہ آیا ہو جس کو لوگوں نے علی العموم، تاج کرامت اور کلاہ عزت کے ساتھ

دیکھا ہو، اور جو مسجد میں ابھی ابھی اس شکوہ کے ساتھ داخل ہو۔ وہ اپنے رب کے حضور یوں ننگے سر ہو کر نماز ماز حاضر ہو، یہ دیکھ کر دوسروں میں بھی جذبہ عبودیت مچلنے لگتا تھا۔ خادم ایک بڑے لوٹے میں نصف کے قریب پانی پاس ہی رکھ دیتا، اور آپ اسی متوضا پر تشریف فرما ہوتے جہاں وضو کے لئے پائپ لگے ہوتے ہیں۔ پہلی بار جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یہ طول عمل معلوم ہوا۔ لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ نل سے وضو کرنے میں پانی زیادہ ضائع ہوتا ہے اس لئے حضرت نل سے وضو پسند نہیں کرتے کہ وضو میں پانی ضائع کرنا اسراف ہے میں نے پوچھا پانی کیوں آدھا لوٹا رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ لوٹا بھر دیا جائے تو حضرت کے ہاتھ سے اٹھ نہ سکے گا۔ خیال ہوا کوئی دوسرا وضو کرا دیتا، دوسرے لمحہ خیال آیا وضو خود ہی کرنا مستحب ہے۔

سارے اعضاء سنت کے مطابق مکمل طور پر دھلتے۔ چہرہ دھلتے وقت البتہ دسیوں بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دیتے چونکہ کسی کے دل میں خیال آسکتا تھا کہ کہاں تو پانی کے استعمال میں وہ احتیاط اور کہاں یہ کشادہ دستی؟ رفع شبہ کے لئے خود ہی فرما دیتے بار بار آنکھیں چپک جاتی ہیں۔ یعنی آنکھ سے بطور مرض جو پانی نکلے ناقض وضو ہے۔ پورے وضو میں ادعیہ ماثورہ کی تلاوت پست آواز میں جاری رہتی۔

ارکان نماز کی ادائیگی میں تو معہود طریقہ ہی برتتے، لیکن خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔ دیکھنے والا دور سے ہی فیصلہ کر لیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولا کی رضا جوئی کے لئے اپنے پورے وجود کو عجز و درماندگی اور عرض والتماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے وقوموا للہ قانتین۔

آخری اوقات میں جب ضعف و نقاہت میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا اور بیٹھے رہنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ یہ دیکھا گیا کہ مسجد میں جب تک بیٹھے ہیں مسلسل کراہ رہے ہیں۔ اٹھتے ہیں تو سہارا دیا جاتا ہے بیٹھتے ہیں تو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلتے ہیں تو لوگ دونوں طرف سے سنبھالے رہتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی تکبیر شروع ہوئی ایسی چستی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ پوری نماز قیام و رکوع کے ساتھ نہایت تندہی اور مستعدی کے ساتھ ادا کرتے۔ اور اُف تک کی صدا لب تک نہ آتی۔ جیسے قیام وقعود اور رکوع و سجود کی مشقتیں خشیت الٰہی اور خوف ربانی میں تحلیل ہو گئی ہوں۔ کہ ارشاد الٰہی ہے۔

وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین ۝

بے شک نماز سخت بوجھل اور گراں ہے۔

مگر اللہ کے خوف سے ڈرنے والوں کے لئے۔

یا یوں کہئے کہ ساری کلفتیں راحت و آرام میں بدل گئیں کہ ارشاد نبوی ہے۔

قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین نماز ہے۔

ہماری مذکورہ بالا تحریر کا مقصد یہ تھا کہ علم و فضل و تقویٰ و طہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ سے قطع نظر خود آپ کی ذات بابرکات بھی اتنی پر کشش تھی کہ بے اختیار دل مائل ہونے لگتے۔ آنکھیں فرط عقیدت سے جھکنے لگتیں۔ اور روح کی دنیا مسخر ہونے لگتی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات مبارک پر تسخیر قلوب و اطاعت اذہان اور محبوبیت عیون و ابصار کی خلعت فاخرہ ڈال رکھی تھی۔ اس سلسلے کی ایک خاص بات جس کو میں نے نوٹ کیا۔ اور جو آپ میں اور شمو گر کے ایک بزرگ حضرت درویش بابا میں، میں نے مشترک دیکھی یہ تھی کہ آخر عمر میں جب جسم گھل کر بالکل ہاڑ رہ گیا تھا۔ اس وقت بھی چہرہ پر گوشت اور نہایت بارونق تھا۔ چہرہ دیکھ کر کوئی یہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اندر سے یہ اس درجہ دُبلے ہوں گے۔ حضرت درویش کو تو میں بار بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو اس طرح دیکھنے کا زندگی میں صرف ایک بار موقع ملا۔ جب ایک دفعہ بغل بنوانے کے لئے لوگوں نے جسم سے کپڑا ہٹایا، تو مجھے شدید احساس ہوا کہ چہرہ اور جسم کے اس تفاوت کی خصوصیت حضرت میں بھی ہے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تسخیر خلائق اور شخصیت کی دلکشی کا جوہر بھی روحانیت کی برکت اور قربت خدا و رسول کا ہی ثمرہ ہے۔

کسبی محاسن

حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے کسبی کمالات کے لئے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سوادِ اعظم اہلسنّت وجماعت کے سب سے بڑے فقیہہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنّف تھے، اہل دل صوفی، اور باکمال بزرگ تھے، بلکہ میرے نزدیک معمولات ذکر وفکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ وتقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کو رشد وہدایت کے لئے ان کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری تھے داد ودہش اور بذل وعطا میں شاہانہ انداز تھا۔ مدّتوں مدرسہ مظہر اسلام ان کے ذاتی صرفہ سے چلتا رہا

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ایک وعید ہے جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں۔ اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔ اس پر عمل کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔

آج سے لگ بھگ تیس پینتیس سال قبل اہل مبارکپور کے دل میں، علماء ومشائخ کی جو قدر ومنزلت تھی، ادھر حضرت کا پُر نور چہرہ اور دلکش شخصیت پھر ساتھ میں مولانا مختار احمد! لوگوں نے دیکھتے ہی اندازہ لگالیا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں، اچھے بزرگ ہیں، اور ادھر ادھر کھسک کر آگے جانے کے لئے آپ کو راستہ دینے لگے کیونکہ مسجد میں بھی علماء کے ساتھ ان کا احترام عقیدت کا یہی معمول تھا۔ لیکن حضور مفتیٔ اعظم ہند دھوپ میں ہی تولیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے اصرار کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر ہی ہورہا تھا جدھر میں تھا۔ نماز کے بعد میں نے معلوم کرنا چاہا یہ کون بزرگ تھے تو معلوم ہوا کہ مفتیٔ اعظم ہند!

غالبًا یہ میری پہلی زیارت تھی، دل نے فیصلہ کیا سبحان اللہ مسئلہ ہم لوگ بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف پڑھنے کے لئے، اور یہ اللہ والے پڑھتے ہیں تو عمل کرنے کے لئے۔

آپ کے اس عمل میں اتباع شریعت کے ساتھ ساتھ، احیائے سنّت بھی پائی جارہی ہے۔ کہ لوگ آج کل اس سے غافل ہیں، اور مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔

۲۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ مسجد امور دنیا کے لئے نہیں ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرات علمائے شرع نے مسجد میں کھانے پینے اور سونے، تجارت وغیرہ امور دنیا سے منع فرمایا صرف معتکف کو اجازت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلودہ نہ ہو اور اسی لئے یہ مستحب ہے کہ آدمی مسجد میں جب بھی داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے، اور کچھ ذکر الٰہی میں مصروف رہے اگر بضرورت کچھ کھانا پڑے تو معتکف ہونے کی وجہ سے اس کی اباحت ہوگی۔

مسئلہ شرعی ذہن نشین کرلینے کے بعد حضرت کی احتیاط شرعی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ بریلی حاضری ہوئی۔ اور رات میں قیام کا اتفاق پڑا۔ شہر کے کسی حصے میں میلاد شریف کی تقریر تھی حضرت کے ساتھ میں بھی شریک ہوا۔ جلسہ میلاد ایک مسجد میں تھا اور نہایت مختصر سامعین تھے۔

مجمع کم ہو یا زیادہ میرا بارہا کا یہ تجربہ ہے کہ جس جلسے میں حضور مفتیٔ اعظم ہند، یا حضور حافظ ملّت ہوں وہ جلسہ بے حد پُر کیف ہوجاتا تھا، تقریر خوب جمتی تھی اور مقرر اور سامع دونوں ہی کافی محظوظ ہوتے تھے۔

چنانچہ اس جلسہ میں بھی روایت خوانی کے بعد میں نے تقریر شروع کی مختصر تعداد کے باوجود جلسہ بے حد پُر کیف اور کامیاب رہا اور آپ حسب معمول جلسہ میں آنکھیں بند کئے تشریف فرما رہے۔ کوئی خاص مقام آتا تو آنکھیں کھول کر مقرر کو دیکھ لیتے۔ اور جب بہت تاثر ہوتا تو آنکھیں بھیگ جاتیں، اور ڈبڈبائی نظروں سے دیر تک مقرر کو تکتے رہتے۔

ختم وعظ کے بعد صاحب مجلس نے حاضرین کی چائے سے تواضع کی حضرت نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا ہم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلی تھی۔ جس نے نہ کی ہو اب کرلے مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا منع ہے۔

بادی النظر میں یہ معمولی ادب ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو جو شخص شریعت کے کسی ادنیٰ درجے کے ادب پر بھی اس شدت کے ساتھ مواظبت فرمائے۔ دیگر احکام شرعیہ کی بجا آوری میں اس کا کیا حال ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ

اس واقع سے رفع شر اور ہدایت خلق کے اہتمام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۲۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، جس سے مسلمانوں کی حقیقی شان اور ان کے داعی حق ہونے کے منصب کا اظہار ہوتا ہے۔

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"

اور اسی امر کو قرآن عظیم نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔

"تم لوگ بہترین امت جو انسانوں کے لئے بنائے گئے ہو تاکہ لوگوں کو نیکی کا حکم دو، اور برائیوں سے روکو"

مگر اسلام میں جتنی اس کی تاکید ہے۔ عام لوگ اسی نسبت سے مداہنت اور زمانہ سازی میں بکثرت مبتلا ہیں۔ خاص خاص مردانِ حق اور خاصان خدا البتہ ہر زمانہ میں اس فرض منصبی پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ایسے ہی لوگوں کی مدح فرمائی گئی ہے۔

لا یزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق لا یخافون فیہ لومۃ لائم ۝

"میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور اس باب میں اسے کسی کی لعنت وملامت کی پرواہ نہ ہوگی"

؎ آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مفتئ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس وصف میں اپنے اہل زمانہ میں ممتاز مشار الیہ تھے چنانچہ ناممکن تھا کہ کوئی غلط بات حضرت کے سامنے ہو جائے اور حضرت اس کی اصلاح نہ فرمائیں۔

آپ کی مجلس میں مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لیکن کیا مجال کہ کسی عورت کا ہاتھ بھی بے پردہ ہو جائے جہاں کسی سے بداحتیاطی ہوئی، اور آپ کی ڈانٹ پڑی،۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ استغفر اللہ، استغفر اللہ، اری اپنا ہاتھ ڈھانک، بے غیرت مجھ بڈھے کو اپنا ننگا ہاتھ دکھانے آئی ہے اور پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا، اور سب نے اپنے کپڑے درست کر لئے۔

ایک دفعہ دو اپٹوڈیٹ اور بے پردہ مسلمان عورتیں ساڑی میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لئے آئیں آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی تو نگاہ ان پر پڑ گئی۔ فوراً رخ پھیر لیا، اور سر نیچا کیے ہوئے، لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے۔ انداز کچھ نرم اور بے حد تحسر آمیز تھا۔ گویا انھیں دلی تکلیف پہنچی ہو جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا۔ نہ اللہ ورسول کے حکم کا خوف نہ اپنے طرز معاشرت کی پرواہ، نہ انجام کا خیال، اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں ساتھ میں کوئی محرم نہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں۔ ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں۔ کسی حادثہ میں مر جائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں۔ خیال فرمایئے کہ نہ مٹی نہ جنازہ یونہی پھونک دی جائیں گی یہ سب وبال ہے اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی کا۔ وہ عورتیں بے حد شرمسار اور رنجیدہ ہوئیں، لیکن ان کے پاس پردے کا تو کوئی اہتمام تھا ہی نہیں کرتیں کیا۔

حضرات مقررین سے کبھی جوش بیان میں کبھی سبقت زبان سے اور کبھی لاعلمی اور جہالت کے (کہ آج کل تقریر کے لئے رسوخ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں۔ جو شرعاً عقلاً، اخلاقاً، یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں۔

اگر مفتئ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بداحتیاطی کر کے گزر جائے، اور آپ امر بالمعروف

نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطباء سے تو برسرِ منبر
انھوں نے توبہ تک کرائی خود اپنی زندگی میں
مجھے دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے۔
توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

ضلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے
ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا۔ رات میں تقریر
کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم
میں لفظ نور استعمال فرمایا۔ تقریر ختم ہوئی
اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، ان کے
فیض صحبت سے محفل بڑی پُرکیف پُرنور
رہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوسی کے لئے
واپسی ہوئی، راستہ میں بڑے خوشگوار
ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران
آپ نے فرمایا۔ "رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ
کے لئے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں
قرآن وحدیث میں یہ لفظ ذات باری کے لئے
آیا ہو۔ تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا۔ ورنہ
نہیں۔ اس امر کی تحقیق کر لیجئے گا۔" آج پندرہ
بیس سال ہوگئے اور میں اس سلسلہ میں غور
کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال
نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یو۔پی کے کسی
علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا۔
"بدنصیب مسلمان آجکل رات میں بارہ بجے
تک سینما دیکھتے ہیں اور دن میں دس بجے تک
سوتے ہیں"۔ یک بیک بازو سے میری طرف
پوری طرح مخاطب ہوکر کہا نہایت بلند آواز
میں، بے حد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر
پھٹ پڑے۔ "مولانا! میں اس کو مان نہیں
سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت
بدنصیب ہو۔ آپ اس کو بدنصیب نہ کہئے
کچھ اور کہہ لیجئے۔ حق یہ ہے کہ جس امت کے
نگہبان رسول عربی ہوں وہ بدقسمت کیسے
ہو سکتی ہے۔"

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتیبان
چہ باک از موج بحر آن را کہ دارد چوں تو کشتیبان

امت کی دیوار کو کیا غم جو تیرے جیسا
سہارا رکھتی ہے۔ اور طوفان نوح سے اس
کو کیا خوف جو تیرے جیسا کھیون ہار رکھتی ہے۔

اور زبان وبیان کی اصلاح کا انداز
تو بے حد دلچسپ اور پرلطف ہوتا تھا۔
ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع
کیا۔ طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آرہا ہے۔
ایک بجے طوفان آرہا ہے۔ کئی بار اس جملے
کو سن چکے تو فرمایا۔ "سبحان اللہ بولنے کا کیا
انداز ہے۔ طوفان آرہا ہے، طوفان آرہا ہے
میاں کہنا ہی ہے تو یوں کہو ایک بجے بریلی
اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔" سبحان اللہ
بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد
بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن
یکساں خوشگوار، تھوڑے سے تصرف نے
قبیح کو حسن سے بنا ڈالا۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ
کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک
نسخہ لے کر حاضر خدمت ہوا خیال ہوا کہ اس
کا پیش لفظ سنا دیا جائے پیش لفظ میں ایک
جگہ حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے غیر
معمولی قوت حافظہ کے بارے میں تحریر تھا،
"حافظہ اس بلا کا تھا" پوری زندگی ہم نے
اس جملے کو بار بار مقام مدح میں سنا اور
پڑھا۔ اور یہاں بھی موقع استعمال مقام
مدح ہی تھا۔ سن کر حضرت نے فرمایا، "وا
وہ! آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف
فرمائی ہے، یا آپ کی تنقیص کی ہے۔ آپ
حافظہ بلا کا تھا، یہ بلا کون سی چیز ہے"
مجھے احساس ہوا حضرت والا زبان دبیان
کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور ا
کی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی۔

الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغز
ہو یا اخلاقی ولسانی سب پر پوری دارو گیر
ہوتی اور اعلان حق اور امر بالمعروف کا پو
پورا حق ادا کیا جاتا۔ اس ضمن میں یہا
جس خاص واقعہ کا ذکر کر رہا ہوں، وہ بھی
ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑ
کی زندگی کے بے حد ہنگامی ایام تھے۔ خاند
اشرفیہ کی ایک بڑی شاخ (اہل کچھوچھہ) جواب تک
اس ادارے کے سرپرست اور حاکمان مطل
تھے خفا ہو کر علیحدہ ہو چکے تھے۔ اور اپنی ر
کا اعلان بھی شائع کر چکے تھے۔ اور پورے
ہندوستان میں ادارے کے خلاف جگہ جگ
بدگمانیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔
ادھر حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک

سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یکہ و تنہا میدان عمل میں اتر پڑے تھے۔ اور نئی تعمیرات کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کا اعلان فرما چکے تھے۔

کانفرنس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔ اس میں ازراہِ دین پروری حضور مفتیٔ اعظم ہند اور حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ علیہما الرحمۃ بھی شریک ہوئے، کچھ عقیدت مندوں نے اہل کچھوچھہ کے بائیکاٹ سے متاثر ہو کر اس خاندان کی دوسری شاخ (اہل بسکھاری) کے سجادہ نشیں المعروف بہ بابو میاں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر خانوادہ اشرفی کے ان دونوں خاندانوں کا تھوڑا پس منظر بھی بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ جس واقعہ کو ہم بیان کرنے جا رہے ہیں اس پر واقعی روشنی پڑ سکے۔ تو اس خاندان کی ان دونوں شاخوں میں بہت دنوں سے حضور مخدوم اشرف جہانگیر قدس سرہٗ العزیز گدی کے حقیقی وارث اور درگاہ حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ پر قابض و دخیل ہونے کے سلسلے میں آویزش چلی آ رہی ہے۔

اور پورے ہندوستان میں کچھوچھہ کی شاخ علمائے حق اہلسنّت وجماعت کے ساتھ ہے۔ بلکہ یہ حضرات خود اساطین اہلسنّت وجماعت میں شمار ہوتے ہیں جب کہ دوسری شاخ کا رجحان علمائے دیوبند کی طرف تھا۔ بلکہ سنا جاتا ہے کہ کسی مناظرہ میں جو علمائے دیوبند اور علمائے اہلسنّت میں ہوا تھا۔ بابو میاں کے اجداد نے علمائے دیوبند کی سرپرستی کی تھی۔

علمائے دیوبند کے خلاف عرب و عجم کے فتویٰ کفر سے ساری دنیا واقف ہے۔ اور اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان کو اس سلسلہ میں حق کی حمایت اور سچ کی جنبہ داری میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ بابو میاں جن کے آباد اجداد دیوبندیوں کے حامی تھے۔ اس جلسہ سنگ بنیاد میں شرکت کے موقع پر حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے، دار العلوم اشرفیہ کی نچلی منزل کے مغربی کمرہ میں آئے۔ حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کو سلام کیا۔ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اور خود ہی تعارف کرایا ہوگا۔ یا کسی نے بتایا ہوگا۔ یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔ بہر حال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا نہ مصافحہ کیا۔ بلکہ فرمایا۔ صاحب آپ کے خاندان کے لوگ علمائے دیوبند کے حامی رہے ہیں۔ اور ان پر علمائے عرب و عجم کے کفر کے فتوے ہیں۔ اگر آپ بھی اس روش میں ان کے ہی ہمراہ ہیں تو میں آپ سے کیسے سلام و کلام کر سکتا ہوں۔ جب کہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کا حکم آیا ہے۔

بابو میاں نے کہا حضور میں کبرائے دیوبند کی تکفیر میں ساری دنیا کے اہل اسلام کا ساتھی ہوں، چنانچہ اسی وقت انھوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتیٔ اعظم ہند کے حضور میں پیش کی۔

اس وقت لوگوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا حضور مفتیٔ اعظم ہند نے بابو میاں سے فرمایا۔ صاحبزادے آپ ذرا کھڑے ہو جائیں۔ نہ تو بابو میاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہو رہا ہے۔ نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی، مگر جب حکم پا کر بابو میاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتیٔ اعظم ہند نے بآں شان و جلال، بآں عظمت و تقدس و بآں ریش سفید و رفعت پیری، ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابو میاں) کا پیر دونوں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ ڈبڈبائی آنکھیں ان کے چہرہ کی طرف اٹھا کر فرمایا۔ صاحبزادے ہم تو آپ کے غلام و خانہ زادے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جد کریم کا دیا ہوا ہے۔ ہم نے شرع میں جو کیا آپ کے ہی جد کریم کے حکم کی بجا آوری اور انھیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کے لئے کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔

اس وقت پورے مجمع پر رقت طاری تھی اور کھلی آنکھوں سے دنیا دیکھ رہی تھی کہ بلاشبہ حق و ہدایت، اطاعت شرع و اتباع سنّت انھیں بزرگوں کے دم قدم سے ہے۔

درود ہو میرے سرکار رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے فرمایا من رای منکرا فلیغیرہ بیدہٖ۔ جو برائی دیکھے اپنے ہاتھ سے اسے درست کرے۔ اور سلام ہو حضور مفتیٔ اعظم ہند پر کہ آپ نے سرکار کے اس حکم پر پوری زندگی عمل کر کے شاہراہ حق قائم فرما دی۔

مفتئ اعظم ہند

علم و فن کے دریائے زخّار

جانشینِ مفتئ اعظم ہند علّامہ شاہ اختر رضا ازہری

جدی الکریم مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان میرے مربی بھی تھے۔ استاد بھی اور شیخ طریقت بھی اور ایسے شیخ جو حقیقی معنوں میں آقائے نعمت اور دریائے رحمت تھے ان کا فیض اپنے مریدین ہی کے لئے نہیں ہر سنی کے لئے عام تھا۔ اس سورج کی روشنی میں جو آیا اسے روشنی ملی۔ توانائی ملی اور ذروں کو بھی وہ تابانی ملی کہ وہ بھی چمکنے لگے۔ مفتئ اعظم کی عظمت۔ ان کی علمی جلالت ان کی ولایت و کرامت اور دوسرے محاسن کا میں کہاں تک ذکروں میں کچھ بھی کہوں گا تو کہنے والے کہیں گے کہ اپنے بزرگوں کی تعریف تو سبھی کرتے ہیں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ بڑا وہ ہے جس کی بڑائی نہ صرف عقیدت مند اور اپنے تسلیم کریں بلکہ غیر بھی تسلیم کریں جدی الکریم مفتئ اعظم اس معیار پر پورے اترتے ہیں وہ ظاہری حیات میں تھے تب بھی خاموش رہے اور لوگ ان کے بارے میں بولتے رہے لکھتے رہے اور چہرہ کو ہی دیکھ کر جانے کتنے بھٹکے اور بگڑے ہوئے لوگ منزل پاگئے۔ اور بن سنور گئے اور آج بھی جب وہ بظاہر اس دنیا میں، ہماری نگاہوں کے سامنے نہیں ہیں تب بھی دنیا ان کی باتیں کرتی ہے ان کی محفل سجاتی ہے۔ ان کی یاد کی محفل ان کا عرس مناتی ہے۔ اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ بہر حال میں زیادہ نہ کہہ کر مختصراً مفتئ اعظم کے کچھ حالات و واقعات پیش کر رہا ہوں جن سے سرکار مفتئ اعظم کی عظمت اور ان کی بڑائی کا پتہ چلتا ہے۔

مفتئ اعظم ایک ولی تھے۔ ولی برحق اور ولی ہونے کے لئے کرامتوں کا ظہور اور خوارقِ عادات ضروری نہیں حالانکہ مفتئ اعظم سے بیشمار کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ ولی وہ ہے جو تقویٰ شعار ہو اِنْ اَوْلِیَاءُ ہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (اللہ کے ولی نہیں مگر متقی) مفتئ اعظم کے متقی ہونے میں کسے شک ہے وہ متقی ہی نہیں متقی اعظم تھے۔

آخری عمر میں حضرت کا کشف بہت بڑھ گیا تھا۔ اور میں نے سفر میں بھی اکثر حضرت کے کشف کا مشاہدہ کیا ہے۔ اپنے ہی ساتھ گزرا ہوا ایک کشف کا واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ "دارالعلوم امجدیہ ناگپور" کے سنگ بنیاد کے موقع پر چندہ ہو رہا تھا۔ میں نے اپنا روپیہ بکس میں رکھ دیا تھا۔ اب سوچا اس وقت روپے ہوتے تو میں بھی اس میں کچھ حصہ لیتا۔ ابھی یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ حضرت نے اپنی جیب سے دو سو روپیہ نکال کر دیا اور فرمایا یہ اختر میاں کی طرف سے ہے میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت کو بذریعہ کشف میرا خیال معلوم ہو گیا۔

اسی ناگپور کے سفر میں حضرت، میں، اور حضرت کا خادم ٹرین سے جا رہے تھے۔ ڈبہ میں بڑی بھیڑ تھی حضرت آرام فرما رہے تھے۔ ظہر کا وقت تنگ ہو رہا تھا میں بڑا پریشان تھا کہ حضرت اس بھیڑ بھاڑ میں کیسے وضو فرمائیں گے اور کیسے نماز ہوگی۔ ابھی کشمکش میں ہی تھا کہ حضرت خود بخود

بیدار ہو گئے اور بھیڑ نے خود راستہ دے دیا حضرت
نے وضو کیا۔ اور پھر فرمایا تم لوگ جگہ کرو ہم نماز
پڑھیں گے۔ سبھی غیر مسلم تھے اس میں سے
ایک نے کہا جگہ تو ہے نہیں کیسے نماز پڑھیں گے
حضرت کو جلال آگیا اور کہا ایک پر ایک چڑھ جاؤ
وہ ایک دوسرے سے سمٹ کر کھڑے
ہو گئے اور نماز کے لئے جگہ مل گئی اور حضرت کے
طفیل ہم سب کو بھی نماز مل گئی۔

اس واقعہ سے نہ صرف حضرت کی کرامت
کا ظہور ہوتا ہے بلکہ ان کی شریعت پر سختی سے
پابندی۔ ان کے تقویٰ اور بے خوفی کا بھی
اظہار ہوتا ہے۔

حضرت کی دعاؤں کی مقبولیت

حضرت کی دعاؤں کی مقبولیت کا یہ عالم
تھا کہ تمام مادی وسائل ہوتے ہوئے بھی لوگ
جب تک اپنے کسی مسئلہ یا معاملہ میں حضرت
سے دعا نہ کرا لیں انھیں اپنے مسئلہ کے حل یا کام
کے ہونے کا یقین نہیں ہوتا تھا۔ لاکھ بے سروسامانی
کے عالم میں اگر حضرت نے دعا فرما دی تو انھیں
اپنے کام کے بن جانے کا پورا پورا یقین ہو جاتا
تھا اور وہ کام بھی ہو جاتا تھا۔ اس طرح کے
جانے کتنے واقعات ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

جوناگڑھ کے پاس ایک مقام ہے بلکھا
وہاں حضرت کے ساتھ مجھے بھی جانا تھا حضرت
کو لوگ گھیرے ہوئے تھے اور تاخیر ہو رہی
تھی اب بلکھا والوں نے مجھ سے کہا کہ تب تک
آپ چل کر تقریر کریں حضرت بعد میں آ جائیں گے
میں نے کہا حضرت سے اجازت لے لیجئے۔ حضرت
نے اجازت بھی دے دی اور دعا بھی فرما دی کہ
تمھاری تقریر کامیاب ہو۔ اللہ کے فضل اور
حضرت کی دعا سے تقریر کامیاب ہوئی اور لوگوں
کو فائدہ ہوا۔

بعد داخل سلسلہ برکتوں کا ظہور

میں بچپن سے ہی حضرت سے داخل سلسلہ
ہوں۔ جامع ازہر سے واپسی کے بعد میں نے
اپنی دلچسپی کی بنا پر فتوے کا کام شروع کیا۔ شروع
شروع میں مفتی افضل حسین صاحب علیہ الرحمۃ
اور دوسرے مفتیان کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا
رہا اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر
ہو کر فتویٰ دکھا دیا کرتا تھا۔

میرے کرم فرما اور علمی دوست مفتی
قاضی عبدالرحیم صاحب بستوی بھی میری
ہمت افزائی کرتے تھے۔

کچھ دنوں کے بعد اس کام میں میری دلچسپی
زیادہ بڑھ گئی۔ اور پھر میں مستقل حضرت
کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ حضرت کی
توجہ سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ
فیض حاصل ہوا کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے
سے بھی نہ ہوتا۔

قاری اسرائیل صاحب از فیضی چریاوی
نے بیان کیا کہ بچپن میں ان کی آنکھ میں روشنی
نہیں کے برابر تھی لیکن حضرت سے مرید ہونے کے
بعد انھیں ایسا محسوس ہوتا شروع ہوا کہ دن بدن
آنکھ میں روشنی بڑھتی جا رہی ہے اور آج وہ
دن میں بہ آسانی بغیر کسی کے سہارے چلتے پھرتے
ہیں اور لکھنے پڑھنے بھی لگے ہیں۔ وہ خود
کہتے ہیں کہ یہ حضرت کی کرامت اور آپ سے بیعت
ہونے کے بعد مجھ پر ان کی برکتوں کا ایسا ظہور ہوا کہ
نہ صرف آنکھ کی روشنی ملی بلکہ دل کی بھی روشنی
ملی اور میں خود بھی اندھیرے سے روشنی میں آگیا
اور مجھے مقبولیت حاصل ہو گئی۔

عشق رسول میں فنائیت

سید مفتی اعظم حضرت مصطفےٰ رضا
قدس سرہٗ العزیز رضائے مصطفےٰ تھے اور جو
عظمت انھیں حاصل ہوئی محبت رسول علیہ الصلوٰۃ
والتسلیم ہی کی بنا پر اور بلاشبہ عشق مصطفےٰ
علیہ التحیۃ والثنا ہی جان ایمان ہے۔
حضرت کی سرکار علیہ السلام کے عشق میں فنائیت
کا شاہد ان کی زندگی کا ہر لمحہ ہے۔ ان کی محبت
رسول میں فنائیت کا صحیح اندازہ اس بات سے
ہوتا ہے کہ آخری عمر میں باوجود شدید علالت
کے نعت کی محفل میں گھٹنوں باادب بیٹھے رہتے
تھے اور نعت پاک کے ہر ہر مصرع پر رونا اور
والہانہ کیفیت کا طاری ہونا اس بات کا غماز
ہے کہ وہ مصطفےٰ کی محبت میں گم ہو چکے تھے۔

فقر و توکل

فقر و توکل ولایت کی پرکھ ہوتی ہے تقسیم
ہند و پاک کے موقع پر مفتی اعظم پر جو حالات
گزرے ہیں ان کا کیا بیان کیا جائے۔ بس یہ
سمجھ لیجئے کہ ان کی جگہ پر اگر پلٹن بھی ہوتی تو وہ

اپنا مقام چھوڑ دیتی مگر حضرت ہر طرح کے حالات
سے نپٹتے رہے اور ان پر خوف وہراس نہ
طاری ہوا۔ لوگوں نے ترک وطن تک کا مشورہ
دیا۔ مگر استقامت کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے
ٹس سے مس نہ ہوا۔ جبری نسبندی کے دور
میں اس کے خلاف آواز بلند کر کے حضرت نے
جس بے باکی اور حق گوئی کا ثبوت دیا اس
زمانہ میں اس کی مثال مشکل ہے۔ اللہ پر
توکل کی یہ بھی ایک مثال ہے۔ فتنہ ارتداد
کے سدباب میں حضرت نے جان کی بازی
لگادی۔ میلوں پیدل چلتے بھوکے پیاسے
رہ کر تبلیغ کرتے اور مشرکین کے جال میں پھنس
گئے مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچایا اور
جو مسلمان دھوکے میں آکر مرتد ہو گئے تھے انھیں
ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور اسلام کے
دامن سے پھر سے وابستہ کر دیا۔

التزام شریعت

شریعت کا جو التزام مفتیٔ اعظم نے
فرمایا اُسے دیکھ کر صحابۂ کرام اور ان کی زندگی
کو دیکھنے کا شوق پایا جاتا ہے۔ بارہا ایسا
ہوا کہ نماز کے لئے ٹرین چھوڑ دی حتیٰ کہ آخیر
وقت میں وصال سے چند گھنٹے قبل بھی نماز کا
خیال رکھا اور سردی کے موسم میں باقاعدہ
وضو کر کے کھڑے ہو کر نماز مغرب ادا کی۔

معمولات

سفر میں ہو یا حضر میں حضرت مفتیٔ اعظم
پانچوں وقت کی نماز کے بعد وظیفہ میں مشغول
رہتے تھے بقیہ وقت تعویذ لکھنے، لوگوں کی
حاجت براری اور فتویٰ نویسی میں گزرتا تھا۔
گئے رات تک اپنے تلامذہ وخدام کو فتویٰ نویسی
سکھاتے رہتے رات بھی زیادہ تر عبادت
اور ریاضت میں گزرتی۔ اکثر دوپہر کا کھانا
تک نہ کھاتے مہمانوں کا بڑا خیال رکھتے اور
صحت کے عالم میں خود مہمانوں کو اپنے سامنے
کھانا کھلاتے اور ان کی خاطرداری کرتے۔

تبحر علمی

مفتیٔ اعظم علم کے دریائے زخار تھے۔
جزئیات حافظے سے بتادیتے تھے۔ فتاوے
قلم برداشتہ لکھ دیا کرتے تھے۔ ان کا عمل
ان کے علم کا آئینہ دار تھا۔ ان کے عمل کو دیکھنے کے
بعد اگر کتاب لکھی جاتی تو اس میں وہی ملتا
جو حضرت کا عمل ہوتا تھا۔ ہر معاملہ میں حضرت
ہی کی رائے اوّل ہوتی تھی۔ اور جن علمی اشکال
میں لوگ الجھ کر رہ جاتے تھے وہ حضرت
چٹکیوں میں حل فرما دیا کرتے تھے۔

خصوصیات جو ہمعصروں سے ممتاز کرتی ہیں

سیدی مفتیٔ اعظم احتیاط اور امر بالمعروف
ونہی عن المنکر میں ان کا وہ مقام تھا جو دوسرے
حضرات میں نہیں پایا جاتا تھا۔ قدم قدم
پر لوگوں کو برائی سے باز رکھنا نیکی کی تلقین کرنا
اور بلا جھجک غیر شرعی حرکت پر ٹوک دینا۔ یہ وہ
خوبیاں ہیں جو سیدی مفتیٔ اعظم میں ان کے
ہمعصروں سے زیادہ پائی جاتی تھیں۔

(صفحہ ۸ کا بقیہ)

نہیں ___ وہ جو بھی فرماتے
ہیں شریعت کی اتباع سے فرماتے
ہیں ___ تو یہ مولانا پر اعتراض
نہیں ___ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم پر (معاذ اللہ)
ہے بلکہ عین خدائے جل وعلا
پر ___ بھلا اس حماقت کی
حد بھی ہے"

خیر مفہوم معترض تحریر میں دم بدم طوالت
پذیر ہے۔

التماس صرف یہ ھے کہ

"اگر اس ملائک صفات بشر کی قدر نہ کی تو
تو بہت ہی نادم و پشیمان ہونا پڑے گا۔
اور یاد رکھے کہ ___ ایسی صورت
پھر نظر نہ آئے گی"

خدائے کریم اہلسنت کے سپہ سالار کی
عمر مبارک میں بہت سی ترقی عطا فرمائے
بعد کو آسمانِ اہلسنت پر خدا جانے کیسے کیسے
غمناک بادل امنڈ آئیں گے اور دنیائے اسلام
ان کے رنج والم میں آٹھ آٹھ آنسو بہائے گی
لیکن پھر کچھ نہ ہوگا۔ اللہ کریم ہمیں عقل سلیم
دے اور ہم سمجھیں کہ اعلیٰ حضرت کیا ہیں؟
اور ان کا صحیح مصرف کس طرح ہے؟

رقم زدہ محمد فضل حسن صابری رامپوری

مفتی اعظم کا عظیم اور لازوال کارنامہ

الملفوظ کی ترتیب و تدوین

حضرت علامہ ارشد القادری

ایک ادنیٰ مسلمان بھی اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ ہمارے اوپر تین طرح کے حقوق ہیں۔

۱۔ بندہ ہونے کی حیثیت سے خدا کا حق۔

۲۔ امتی ہونے کی حیثیت سے رسول کا حق۔

۳۔ انسان ہونے کی حیثیت سے انسان اور ہر مخلوق کا حق۔

اس لحاظ سے رسول کا حق بھی اللہ ہی کا حق ہے کہ وہ اللہ ہی کی طرف سے بندوں پر عائد کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ رسول کے حق کا قولاً عملاً، اعتقاداً کسی درجہ میں بھی انکار کرتے ہیں وہ صرف رسول ہی کے نہیں بلکہ خدا کے بھی منکر ہیں۔

قرآن کریم نے عہد رسالت میں پیدا ہونے والے اس طبقے کی بار بار نشاندہی فرمائی ہے جو خدا کی الوہیت کا بھی اقرار کرتا تھا۔ توحید و رسالت کی بھی برملا شہادت دیتا تھا اور نماز با جماعت کا بھی پابند تھا لیکن ان ساری باتوں کے باوجود حبیب کبریا، رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دل کے نفاق و عناد میں مبتلا ہونے کے باعث وہ ہمیشہ خدا کے قہر و غضب کا نشانہ بنا رہا نہ اس کا کلمہ اس کے کام آیا اور نہ اس کی نماز خدا کے عذاب سے اسے بچا سکی۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی سینکڑوں آیتیں واضح طور پر اس عقیدے کی توثیق کرتی ہیں کہ خدا اور بندے کے درمیان رسول ہی کی ذات مرکز تعلقات ہے۔ نجات اخروی اور رضائے الٰہی کے حصول کا بجز اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ سب سے پہلے رسول کی رضا حاصل کی جائے اور یہ صرف عقیدہ نہیں بلکہ تاریخ کے حوالے سے کھلی آنکھوں کا مشاہدہ بھی ہے کہ عرب کے کفار و مشرکین جب رسول کی پناہ میں آگئے تو خدا نے بھی ان پر اپنی رحمت و خوشنودی کا دروازہ کھول دیا۔ پہلے رسول کے قدموں میں ان کے دل جھکے تب پیشانیوں کو خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں نے پہلے خدا کو مانا ہو تب رسول کو تسلیم کیا ہو۔

منصب رسالت کی عظمت و جبروت کے
خلاف منافقین مدینہ کی اٹھائی ہوئی تحریک جس
کی قرآن نے بار بار اور واضح لفظوں میں نشاند
فرمائی ہے وہ چودھویں صدی میں پھر منظ
ہو گئی اور غضب کی بات یہ ہوئی کہ اس فتن
کے علمبرداروں نے اپنے دلوں کا غیظ و غضب
چھپانے کے لیے اسے ایک دینی تحریک کی
شکل دے دی اور اس خوبصورتی کے سا
عظمت پیغمبرانہ کے خلاف اپنا مشن چلایا کہ لوگ
عرصۂ دراز تک یہی سمجھتے رہے کہ یہ نبی کی تنقیص
کا نہیں بلکہ عقیدہ توحید کے تحفظ کا مشن ہے
لیکن خدائے غافر و قدیر اعلیٰ حضرت اما
احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی
تربت پر اپنی رحمت و نعمت کے پھول برسائے
کہ اس مرد سرفروش اور عاشق وفاکیش
اس ناپاک تحریک کے خلاف قلم کی تلوار اٹھا
امت کو کفر و نفاق کے ایک بہت بڑے فتن
میں مبتلا ہونے سے بال بال بچا لیا۔ اور ہزا
اوراق پر پھیلے ہوئے کتاب و سنت کے

وفقہ اور اقوال سلف کے مقدس ذخائر کی روشنی میں ثابت کر دکھایا کہ منصب رسالت کا احترام عقیدۂ توحید سے متصادم نہیں، بلکہ عقیدۂ توحید کا عین مقتضا اور مطلوب ہے۔

دل اگر نفاق کے آزار میں مبتلا نہیں ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت نے اپنے پیچھے جو لٹریچر چھوڑا ہے وہ اسلام کی روح، دین کی غیرت و حمیت اور ایمان کے چشمے سے پھوٹنے والی قوتوں کا تحفظ کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علوم و معارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ "الملفوظ" بھی ہے جو ان کے ارشادات اور کلمات طیبات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں بلکہ ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جواہر پاروں اور ذخائر علم و حکمت کا ایک گنج گراں مایہ ہے اور یہ احسان ہے حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کا کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت کے علمی مجالس کے ان خزائن و ذخائر کو قلم بند فرمایا۔ اور "الملفوظ" کے نام سے چار جلدوں میں انھیں شائع کر دیا۔ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو حضور مفتئ اعظم نے رشتۂ تحریر میں منسلک نہ کیا ہوتا تو آج ہم علم و حکمت اور دین و سنّت کے ان نادرۂ روزگار ذخائر سے محروم ہو جاتے جن کی چمک سے دلوں کے آفاق پر اجالا پھیلتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

الملفوظ کے مقدمہ میں حضور مفتئ اعظم ہند نے اس کے جلوہ ہائے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی مجلس علم و حکمت اور فیض و برکت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

تحریر فرماتے ہیں کہ:

"یہاں جو دیکھا کہ شریعت و طریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدّتوں غور و خوض کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط بڑے بڑے سر پٹک کر رہ جائیں۔ فکر کرتے کرتے تھک جائیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف الا ادری کا دم بھریں، وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرما دیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا۔

اور وہ دقائق و نکاتِ مذہب و ملّت جو ایک چیستاں اور ایک معمّہ ہوں جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو وہ یہاں منٹوں میں حل فرما دیے جائیں تو خیال ہوا کہ یہ جواہر عالیہ اور زواہر غالیہ یونہی بکھرے رہے اور انھیں سلک تحریر میں نہ لایا گیا تو اندیشہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ضائع ہو جائیں۔

پھر یہ کہ ان ملفوظات عالیہ سے یا تو خود متمتع ہوتے یا زیادہ سے زیادہ ان کا نفع حاضر باشان دربار عالی ہی کو پہنچتا باقی اور مسلمانوں کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں۔ بلکہ ان کا نفع جس قدر عام ہو اتنا ہی بھلا۔ لہٰذا جس طرح ہو یہ تفریق جمع ہو۔

مگر یہ کام مجھ سے بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا تھا اس لیے بار بار ہمت کرتا اور بیٹھ جاتا۔ میری حالت اس وقت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادے سے کھڑا ہو مگر مذبذب ہو۔ ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹا لیتا ہو۔

مگر دل جو بے چین تھا کسی طرح قرار نہ لیتا تھا آخر اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ کہتا کمر ہمت چست کرتا اور حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل پڑھتا اٹھا اور ان جواہر نفیسہ کا ایک خوشنما ہار تیار کرنا شروع کیا اور میں اپنے رب عزّ و جل کے کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار ہی کو میری جیت کا ذریعہ بنائے۔ الخ

ایں دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ التَّوْفِیْق
وَھُوَ حَسْبِیْ وَخَیْرُ رَفِیْق

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔
(الملفوظ ص۵ مطبوعہ محبوب المطابع دہلی)

اعلیٰ حضرت کے ارشادات کو جمع کرنے کا یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری نہیں تھا دوسری مصروفیات کے باعث اکثر ناغے بھی ہو جاتے تھے جیسا کہ خود جامع ملفوظات نے اپنے مقدمہ میں اس کی صراحت فرمائی ہے ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں نے چاہا تو یہ تھا کہ روزانہ کے ملفوظات جمع کروں مگر میری بے فرصتی آڑے آئی اور میں اپنے اس عالی مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ غرض جتنا اور جو کچھ مجھ سے ہو سکا میں نے کیا۔ آگے قبول واجر کا اپنے مولیٰ تعالیٰ سے سائل ہوں وَهُوَ حَسْبِيْ وَرَبِّيْ ص۲"

جامع ملفوظات حضور مفتیٔ اعظم ہند کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ مجلس میں بیٹھنے والے کسی سائل کے سوال کو "عرض" اور اعلیٰ حضرت کے جواب کو "ارشاد" سے تعبیر کرتے ہیں۔
اور چونکہ سوالات کے درمیان کوئی فنی ترتیب نہیں ہے اس لئے اعلیٰ حضرت کے ارشادات علم و فن کے بیشمار اصناف پر مشتمل ہیں اور رنگا رنگ پھولوں کی پنکھڑیوں کی طرح چار سو صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔
کتاب میں پھیلے ہوئے ان منتشر مباحث کو بڑی حد تک مندرجہ ذیل اصناف میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

۱۔ حکایات و قصص (۲) معارف قرآن (۳) مباحث حدیث (۴) عقائد و ایمانیات (۵) فقہی مسائل (۶) رد فرقہائے باطلہ (۷) ہیئت و فلسفہ (۸) تاریخ (۹) تصوف (۱۰) ہند و بیرون ہند کا سفر نامہ۔

اپنے جذبۂ نفاق اور بدعقیدگی کے نتیجے میں مدت ہوئی الملفوظ کے چند مقامات پر اہل سنت کے حریفوں نے اعتراض کئے تھے جن کے شافی اور مدلل جوابات فقیہ اہلسنت حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب محدث امجدی نے "تحقیقات" کے نام سے کتابی شکل میں شائع فرما کر ہمیشہ کے لئے مخالفین کی زبانوں پر تالے ڈال دیے۔
جھریا کے مشہور مناظرہ میں بھی ان اعتراضات کے نہایت محققانہ اور دندان شکن جوابات دیئے گئے تھے جو مناظرہ کی مطبوعہ روداد میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

انہی تفصیلات کے بعد اب الملفوظ کے سہارے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کی مجلس علم و عرفان میں چلئے جہاں وقت کے بڑے بڑے اساتذہ اور اصحاب فضل و کمال سائل کی طرح دامن پھیلائے کھڑے ہیں اور امام اہلسنت کے منھ سے حقائق و معارف کے پھول جھڑ رہے ہیں۔

اب الملفوظ کے مباحث کے چند اقتباسات نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

حکایات و قصص

عبرت و موعظت کی راہ سے حقائق و معانی کو قلوب میں راسخ کرنے کے لئے قرآن کریم نے جگہ جگہ حکایات و قصص سے کام لیا ہے۔ قرآن کی پیروی میں اعلیٰ حضرت نے بھی گفتگو کے دوران بزرگوں کے واقعات و حکایات بیان کر کے معنوی حقائق کو پیکر محسوس میں منتقل کرنے کا انداز بیان اختیار فرمایا ہے۔
نمونے کے طور پر چند بصیرت افروز، روح پرور اور فکر انگیز حکایات ملاحظہ فرمائیں۔
۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو حضور پر نور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور مشہور صحابی رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ وہ اپنے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے استاد کے منصب احترام و ادب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔
ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں درس کے لئے اپنے استاد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدے پر حاضر ہوتا اور وہ گھر کے اندر ہوتے تو میں از راہ ادب انہیں باہر سے آواز نہ دیتا بلکہ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ ہوا خاک اڑا کر میرے اوپر ڈالتی اور میں ان کے قدموں کا غبار اپنے چہرے پر مل کر خوش ہوتا یہاں تک کہ وہ کاشانۂ اقدس

سے باہر تشریف لاتے اور مجھے اس حال میں دیکھتے
تو بے قرار ہو جاتے اور ارشاد فرماتے کہ اے
ابن عم رسول اللہ (حضور کے چچا کے صاحبزادے)
آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرا دی کہ میں باہر
آجاتا۔ اس کے جواب میں عرض کرتا کہ یہ خلاف
ادب تھا کہ میں آپ کو اپنے آنے کی اطلاع
دیتا یا باہر سے آواز لگاتا۔ قرآن حکیم نے
ہمیں بارگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی
ادب سکھلایا ہے کہ انھیں باہر سے آواز نہ دو
بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کرو کہ وہ خود باہر
تشریف لائیں۔

۲۔ ایک بار یہی حضرت زید بن ثابت
رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار تھے کہ اسی
درمیان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما گھوڑے پر سوار تھے کہ اسی درمیان
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
تشریف لے آئے اور ان کے گھوڑے کی رکاب
تھام لی۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ارشاد فرمایا! اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ جواب
دیا ہمیں اسی طرح اہل علم کے ادب کا حکم دیا
گیا ہے۔

یہ سننا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ
گھوڑے سے نیچے اتر پڑے اور حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
کے ہاتھ پر فرط عقیدت سے بوسہ دیا اور
فرمایا کہ ہمیں بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اہل بیت
کا اسی طرح ادب کریں۔

سبحان اللہ! وہ علم کا ادب تھا یہ نسبت
رسالت کا ادب ہے۔ دونوں ادبوں کے نقش
ونگار سے ایمان کی تصویر مکمل ہو گئی۔

۳۔ حضرت امام کسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
جو قرأت سبعہ کے ایک جلیل القدر امام ہیں اور
حنفی مذہب کے ستون حضرت امام محمد رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ ایک دن ان
کی بارگاہ میں عالم اسلام کا مشہور بادشاہ
ہارون رشید حاضر ہوا اور درخواست کی کہ
آپ میرے بچے مامون رشید کو اپنی شاگردی
میں قبول فرمالیجیے۔ امام کسائی نے ارشاد فرمایا کہ
میں قبول تو کرتا ہوں لیکن شہزادے کو آپ کے
گھر پر پڑھانے نہیں جاؤں گا کہ یہ علم کی توہین ہے
آپ اسے میرے گھر پر بھیج دیا کیجیے میں پڑھا
دیا کروں گا۔ ہارون رشید نے کہا کہ آپ
کی یہ شرط مجھے منظور ہے لیکن اتنی رعایت فرمایئے گا
کہ اس کا سبق پہلے ہو جایا کرے فرمایا یہ ترجیح
بھی علم کی شان کے خلاف ہے بلکہ جو پہلے آئے گا
اسی کا سبق پہلے ہوگا۔ غرض امام کسائی کی اس
شرط پر مامون کی پڑھائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اتفاقاً ایک دن ہارون رشید کا اس
طرف گزر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ امام کسائی وضو
فرما رہے ہیں اور مامون ان کے پاؤں پر پانی
ڈال رہا ہے بادشاہ غضبناک ہو کر گھوڑے سے
نیچے اتر پڑا۔ اور مامون کے کوڑے مارتے
ہوئے کہا، او بے ادب! خدا نے تجھے دو ہاتھ
کس لئے دیے ہیں ایک ہاتھ سے پانی ڈال اور
دوسرے ہاتھ سے اپنے استاد کے پاؤں دھو۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ ہارون
رشید جیسے قاہر و جابر بادشاہ کے دل میں
علم کی کیسی قدر و منزلت تھی۔

۴۔ یہی ہارون رشید ایک دن اپنے زمانے
کے جلیل القدر عالم دین اور خدا رسیدہ بزرگ
حضرت ابو معاویہ خزیر رضی اللہ عنہ کی دعوت
کی۔ وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ جب
آفتابہ اور سلیچی ہاتھ دھلانے کے لئے لائی گئی
تو سلیچی اس نے اپنے خدمت گار کو دے دی
اور آفتابہ لے کر خود ان کا ہاتھ دھلانے
ہاتھ دھلاتے ہوئے اس نے سوال
کیا کہ آپ کو پتہ ہے کہ آپ کا ہاتھ کون دھلا رہا
ہے یہ سن کر حضرت ابو معاویہ نے ارشاد
فرمایا، جیسی آپ نے علم و تقویٰ کی عزت
فرمائی ویسی ہی اللہ آپ کی عزت بڑھائے
ہارون نے عرض کیا بس اسی دعا کے لئے میں
نے یہ خدمت سر انجام دی ہے۔

اس واقعہ سے ہارون رشید جیسے وقت
کے عظیم شہنشاہ کا وہ جذبہ نیاز مندی
آشکار ہوتا ہے جو اسے اللہ والوں کے ساتھ
حاصل تھا۔

۵۔ ہارون رشید کا عالم دستور تھا کہ جب
اس کے دربار میں کوئی عالم دین تشریف لا
تو وہ ان کی تعظیم کے لئے سرو قد کھڑا ہو جا
ایک دن درباریوں نے کہا کہ یا امیرالمومنین
آپ کے اس طرز عمل سے سلطنت کا رعب
زائل ہوتا ہے۔

ہارون رشید نے جواب دیا کہ علمائے

کی تعظیم سے اگر سلطنت کا رعب زائل ہوتا ہے تو وہ زائل ہونے ہی کے قابل ہے۔ میں رعب سلطنت کے لئے علم دین کی عزت کو مجروح نہیں ہونے دوں گا۔

ہارون رشید کی یہی وہ ادائے دلبرانہ تھی جس نے ساری دنیا میں اس کی صولت وجلالت کے ڈنکے بجادیئے تھے اور وقت کے بڑے بڑے سلاطین اس کی سطوت وجبروت سے لرزہ براندام رہا کرتے تھے۔

۶۔ یمن میں ایک عیسائی رہتا تھا اس نے مسلمانوں کا امتحان لینے کے لئے عیسائیت کا لبادہ اتار کر مسلمانوں کا لباس پہن لیا۔ گلے کی صلیب جو کپڑے کے اوپر لٹکتی رہتی تھی اسے گریبان کے اندر چھپا لیا یہاں تک کہ بالکل مسلمانوں کے لباس میں وہ علماء کے پاس جاتا اور ان سے سوال کرتا کہ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟

علماء اس کا جواب دیتے لیکن وہ جواب پاکر بھی پوچھنے سے باز نہیں آتا یہاں تک کہ وہ پوچھتے پوچھتے بغداد تک پہنچ گیا ہے وہ زمانہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت شان کا تھا۔ سارے بغداد میں ان کی شوکت ولایت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ وہ ان کی بارگاہ میں بھی حاضر ہوا اور ان سے بھی اس حدیث کے معنی پوچھے۔ انھوں نے پر جلال آواز میں ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ صلیب توڑ عیسائیت چھوڑ اور اسلام قبول کر۔ یہ سنتے ہی وہ قدموں پر گر پڑا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دولت اسلام سے مشرف ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ حضور! یہ حدیث لے کر میں بہت سارے علماء و مشائخ کے پاس گیا لیکن کسی نے بھی مجھے نہیں پہچانا۔ کیا بات ہے کہ صرف آپ نے مجھے پہچان لیا؟

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ پہچانا تو تجھے سب نے تھا لیکن چونکہ تیرا اسلام میرے ہاتھ پر لکھا ہوا تھا اس لئے کسی نے تجھ پر یہ راز فاش نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے کہ انھیں صرف تیرا ہی حال نہیں معلوم تھا۔ بلکہ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ تو میرے ہاتھ پر مسلمان ہوگا۔

اس واقعہ سے اولیائے کرام کی غیبی قوت ادراک کا پتہ چلا جس کے ذریعہ وہ مخفی حالات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔

۷۔ ایک بی بی نے انتقال کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرا کفن ایسا خراب اور بے وقعت ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں بیٹھتے شرم آتی ہے۔ پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے اس کے ہمراہ اچھے کپڑے کا کفن بھیج دینا۔ صبح صاحبزادے نے اٹھ کر اس شخص کا پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے، اور مرنے کے کوئی آثار اس کے اندر موجود نہیں ہیں اچانک تیسرے دن اسے خبر ملی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ لڑکے نے نہایت عمدہ کفن تیار کر کے اس کے کفن میں رکھ دیا اور جنازہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا یہ میری ماں کو دے دینا۔

رات وہ صالحہ بی بی خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا۔ خدا تجھے جزائے خیر دے تو نے بہت اچھا کفن بھیجا اب مجھے اپنی ساتھیوں میں کوئی شرمندگی نہیں محسوس ہوگی۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ عالم دنیا اور عالم برزخ کے درمیان رابطے کا کوئی نہ کوئی روحانی ذریعہ ضرور ہے اور مرنے کے بعد بھی مردہ کے اندر سے خون کے رشتے کا احساس اور شعور باقی رہتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ موت طاری ہونے کے بعد بھی اللہ کے ولیوں کی غیبی قوت ادراک محفوظ رہتی ہے اور اسی قوت کے ذریعہ وہ دنیا میں پیش آنے والے واقعات سے باخبر رہتے ہیں۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اچھے کفن سے مردے کو خوشی ہوئی اور خراب کفن سے وہ خفت محسوس کرتا ہے۔

اور چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی کے خواب میں آنا اللہ والوں کے اپنے اختیار میں ہے وہ جب چاہیں اور جس کے خواب میں چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔ انھیں اپنے اور بیگانے کا بخوبی امتیاز ہوتا ہے اور وہ اپنا گھر در بھی پہچانتے ہیں۔

۸ اُھبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی رسول ہیں جب ان کا انتقال ہوا اور انھیں کفن پہنایا گیا تو غلطی سے ان کے کفن میں

ایک تہبند زائد چلا گیا۔ شب کو اپنے صاحبزادے کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا یہ تہبند لو! اور الگنی پر ڈال دیا۔ صبح جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تہبند الگنی پر رکھا ہوا ہے۔

اس واقعہ سے بھی عالم دنیا اور عالم برزخ کے باہمی تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔

۹۔ ایک بزرگ کا انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے روزانہ قبر پر حاضر ہوتے اور قرآن عظیم کی تلاوت کیا کرتے کچھ مدت گزر جانے کے بعد وہ جوش محبت جاتا رہا یہاں تک کہ ایک دن ناغہ ہو گیا۔ شب کو وہ بزرگ خواب میں تشریف لائے۔ اور تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہ کرو۔ روزانہ میری قبر پر آیا کرو اور تھوڑی دیر تک کہ میں تمھیں جی بھر کر دیکھ لوں۔ پھر میرے لئے دعائے رحمت کرو اور رخصت ہو جاؤ۔

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خونی رشتہ کا احساس مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اور مردے کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کون آیا کون نہیں، نیز یہ بھی واضح ہوا کہ چہرے کے سامنے کھڑے ہونے والے پر قبر کی مٹی حائل نہیں ہوتی۔ مردہ اسے دیکھتا اور پہچانتا ہے۔

۱۰۔ ایک شخص ایک قبرستان میں ایک قبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے نیند آگئی خواب میں دیکھا کہ ایک بی بی اس قبر کے اندر سے فرماتی ہیں کہ اے خدا کے بندے؟ اس بلا کو میرے پاس سے دفع کر جو تھوڑی دیر میں آنے والی ہے۔ اس کی فوراً آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ ایک نئی قبر اس قبر کے پہلو میں کھودی جا رہی ہے اور سامنے سے ایک جنازہ جو کسی رئیس کا تھا چلا آرہا ہے۔

اس نے لوگوں کو منع کیا کہ یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے ایسی ہے ویسی ہے کسی دوسری جگہ قبر تیار کرو۔ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور دوسری جگہ اس میت کو دفن کیا۔

رات کو اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ بی بی تشریف لائی ہیں اور فرماتی ہیں کہ خدا تجھے جزائے خیر دے کہ تو نے اس آگ کو میرے پاس سے دفع کیا۔

اس واقعہ سے بھی چند باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح دنیا میں برے ہمسایہ سے تکلیف پہنچتی ہے اور آدمی اس سے دور رہنا چاہتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی مردے کو اچھے اور نیک ہمسایہ سے خوشی ہوتی ہے اور برے ہمسایہ سے اذیت پہنچتی ہے۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کا ولی اپنی خداداد قوت ادراک کے ذریعے سے صرف اتنا ہی نہیں جانتا کہ کون مرنے والا ہے، کون مر گیا ہے اور کس کا جنازہ آنے والا ہے بلکہ اپنی قبر کے اندر لیٹے لیٹے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آنے والا کیسا ہے۔ اچھا ہے یا برا ہے مستحق عذاب ہے یا سزا وار رحمت و کرم ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ مرنے والا خواب میں کوئی بات کہے تو اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مرحومین کی دعاؤں سے نہال ہونے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔

۱۱۔ ایک دن تین قلندر حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کھانا طلب کیا۔ حضرت نے خدام کو کھانا حاضر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ خدام نے جو کچھ اس وقت موجود تھا ان کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

ان میں سے ایک قلندر نے وہ کھانا اٹھا کر پھینک دیا اور کہا اس سے اچھا کھانا لاؤ۔ حضرت نے اس ناشائستہ حرکت کا کچھ خیال نہ فرمایا اور خدام کو اس سے بہتر کھانا لانے کا حکم دیا۔ خادم پہلے سے بھی اچھا کھانا لایا لیکن اس بار بھی اس نے اٹھا کر پھینک دیا۔ تب حضرت نے اس سے بھی اچھا کھانا لانے کا حکم دیا لیکن جب اس بار بھی قلندر نے اٹھا کر پھینک دیا تو حضرت شیخ نے اسے اپنے قریب بلایا اور کان میں ارشاد فرمایا کہ یہ کھانا اس مردار بیل سے تو اچھا تھا جو تم نے راستے میں کھایا تھا۔

یہ سنتے ہی قلندر کا حال متغیر ہو گیا۔ کیونکہ راستے میں تین دن کے فاقوں کے بعد انھیں ایک مرا ہوا بیل ملا تھا جس کا یہ گوشت کھا کر آئے تھے۔

قلندر فرط ندامت سے بیخودی کی حالت میں حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ حضرت نے اسے اٹھا کر سینے سے لگایا اور ایک آن میں اسے دولت باطنی سے مالا مال کر دیا۔

...س وقت وہ رقص کرتا اور عالم وجد میں کہتا
...کہ میرے مرشد نے مجھے نہال کر دیا مالامال
...کر دیا۔

حاضرین نے کہا بے وقوف! تجھے جو کچھ
...ہے وہ تو حضرت نے عطا کیا ہے یہاں
...ں تو، تو بالکل خالی آیا تھا۔ اس نے جواب
...یا۔ بے وقوف تم ہو میرے مرشد کی اگر مجھ
...نظر کرم نہ ہوتی تو حضرت کا کرم میری
...طرف کیونکر متوجہ ہوتا۔

یہ جواب سن کر حضرت بہت خوش ہوئے
...ور فرمایا یہ سچ کہتا ہے۔ اور اس کے بعد
...لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا بھائیو!
...مرید ہونا اس سے سیکھو۔

اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت
...محبوب الٰہی کو خدام کی طرف سے غیر معمولی
...ضبط عطا کی گئی تھی کہ بار بار کی گستاخی
...نازیبا حرکات کے بعد بھی حضرت ذرا بھی
...غضب ناک نہیں ہوئے۔

حضرت کے اس بلند اخلاق کردار سے
...ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ میزبان کو اپنے مہمان
...کے حق میں کتنا حلیم اور وسیع القلب ہونا
...چاہیے؟ اور کیوں نہ ہو کہ اولیائے کرام کی
...زندگی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
...اخلاق عالیہ کا آئینہ ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے دوسری بات یہ معلوم
...ہوئی کہ حضرت محبوب الٰہی پر وہ سارے
...احوال روشن تھے جو قلندروں کو سفر کے دوران
پیش آئے تھے یہی ہے وہ غیبی قوت ادراک
جسے مالک قدیر اپنے مقرب بندوں کو عطا
فرماتا ہے اور جس کے ذریعے انھیں مخفیات
کا علم حاصل ہوتا ہے۔

اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہر مرید
سعید کو یہی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ فیض کہیں
سے بھی ملے وہ اس کے مرشد ہی کے چشم کرم
کا صدقہ ہے۔

۱۲۔ ایک فقیر مفلس، بینوا نان شبینہ کا محتاج
رات کے وقت دعا کیا کرتا تھا کہ الٰہی رزق
حلال عطا فرما میری تنگ دستی دور کر دے۔
اتفاقاً کسی شب ایک گائے اس کے گھر
گھس آئی۔ اس نے سمجھا کہ دعا کے نتیجے میں یہ
رزق حلال پردۂ غیب سے مجھے عطا ہوا ہے۔
یہ سوچ کر اس نے گائے ذبح کی اور اس کا
گوشت پکایا اور کھایا۔

صبح مالک کو خبر ہوئی۔ اس نے سیدنا
داؤد علیہ السلام کی عدالت میں اس کے خلاف
مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو
مالدار شخص ہے اس نے ایک گائے ذبح کر لی
تو کیا ہوا؟ جانے دے درگزر کر۔ یہ سن کر
وہ بگڑ گیا اور غصہ میں کہا کہ مجھے میرا حق
دلوایا جائے۔ میں انصاف چاہتا ہوں۔
فرمایا کہ اگر تو حق اور انصاف چاہتا ہے تو
سن لے کہ حق اور انصاف یہی ہے کہ وہ گائے
اسی کی تھی۔ وہ اپنی گائے ذبح کر کے کھا گیا۔
اس نے تیرا کیا لیا۔ یہ سن کر وہ اور برہم ہوا۔
آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب بھی تجھے ہوش نہیں
آیا تو لے، صاف صاف سن لے کہ نہ صرف
گائے اس کی تھی بلکہ جو کچھ تیرے پاس ہے
سب اسی کا ہے یہ سن کر جب وہ غصے سے
بے قابو ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تیار
ہو جا۔ میں ایک سربستہ راز سے پردہ اٹھاتا
ہوں۔ سن لے کہ نہ صرف زر زمین اور مال و
جائیداد اسی کا ہے بلکہ تو بھی اسی کی ملکیت ہے
اسی کا غلام ہے۔

اب تو اس کی بے تابی کی حد نہ تھی۔
آپ نے فرمایا، پیچ و تاب نہ کھا صبر سے کام
لے۔ ان ساری باتوں کی تصدیق چاہتا ہے تو
میرے ساتھ چل۔ یہ کہہ کر اس فقیر اور گائے
والے کو اپنے ہمراہ لیا اور جنگل کی طرف
نکل گئے۔ واقعہ اتنا عجیب و غریب تھا کہ
تماشا دیکھنے کے لئے خلق کا ایک بہت بڑا
ہجوم آپ کے گرد جمع ہو گیا۔ ایک درخت کے
نیچے پہنچ کر آپ کھڑے ہو گئے اور حکم دیا کہ
یہاں کھودو۔ تھوڑی سی گہرائی کے بعد
وہاں سے انسان کا ایک سر نکلا اور اس کے
قریب ہی ایک خنجر دفن تھا۔ جب اسے نکالا
گیا تو اس پر مقتول کا نام کندہ تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے درخت
کو حکم دیا کہ جو تو نے دیکھا ہے اس کی شہادت
دے۔ درخت نے عرض کیا یا نبی اللہ!
یہ سر اس فقیر کے باپ کا ہے یہ گائے والا
اس کا غلام تھا۔ اس نے موقع پا کر اپنے
آقا کو اسی کے خنجر سے ذبح کیا اور اسے
خنجر کے ساتھ یہاں دفن کر دیا اس کے سارے

اموال و جائیداد پر قابض ہوگیا۔ مقتول کا یہ بیٹا اس وقت بہت کمسن تھا جب اس نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو بالکل تنگ دستی اور محتاجی کی حالت میں پایا وہ یہ بھی نہیں جان سکا کہ اس کا باپ کون تھا اور اس کے پاس کچھ مال و زر بھی تھا یا نہیں۔

درخت کی اس کھلی ہوئی شہادت کے بعد اس گونگے والے کو بھی اپنے جرم کا اقرار کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ قتل ناحق کی سزا میں غلام کی گردن ماری گئی اور اپنے مقتول باپ کا جائز وارث ہونے کی حیثیت سے فقیر ساری جائیداد اور مال و زر کا مالک بن گیا۔

۱۳۔ پچھلی امتوں میں خدا کا ایک عابد و زاہد بندہ تھا جو سمندر کے ایک جزیرے میں پہاڑ کی چوٹی پر رہتا تھا۔ اور شب و روز خدا کی عبادت کرتا تھا۔ پہاڑ پر وہی اکیلا ایک آدم زاد تھا اس لئے ان تمام گناہوں سے وہ بالکل پاک صاف تھا جو ہم جنس کے تعاون سے وجود میں آتے ہیں۔

اپنی رحمت و کرم سے خدائے کریم نے اپنے بندۂ عابد کے لئے پہاڑ پر ایک شیریں چشمہ جاری کر دیا اور سامنے ہی میٹھے انار کا درخت اگا دیا۔ وہ انار کے پھل کھاتا اور شیریں چشمے کا پانی پیتا۔

اسی طرح وہ چار سو سال تک خدا کی تسبیح و تہلیل اور عبادت و ریاضت میں مصروف تھا یہاں تک کہ جب اس کی موت کا وقت آیا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام اس کے پاس تشریف لائے اس نے کہا اتنی اجازت دیجئے کہ میں تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لوں اور جب دوسری رکعت کے آخری سجدے میں جاؤں تو آپ میری روح قبض کر لیں۔

عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمہارے لئے اتنی اجازت لے کر آیا ہوں۔

چنانچہ اس نے تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی جیسے ہی دوسری رکعت کے آخری سجدے میں گیا کہ روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کا بدن اب تک سلامت ہے اور اسی طرح سجدے کی حالت میں ہے۔

حضرت سیدنا جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں جب بھی آسمان پر جاتا ہوں یا آسمان سے اترتا ہوں اس بندۂ عابد کو اسی طرح سر بسجود دیکھتا ہوں۔

یہ بندہ اس شان سے خدا کے دربار میں قیامت کے دن حاضر ہوگا کہ عبادت وخیر کے سوا نامۂ اعمال میں ایک گناہ کا بھی اندراج نہ ہوگا۔ اس لئے نہ حساب کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ میزان عمل پر کھڑے ہونے کی۔

فرشتوں سے ارحم الراحمین ارشاد فرمائے گا اِذْهَبُوْا الْعَبْدِيْ جَنَّتِيْ بِرَحْمَتِيْ۔ (ترجمہ) میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں لے جاؤ۔

رب العزت کا یہ فرمان سن کر وہ بندہ کہے گا رحمت سے نہیں بلکہ میرے عمل سے یعنی میں نے عمل ہی ایسے کئے ہیں کہ میں جنت میں جانے کا مستحق ہوں۔

اس کی یہ بات سن کر پروردگار ع
ارشاد فرمائے گا۔ لوٹاؤ میرے بندے ک
میزان کھڑی کرو۔ اس کے ایک پلے میں
کی چار سو برس کی عبادت رکھو اور دوس
میں میری لاکھوں نعمتوں میں سے صرف ا
نعمت آنکھ رکھ دو اور دونوں کو وزن کرو
وزن کیا جائے گا تو چار سو برس کی عبادت
ایک آنکھ کی نعمت کے مقابلے میں کم ہو ج
ارشاد ہوگا اِذْهَبُوْا بِعَبْدِيْ اِ
نَارِيْ بِعَدْلِيْ۔ (ترجمہ) میرے اس
کو میرے عدل سے جہنم میں لے جاؤ۔
ہی وہ آہ و زاری کرتے ہوئے چیخ پڑ
کرائے میرے رب تو مجھے بخش د
اپنے عمل کا نہیں تیری رحمت کا سہار
ہوں میں تیرے عدل کا نہیں تیرے ک
سائل ہوں۔

اس کا تڑپنا اور بلکنا دیکھ کر خد
رحم آئے گا اور ارشاد ہوگا اِذْهَبُوْا
اِلٰی جَنَّتِيْ بِرَحْمَتِيْ۔ (ترجمہ) لے
میرے اس بندے کو میری جنت میں
رحمت و کرم ہے۔

۱۴۔ حق العبد کے سلسلے میں اعلیٰ حضر
حدیث کے حوالہ سے قیامت کے دن کا
واقعہ نقل فرمایا کہ ایک شخص کو جنت میں
کا حکم ہوگا جیسے ہی وہ جنت کی طرف
بڑھائے گا کہ ایک شخص راستہ روک کر
ہوجائے گا اور خداوند قدوس سے ع

ے میرے رب! میرے اس بھائی سے
حق دلا دے۔ حکم ہوگا اپنی نیکیاں
ے دے کر اس کا حق ادا کر۔ اس کی ساری
ں ختم ہو جائیں گی لیکن اس کا حق ہنوز
رہے گا۔

حق کے بدلے میں نیکیوں کا تناسب
کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
رشاد فرمایا کہ سو تین پیسے کے بدلے میں سات سو
با جماعت دلائی جائیں گی۔"

اس کی نیکیاں ختم ہو جانے کے بعد
دار پھر کھڑا ہوگا اور استغاثہ پیش کرے گا کہ
سے میرا حق دلایا جائے اسے حکم ہوگا کہ
دار کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر اس
ق ادا کر حق دار کے تمام گناہ ختم ہو جائیں گے
بھی اس کا حق باقی رہے گا۔

پھر وہ کھڑا ہوگا اور عرض کرے گا کہ
ے میرے رب؟ میرا حق میرے بھائی
ے دلا دے ارشاد ہوگا، اس کی تمام نیکیاں
مل گئیں، تیرے تمام گناہ اس پر لاد دیئے
۔ اب اس کے پاس کیا ہے جو اس سے
۔ عرض کرے گا اے میرے رب؟ میرا
ابھی باقی ہے۔ اس سے دلوا دے۔

تب فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جنت کا ایک
ں خوب آراستہ کر کے عرصۂ محشر میں لایا جائے
ے ہی میدان میں چاندی کی طرح چمکتا ہوا
ں لاکر رکھا جائے گا کہ سب لوگ نہایت
شتیاق کے ساتھ اسے دیکھنے لگیں گے۔
رب العزت ارشاد فرمائے گا کہ میں اس
مکان کو بیچتا ہوں کوئی ہے جو اسے خرید لے، حقدار
عرض کرے گا، بھلا اس کی قیمت کس کے پاس
ہوگی جو اسے خرید سکے گا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائے
گا کہ اس کی قیمت تیرے پاس موجود ہے؟

ارشاد ہوگا اپنے بھائی کا حق معاف کر دے
اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں چلا جا۔ وہ خوشی
سے جھومتے ہوئے اپنے بھائی کے ہمراہ جنت
میں داخل ہو جائے گا۔

۱۵۔ ایک صاحب حضور سیدنا غوث اعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مریدوں میں تھے۔ انھوں
نے نیم بیداری کی حالت میں دیکھا کہ ایک ٹیلہ
پر یاقوت کی کرسی بچھی ہے اس پر سید الطائفہ
سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف
فرما ہیں اور نیچے ایک مخلوق جمع ہے۔ ہر ایک
اپنی اپنی عرضی ان کے دستِ مبارک میں دیتا
ہے اور وہ اسے بارگاہ رب العزت میں پیش
کرتے ہیں۔

یہ صاحب بھی اسی ہجوم میں شامل
ہیں لیکن بالکل خاموش کھڑے ہیں۔
حضرت نے انھیں اس حال میں دیکھا تو ارشاد
فرمایا۔ ھَاتِ اَعرِضْ قِصَّتَکَ لاؤ میں تمہاری
عرضی بھی بارگاہِ رب العزت میں پیش کر دوں۔
انھوں نے فوراً عرض کیا اَوَشَیْخِی عَزَلُوہ۔
کیا میرے شیخ کو معزول کر دیا گیا۔ فرمایا وَاللّٰہِ
مَا عَزَلُوہُ وَلَنْ یَعْزِلُوہ۔ خدا کی قسم
نہ ان کو معزول کیا اور نہ کبھی انھیں معزول
کریں گے۔

یہ سننے کے بعد مرید سعید نے عرض
کیا تو پھر میرا شیخ میرے لئے بہت کافی ہے۔
آنکھ کھلی تو فوراً دربارِ غوثیت میں حاضر ہوئے
تاکہ واقعہ عرض کریں۔ قبل اس کے کہ سرکار
میں کچھ عرض کرتے حضور نے دیکھتے ہی ارشاد
فرمایا ھَاتِ اَعرِضْ قِصَّتَکَ لاؤ میں خود
تمہاری عرضی بارگاہِ رب العزت میں پیش
کر دوں۔

یہ واقعہ بیان کر کے اعلیٰ حضرت نے
ارشاد فرمایا کہ کیا کہنے ہیں غوثیت مآب کے کہ ؎

ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند

پھر فرمایا کہ جب تک مرید یہ اعتقاد
نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیائے زمانہ سے میرے
لئے بہتر ہے، نفع نہ پائے گا۔

احادیث کریمہ

قصص و حکایات کے اقتباسات کے
بعد اب ملفوظات کے سینکڑوں صفحات پر
ذخائر احادیث کے منتخبات ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی حدیث:۔ حضور اکرم سید عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اُغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُسْتَمِعًا
اَوْ مُحِبًّا وَّلَا تَکُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِکَ ٥

(ترجمہ) یعنی صبح اس حال میں کر کہ
تو خود عالم ہو، یا سیکھتا ہو، یا علماء کی زبان سے
دین کی باتیں سنتا ہو یا تیرے اندر یہ خوبیاں
نہ پیدا ہو سکیں تو کم از کم اتنا کر کہ تو اہل علم
سے محبت کرتا ہو، دنیا اور آخرت کی سعادت
الٰہی چار چیزوں میں منحصر ہے پانچواں مت

بنتا کہ اس میں تیرے لئے ہلاکت ہے۔ یعنی اپنی ایسی حالت مت بنا کہ نہ خود عالم بنے، نہ علم سیکھے نہ علماء کی باتیں سنے اور نہ ان سے محبت کرے۔

دوسری حدیث:- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ یا کسی بیمار کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا مولیٰ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے اسے اس بیماری یا اس مصیبت سے محفوظ رکھے وہ دعا یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ۝

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں اس دعائے مبارکہ کے سینکڑوں تجربات کئے، جب بھی کسی مبتلا کو دیکھ کر میں نے یہ دعا پڑھی بفضلہ تعالیٰ اس ابتلا سے تاحیات محفوظ رہا۔

تیسری حدیث:- ایک صحابی سیدِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی ہے۔ یعنی میں افلاس و تنگدستی کا شکار ہو گیا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمھیں تسبیح ملائکہ یاد نہیں ہے جس کی برکت سے روزی دی جاتی ہے تم طلوعِ فجر کے ساتھ سو بار وہ تسبیح پڑھ لیا کرو۔ دنیا تمھارے قدموں میں ذلیل و خوار ہو کر آئے گی۔ وہ تسبیح یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۝

چوتھی حدیث:- قیامت کے دن ایک شخص حساب کے لئے بارگاہ رب العزت میں جائے گا۔ اس سے سوال ہو گا دنیا سے کیا لایا؟ جواب دے گا فرض نمازوں کے علاوہ میں نے اتنے نوافل پڑھے فرض روزوں کے علاوہ میں نے اتنے نفلی روزے رکھے۔ زکوٰۃ کے علاوہ میں نے اتنے صدقات و خیرات کئے، حج فرض کے علاوہ میں نے اتنے نفلی حج کئے۔

جب وہ سارے حسنات و عبادات بیان کرلے گا تو رب العزت اس سے ارشاد فرمائے گا۔

هَلْ وَالَیْتَ لِیْ وَلِیًّا وَعَادَیْتَ لِیْ عَدُوًّا ۝

(ترجمہ) کبھی میرے دوستوں سے محبت بھی کی اور کبھی میرے دشمن کو اپنا دشمن گردانا۔

یعنی میری رضا اور خوشنودی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے کیونکہ روزہ رکھ لینا، نماز پڑھ لینا، زکوٰۃ دے لینا اور حج کر لینا آسان ہے لیکن صرف خدا اور رسول کے لئے کسی سے رشتہ توڑ لینا اور کسی سے رشتہ جوڑ لینا بہت مشکل ہے۔

پانچویں حدیث:- حضور اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ شب میں اپنے اصحاب کے مشاغل کا معائنہ فرماتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گزر فرمایا دیکھا کہ وہ تہجد کی نماز میں بہت دھیمی آواز [سے] قرآن کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تشریف لے گئے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ بہت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ وہ متعدد جگہوں سے قرآن کی متفرق آیتیں پڑھ رہے ہیں۔

صبح کو ہر ایک سے اس کے انداز تلاو[ت] کی وجہ دریافت فرمائی۔ صدیق اکبر [نے] بیان کیا یا رسول اللہ اَسْمَعْتُ مَنْ اُنَاجِیْهِ۔ میں اس ذات کو سنا رہا تھا جس کے ساتھ میں مناجات میں مشغول تھا۔

حضرت فاروق اعظم نے عرض کی یا رسول اللہ اُطْرِدُ الشَّیْطَانَ وَاُوْقِظُ الْوَسْنَانَ۔ میں بلند آواز سے قرآن پڑھ کر شیطان بھگاتا ہوں اور سوتوں کو جگاتا ہوں۔

حضرت بلال نے بیان کیا کَلَامٌ طَیِّبٌ یَجْمَعُ اللّٰهُ بَعْضَهٗ مَعَ بَعْضٍ۔ پاکیزہ کلام ہے کہ اللہ اس کے بعض کو بعض کے ساتھ ملاتا ہے۔

سب کا بیان سننے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا۔ كُلُّكُمْ قَدْ اَصَابَ۔ تم سب میں ہر ایک کا عمل ٹھیک ہے۔

مگر اے صدیق تم قدرے اپنی آوا[ز]

بلند کرو۔ اور اے فاروق تم قدرے پست کرو اور اے بلال تم ایک سورت ختم کرلو تب تب دوسری سورت کی طرف چلو۔

چھٹی حدیث:۔ ایک دن ایسا ہوا کہ نماز کی اقامت ہوئی۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ فرمانا ہی چاہتے تھے کہ دفعۃً صحابۂ کرام کو ارشاد فرمایا۔ عَلٰی رِسْلِکُمْ۔ تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ یہ فرماکر کاشانۂ اقدس کے اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا آج تقسیم کرتے کرتے تین دینار بچ گئے تھے اچانک ابھی یاد آیا کہ وہ گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر رات گزر جائے اس لئے میں انھیں جاکر صدقہ کر آیا۔

ساتویں حدیث:۔ حضرت مولائے کائنات سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں! اَلْاَعْدَاءُ ثَلٰثَةٌ عَدُوُّكَ وَعَدُوُّ صَدِيْقِكَ وَصَدِيْقُ عَدُوِّكَ۔ دشمن تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تیرا اپنا دشمن، دوسرا تیرے دوست کا دشمن، اور تیسرا تیرے دشمن کا دوست۔

یونہی خدا کے دشمنوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک اس کے اصل دشمن جیسے کفار و مشرکین، دوسرے اس کے محبوبوں کے دشمن جیسے اس وقت کے منافقین اور آج کے وہابیہ تیسرے اس کے دشمنوں میں سے کسی کے دوست۔

آٹھویں حدیث:۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ اور البتہ قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اس پر حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِذًا لَّا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِىْ فِى النَّارِ۔ ایسا ہے تو میں اس وقت تک راضی ہی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کے سارے افراد جہنم سے آزاد نہیں ہو جائیں گے۔

نویں حدیث:۔ ایک حدیث خاص رافضیوں (شیعوں) کے بارے میں وارد ہوئی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

يَاْتِىْ قَوْمٌ لَّهُمْ نَبَزٌ يُقَالُ لَهُمُ الرَّافِضَةُ لَا يَشْهَدُوْنَ جُمُعَةً وَّلَا جَمَاعَةً وَّيَطْعَنُوْنَ عَلَى السَّلَفِ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوْهُمْ وَاِذَا مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِذَا مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ ۝

(ترجمہ) ایک قوم آنے والی ہے ان کا ایک برا لقب ہوگا۔ انھیں رافضی کہا جائے گا۔ وہ نہ جمعہ میں حاضر ہوں گے نہ جماعت میں اور سلف صالحین کو برا کہیں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا، نہ ان کے ساتھ کھانا اور نہ ان سے شادی کرنا۔ اور بیمار پڑجائیں تو نہ انھیں پوچھنے جانا اور مرجائیں تو نہ ان کے جنازے میں شریک ہونا۔

دسویں حدیث:۔ ایک صاحب حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی۔ ارشاد فرمایا۔ مَا لِىْ اَرٰى فِىْ يَدِكَ حِلْيَةَ الْاَصْنَامِ۔ کیا ہوا کہ میں تمہارے ہاتھوں میں بتوں کا زیور دیکھتا ہوں۔

انھوں نے فوراً اتار دی۔ دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے مَا لِىْ اَرٰى فِىْ يَدِكَ حِلْيَةَ اَهْلِ النَّارِ۔ کیا ہوا کہ میں تمہارے ہاتھوں میں دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں۔

یہ سنتے ہی انھوں نے اتار کر پھینک دیا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟

ارشاد فرمایا۔ اِتَّخِذْهُ مِنَ الْوَرِقِ وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالًا۔ چاندی کی بناؤ اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رکھو (یعنی ساڑھے چار ماشے تک کی)

گیارھویں حدیث:۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا تَمَارَضُوْا فَتَمْرَضُوْا۔ بہ تکلف بیمار نہ بنو کہ حقیقۃً بیمار ہو جاؤ گے۔

دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ سخت وعید ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں لَا تَمَارَضُوْا فَتَمْرَضُوْا فَتَمُوْتُوْا فَتَدْخُلُوا النَّارَ۔ جھوٹے بیمار مت بنو کہ سچے بیمار ہو جاؤ گے

اور اگر مر گئے تو جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔

بارھویں حدیث:- حدیث میں ہے ایک بار سیدنا جبریل علیہ السلام حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دوسرے دن حاضر ہونے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ دوسرے دن حضور پاک صاحب لولاک کو ان کی آمد کا انتظار رہا۔ جب ان کے آنے میں دیر لگی تو حضور باہر تشریف لائے۔

دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت جبریل باہر دروازے پر کھڑے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو اندر کیوں نہیں آتے۔ حضرت جبریل نے عذر پیش کیا کہ اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ اَوْ تَصَاوِیْرُ؀ رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں داخل ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ ہر طرف تلاش کیا کچھ نہیں ملا۔ دیکھا تو چارپائی کے نیچے کتے کا ایک بچہ بیٹھا ہوا تھا اسے باہر نکالا حضرت جبریل علیہ السلام اندر تشریف لے گئے۔

تیرھویں حدیث:- حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا ظهرت الفتن أو قال البدع ولا يظهر العالم علمه فعليه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا ۝

ترجمہ:- جب فتنے ظاہر ہوں یا ہر طرف بدمذہبی پھیلنے لگے اور ایسے موقع پر عالم دین اپنا علم ظاہر نہ کرے یعنی اپنی کسی مصلحت یا مفاد کی لالچ میں خاموش رہے تو اس پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ اس کی نفل۔

چودھویں حدیث:- حدیث ہے کہ ایک دن حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے دریافت فرمایا۔ کَیْفَ اَصْبَحْتَ تم نے صبح کس حال میں کی۔ انھوں نے جواب دیا اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا ایک سچے مومن کی حالت میں میں نے صبح کی۔

پھر حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہر دعویٰ کی ایک دلیل ہوتی ہے جس سے اس دعوے کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ تمہارے پاس اپنے دعوے کی سچائی کے لئے کوئی دلیل ہوتی پیش کرو جو تمہارے سچے مومن ہونے کی کیفیت کو ثابت کرے۔

انھوں نے بیان کیا کہ میں نے اس حال میں صبح کی کہ عرش سے تحت الثریٰ تک جملہ موجودات عالم میرے پیش نظر ہیں۔ اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت کے باغوں میں عیش کر رہے ہیں اور یہیں سے جہنمیوں کی وہ لرزہ خیز چیخیں سن رہا ہوں جو دردناک عذاب کے نتیجے میں ہر وقت بلند ہو رہی ہیں۔

یہ سن کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اطمینان رکھو تم منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

پندرھویں حدیث:- حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ صَدَقَۃُ السِّرِّ تَدْفَعُ مِیْتَۃَ السُّوْءِ وَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ ۝ چھپا کر صدقہ دینا آدمی کو بری موت سے بچا لیتا ہے اور خداوند تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ زندگی میں اپنے واسطے صدقہ کرنا موت کے بعد کے صدقے سے افضل ہے ارشاد فرمایا۔ اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اَنْ تَصَدَّقَ وَ اَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَاْمُلُ الْغِنٰی وَ تَخْشَی الْفَقْرَ وَ لَا تُمْھِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ کَذَا وَ لِفُلَانٍ کَذَا۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو اس حال میں خرچ کرے جب تو تندرست اور مال پر حریص ہو۔ دولت کی خواہش رکھتا ہو اور محتاجی سے ڈرتا ہو اس وقت کا صدقہ کسی کام کا نہیں جب کہ دم گلے میں آ کر اٹک گیا ہو اور تو وصیت کرے کہ اتنا فلاں کو دینا اور اتنا فلاں کو دے دینا۔

فقہی مسائل

کھانے کا مسنون طریقہ

داہنا پاؤں کھڑا ہو اور بایاں بچھا ہو اور روٹی بائیں ہاتھ میں لے کر داہنے ہاتھ سے توڑنا چاہیے۔ روٹی ایک ہاتھ سے توڑ کر کھانا اور دوسرا ہاتھ نہ لگانا متکبرین کی

...ورت ہے۔

...مد کو میاں کہنا منع ہے

اردو زبان میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں ان میں سے دو معنی ایسے ہیں جو شان الوہیت کے قطعاً خلاف ہیں اور ان معانی سے خدا کی ذات بالکل پاک اور منزہ ہے۔ ...تہ ایک معنی ایسا ہے جس کا اطلاق خدا کی ذات پر ہو سکتا ہے لہٰذا جب "میاں" کا لفظ دو خبیث معنوں اور ایک اچھے معنی میں مشترک ٹھہرا اور شرع شریعت میں وہ وارد بھی نہیں ...تو ذات باری تعالیٰ پر اس کا اطلاق ممنوع ...گا۔ اس کے معنی "مولیٰ" کے ہیں۔ بلا شبہ ...معنی کا اطلاق اس کی ذات پر صحیح ہے۔ اور ...رے معنی "شوہر" کے ہیں جب کہ تیسرے ...نی دلال (زنا کا دلال) جو زانیہ اور زانی کے درمیان رابطہ قائم کرے اور اس میں ...کوئی شک نہیں کہ خدا کی ذات ان دونوں ...انی کے مصداق سے پاک اور منزہ ہے۔

...س طرح کے گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں

جس گناہ میں صرف حق اللہ ہو حق العبد ...ہو وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا۔ لیکن ...گناہ جس میں حق العبد بھی شامل ہو جب تک ...والے سے نہ معاف کرائے صرف توبہ سے ...اف نہ ہوں گے۔

زنا میں بعض وقت عورت کا بھی حق ہوتا ...جب کہ جبراً اس کے ساتھ یہ فعل کیا جائے اور اس کے باپ، بھائی شوہر جس جس کو اس خبر سے عار لاحق ہو ان سب کا حق ہے جب تک وہ بھی معاف نہ کر دیں۔ صرف توبہ سے گناہ معاف نہ ہوگا۔ اب یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ ان لوگوں سے کن لوگوں میں معافی مانگنی چاہئے۔ بعض علمائے کرام کا کہنا ہے کہ چھپے ڈھکے الفاظ میں ان سے مانگے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ صاف لفظوں میں ان سے معافی مانگنی ہوگی کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے معافی چاہتا ہوں۔ جمہور علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

نکاح کی ولایت

لڑکی اگر نابالغ ہو تو اس کے نکاح کا ولی باپ ہے، باپ کے بعد دادا، اور دادا نہ ہو تو بھائی اور بھائی نہ ہو تو بھتیجا اور بھتیجا نہ ہو تو چچا پھر چچا زاد بھائی۔

باپ کو صرف نکاح کی ولایت حاصل ہے طلاق کی نہیں یعنی باپ اگر اپنے نابالغ لڑکے کی طرف سے اس کی بیوی کو طلاق دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ باپ نکاح کرا دینے کا مالک ہے کہ وہ نفع ہے طلاق کا نہیں کہ وہ ضرر ہے۔

قضا نمازیں کس طرح ادا کی جائیں

قضا نمازیں جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہیں۔ نہ معلوم کس وقت موت ہو جائے۔ قضا صرف فرض نمازوں اور وتر کی ہے جن کی یومیہ تعداد بیس رکعت ہے۔ جن لوگوں پر بہت سی نمازیں قضا ہوں ان کے لئے تخفیف اور جلد ادا ہونے کی صورت یہ ہے کہ آخر کی دو یا ایک رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بجائے صرف تین بار سبحان اللہ پڑھ لے۔ اور رکوع وسجود میں صرف ایک ایک سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ اور التحیات کے بعد درود ماثورہ اور دعائے استغفار کے بجائے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ۔ اور وتروں کی قضا میں بجائے دعائے قنوت کے رَبِّ اغْفِرْلِیْ پڑھ لینا کافی ہے۔

قضا نمازوں کی نیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی اس کی نیت کرتا ہوں، سب سے پہلے ظہر یا مغرب یا عشا کی جو نماز مجھ سے قضا ہوئی اس کی نیت کرتا ہوں اس وقت تک پڑھتا رہے جب تک کہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ ایک نماز بھی اب اس کے ذمہ باقی نہیں ہے کیونکہ جب تک فرض ذمہ باقی رہتا ہے کوئی نفل قبول نہیں کیا جاتا۔

عمامہ کے ساتھ نماز پڑھانے کی فضیلت

عمامہ کے ساتھ ایک نماز بغیر عمامہ کے ستر نمازوں کے برابر ہے۔

زمانۂ عدت میں نکاح پڑھانے کی برائی

طلاق کی عدت کے ایام میں نکاح کا پیام دینا بھی حرام ہے جس نے دانستہ عدت میں کسی کا نکاح پڑھایا ہے اور اگر حلال جان کر پڑھایا

تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ یہی حکم اس نکاح میں شریک ہونے والوں کا بھی ہے۔

تعظیم و توہین کا معیار

تعظیم و توہین عرف پر مبنی ہے۔ ایک چیز ایک زمانہ میں تعظیم و توہین ہوتی ہے دوسرے زمانہ میں نہیں اسی طرح ایک چیز ایک جگہ تعظیم و توہین سمجھی جاتی ہے دوسری جگہ نہیں اس لئے جگہ اور وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تعظیم و توہین کے احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔

طلاق کب واقع ہوتی ہے

کوئی شخص دل میں اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی جب تک طلاق کے الفاظ اتنی آواز سے نہ کہے کہ کوئی مانع موجود نہ ہو تو خود اس کے کان سن لیں۔

حد قذف کہاں کہاں جاری ہوتی ہے

جس طرح شریعت میں زانی کے لئے سزا مقرر ہے اسی طرح اس شخص کے لئے بھی سزا مقرر ہے جو کسی پر زنا کا جھوٹا بہتان لگاتا ہے۔ جب تک کہ چار عینی گواہوں سے وہ الزام ثابت نہیں کر دیتا وہ قاذف کہلائے گا اور اس پر حد قذف جاری کی جائے گی کسی کو حرامی کہنا یا کسی لڑکی کو حرامزادی کہنا، یا بیٹی بہن کے ساتھ وہ برا لفظ بھی قذف ہی کے دائرے میں آتا ہے۔

ماہنامہ حجاز جدید دہلی

نوکر اگر نماز نہ پڑھے تو آقا پر مواخذہ ہے

جس طرح شریعت کی طرف سے والدین پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نماز کا پابند بنائیں اور ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہونے کی صورت میں ان پر مواخذہ ہے اور قیامت کے دن اس جرم میں بھی پکڑے جائیں گے کہ انھوں نے اپنی اولاد کو نماز کے لئے تاکید کیوں نہیں کی اسی طرح اگر کسی کے پاس کوئی مسلمان نوکر ہے تو آقا کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے اپنی حد بھر نماز پڑھنے کی تاکید کرے اگر آقا اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوا تو اس پر بھی مواخذہ ہے اور وہ بھی قیامت کے دن پکڑا جائے گا۔

مرنے کے بعد شوہر اور بیوی کے احکام

بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اس کے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ہاتھ میں کپڑا وغیرہ لپیٹ کر چھو سکتا ہے۔ اسے کاندھا بھی دے سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔ لیکن عورت کو بغیر کسی شرط کے اپنے مرحوم شوہر کو چھونے کی اجازت ہے۔

مرنے کے بعد مصنوعی دانت کا حکم

مرنے کے بعد مصنوعی دانت نکال لینا چاہیے بشرطیکہ نکالنے میں کوئی تکلیف نہ ہو اور اگر تکلیف ہو تو نہ نکالے۔ اور اس کے ٹوٹے ہوئے اصلی دانت کفن میں رکھ دینا چاہیے۔

جنازہ کی نماز کے اوقات

جنازہ اگر طلوع آفتاب یا ز[illegible] آفتاب کے وقت آیا یا عصر کی نماز کے بعد آیا [illegible] پڑھ سکتا ہے اور اگر جنازہ پہلے [illegible] لاکر رکھا ہوا ہے تو جب تک آفتاب [illegible] ہو جائے یا طلوع ہونے کے بعد بلند نہ [illegible] نہ پڑھے۔

شراب کی حرمت

شراب کی حرمت نجاست کی وجہ [illegible] صرف نشہ آور ہونے کے سبب نہیں۔ کیو[illegible] پیشاب کی طرح نجس ہے شراب ایک قط[illegible] کوئیں میں اگر جائے تو سارا کنواں نجس ہو[illegible]

مفتی اعظم ہند

استقامت کا جبلِ عظیم

حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی، جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف

قرآن کریم نے قیامت تک کے لئے دنیوی اور اخروی صلاح وفلاح کے لئے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری ولازمی قرار دیا ہے اس اطاعت واتباع کے بغیر خوش بختی وفیروز مندی اور نجات وکامرانی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ اطاعت تعمیل احکام اور اتباع پیروی افعال کا نام ہے بلفظ دیگر اطاعت کا تعلق اقوال سے ہوتا ہے اور اتباع کا افعال سے مثلاً میں نے کوئی حکم دیا آپ نے اس کی تعمیل کی یہ ہے اطاعت۔ اور میں نے کوئی عمل کیا آپ نے اس کی پیروی کی یہ ہے اتباع۔ اور جب کہ تا قیامت خدائی قانون میں نجات ومغفرت کے لئے رسول کریم کی اطاعت واتباع لازم ہے تو ضروری ہوا کہ تا قیامت رسول کریم کے اقوال وافعال کی حفاظت کی جائے بحمدہ تعالیٰ رب کریم نے رسول کریم کے اقوال وافعال کی حفاظت کو اپنے ذمۂ کرم میں رکھا ہے۔ لہٰذا اب قیامت تک نہ تو رسول کریم کے اقوال کو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ آپ کے افعال کو فنا کیا جاسکتا ہے۔ اقوال کی حفاظت کے لئے ابتداءً بے شمار قوی الحافظہ اذہان کا انتخاب فرمایا گیا اور پھر اذہان کے ساتھ ساتھ لاتعداد دیانتداروں اور تقویٰ شعاروں کی تحریر کردہ کتابوں کے اوراق کو یہ امانت سپرد کردی گئی۔ بلکہ قدرت کاملہ نے چاہا تو اغیار کے اذہان اوران کی کتابوں کے اوراق کو بھی اقوال رسول کی حفاظت کا ذریعہ بنادیا ہے۔ رہ گئے افعال تو اذہان نہ ان کا محل بن سکتے ہیں اور نہ انھیں اوراق کتاب میں پابند کیا جاسکتا ہے۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے افعال کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے اوراق میں جو کچھ ملتا ہے وہ صرف راویوں کے اقوال ہیں نہ کہ رسول کریم کے افعال۔ افعال کا محل اوراق نہیں بلکہ کردار ہے۔ رب کریم نے نبی کریم کے افعال اور اعمال کی حفاظت ہر دور میں بیشمار نفوس قدسیہ والوں کے کرداروں میں فرمائی ہے۔ خود نبی کریم کا صحابہ کرام کو نجوم ہدایت بتانا اوران کی اقتدار پر ابھارنا، اپنے اہل بیت سے تمسک کو ضروری قرار دینا اور اپنی امت کے علماء کو نجوم ہدایت اور اپنا وارث قرار دینا واضح کررہا ہے کہ صرف کتابی اوراق ہدایت کے لئے کافی نہیں وہاں صرف اقوال ملیں گے اقوال کی عملی تشریح نہیں ملے گی۔ لیکن وہ نفوس قدسیہ والے جن کی محفل میں بیٹھنے سے رسول کریم کی محفل میں بیٹھنے کا اجر ملے گا جن سے مصافحہ کرنے سے نبی کریم سے مصافحہ کرنے کا ثواب حاصل ہو، جن کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی یہ شان ہو گویا اس نے نبی کریم کی اقتدار کی جن کا چہرہ دیکھیں تو نبی کریم کا چہرہ یاد آجائے المختصر جن کا ہر فعل اور ہر عمل نبی کریم کے فعل وعمل کے سچی تصویر ہو۔ یہ وہ ہیں جو ہدایت کا کامل ومکمل ذریعہ ہیں۔ ان کی زبان سے رسول کریم کے افعال سنو اوران کے کردار میں رسول کریم کے افعال دیکھو۔

ہر دور میں ان نورانی تصویروں کا وجود ضروری ہے تاکہ واضح ہوتا رہے کہ ہر دور میں خواہ وہ کتنا ہی پر آشوب کیوں نہ ہو اسلام پر اس کے جملہ تعینات و تشخصات کے ساتھ عمل کیا جا سکتا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ عمل نہ کریں تو یہ خود ان کی غفلت و سرکشی ہے اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ اسلام اب نا قابل عمل ہو چکا ہے۔

۱۔ اسی نورانی سلسلے کی ایک نورانی تصویر ہے وہ عظیم المرتبت ہستی جو دانشوران وقت اور فقیہان عہد کی محفلوں میں بھی حضور مفتی اعظم ہند کے نام سے معروف و متعارف ہے جس کی زبان اقوال رسول کے موتی لٹاتی رہی اور جس کا کردار افعال رسول کی تجلیاں دکھاتا رہا۔

بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین واذعان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم کے اقوال سنے اسی یقین واذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم ہند کو دیکھنے والے کو یہ حق ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم کی چلتی پھرتی سچی تصویر دیکھی۔

فرائض وواجبات و موکدات کو رہنے دیجئے جو ہستی مباحات و فطری خواہشات میں بھی رسول کریم کی اطاعت و اتباع سے سرمو متجاوز نہ ہو وہ رسول کریم کی سچی تصویر اور افعال رسول کی حفاظت کا پیکر نور نہیں تو اور کیا ہے؟

۲۔ واللہ یعصمک من الناس۔

اے محبوب اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا۔

آیت کریمہ کا عموم لفظ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی حفاظت اس کے دائرہ مفہوم میں آجائے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر نبی کی دو زندگی ہے ایک ظاہری جسمانی زندگی دوسری اس کی پیغمبرانہ زندگی۔ ہر نبی اپنی جسمانی زندگی کے لحاظ سے آج بھی زندہ ہے مگر آج کسی نبی کا پیغام اپنی اصلی شکل و صورت میں باقی نہیں رہ گیا۔ اب اگر کسی کے پیغام کا کوئی حصہ باقی ہے تو ہمارے نبی کے پیغام کا جز بن کر۔ مگر یہ ہمارے نبی کی خصوصیت ہے کہ رب کریم نے اگر ایک طرف آپ کو دشمنوں کے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھا اور اس بات سے بے نیاز کر دیا کہ آپ اپنے ساتھ کوئی حفاظتی دستہ لے کر چلا کریں اور پھر عالم برزخ میں آپ کی حیات ظاہری کی حقیقت کو بھی باقی رکھا۔ تو دوسری طرف۔ قیامت کے لئے پیغام کی بھی حفاظت کو ذمۂ کرم میں لے لیا۔

المختصر نہ لوگ رسول کریم کی ذات کو نقصان پہنچا سکے نہ پیغام کو۔ اور نہ قیامت تک پہنچا سکیں گے۔ خدائے عزوجل دونوں کی حفاظت فرمانے والا ہے ہاں! حفاظت کے ذرائع مختلف رہے ہیں۔ جب منکرین زکوٰۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر کے ذریعہ پیغام رسول کی حفاظت فرمائی۔ قیصر و کسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی۔ فاروق اعظم کے ذریعہ۔ یوں ہی۔ جب خوارج نے قرآنی آیات کے مفاہیم کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی تو خدا نے پیغام مصطفوی کی حفاظت فرمائی۔ مولائے کائنات کے ذریعہ اسی طرح جب یزید نے سرکشی کا سر اٹھایا تو خدا نے اپنا دین بچایا۔ حسین بن علی کے ذریعہ۔ ایسے ہی۔ جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل و صورت کو بچایا۔ امام احمد بن حنبل کے ذریعہ۔ یوں ہی۔ جب شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا مجدد الف ثانی کے ذریعہ۔ اسی طرح جب وہابیت وقادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا امام احمد رضا کے ذریعہ۔

یہ چند باتیں بطور مثال تحریر کی گئیں ہیں۔

رب کریم نے ہر عہد میں دین کی حفاظت کے بے شمار ذرائع بنائے اور تاقیامت بناتا رہے گا۔ ابھی چند روز کی بات ہے ایمر جنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم و جور کی حد کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریے کے منوانے کے لئے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ۔ اس جور و ستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہو گئیں بلکہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت پر اتر آئے کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے ایسے خوف و ہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم ہند کے ذریعہ جنھوں نے اندیشہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا۔ اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا۔ چونکہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ

ورسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لیے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکا۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کے جرأت مندانہ اقدام نے دین مصطفےٰ کو بچالیا۔ جس سے دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ مصطفےٰ رضا قادری کا نام ہے دین محمدی کی حفاظت کے لیے انتخاب کا۔

۲۔ عرصہ ہوا کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ کہیں امساک باراں کے سبب بہت زبردست قحط پڑا لوگ نماز استسقاء پڑھتے رہے۔ اور اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتے رہے۔ ایک روز سب نماز استسقار کے لیے جمع ہوئے تھے کہ ایک درویش کو آتے دیکھا لوگ اس سے دعا کے ملتجی ہوئے اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ "اے اللہ میں تجھے اس امانت کا واسطہ دیتا ہوں جو میری نگاہوں میں ہے تو بارش فرمادے" اتنا کہنا تھا کہ ابر چھا گئے اور جھوم جھوم کے برسا۔ قحط دور ہو گیا۔ ہر طرف شادابی و سرسبزی چھا گئی۔ حاضرین میں سے ایک شخص اس درویش کے پیچھے لگ گیا یہاں تک کہ اس کی جھونپڑی تک پہنچ گیا اور اس سے سوال کیا کہ آخر وہ امانت کونسی ہے جو آپ کی آنکھوں میں ہے اور جس کے واسطے سے آپ نے دعا کی تو رب کریم نے قبول فرمائی۔

درویش نے کہا کہ میں نے ان آنکھوں سے بایزید بسطامی کو دیکھا ہے ان کی صورت خدا کی امانت ہے جسے میں نے نگاہوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔

اس حکایت کو سن کر مجھے بھی اپنی فیروز بختی پر ناز کرنے دیجیے کہ میرے حاسہ بصر میں بھی کچھ نورانی صورتیں ہیں۔ ان تصویروں میں حضور مفتیٔ اعظم ہند کی تصویر کی تابناکی آپ اپنی مثال ہے۔ حضور مفتیٔ اعظم کو میں نے بہت قریب سے دیکھا۔ کئی کئی دن تک ہمرکابی کا شرف بھی حاصل رہا۔ غریبوں کی جھونپڑی میں دیکھا۔ رئیسوں کے ایوانوں میں دیکھا۔ مارہرہ شریف کی خانقاہ میں دیکھا۔ بریلی شریف کی دانش گاہ میں دیکھا۔ بریلی شریف میں ان کا مہمان رہا تو کچھوچھہ شریف میں میزبانی کا بھی شرف حاصل کیا۔

المختصر بار بار زیارت کی سعادت حاصل ہوتی رہی اور ذہن میں آپ کی نورانی صورت کا رنگ گہرا ہوتا رہا۔

حضور مفتیٔ اعظم کو دیکھنے والو! خدائی امانت کے امین ہونے پر مجھ سے دلی مبارکباد لو۔ مگر خبردار، ہوشیار اس تصویر کی عظمت کو داغ نہ لگنے پائے۔

تم خوب جانتے ہو کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند اس گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اپنے دل و دماغ کو غیر شرعی تصورات سے پاک وصاف رکھو تاکہ یہ تصویر ہمیشہ بہشت فکر و نظر بنی رہے۔ یہ امانت خداوندی غیر شرعی خیالات کے ساتھ کب تک رہ سکے گی۔ رفتہ رفتہ تمھیں اس سے محروم کردیا جائے گا اور پھر کف افسوس ملنے کے سوا تمھارے پاس کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔ غور تو کرو جس کمرے میں کعبہ و گنبد خضرا کی تصویریں آویزاں ہوں کیا یہ مناسب ہے کہ اس میں بتوں یا صنم کدوں کے نقشے لٹکائے جائیں۔

۴۔ اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ صِرَاطَ الَّذِینَ انعمت علیہم۔

اس آیت کریمہ میں صراط مستقیم پر چلنے کی دعا تعلیم فرمائی گئی ہے۔ نیز یہ واضح کیا گیا ہے کہ صراط مستقیم وہی راستہ ہے جس پر انعام والے چلتے ہیں۔ یہاں انعام سے وہ مخصوص انعام مراد ہے جس سے انبیار کرام صدیقین، شہدار اور صالحین سرفراز فرمائے گئے۔ مجھ سے مت پوچھیے کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند پر رب کریم کی مخصوص نوازشات کا عالم کیا تھا؟ جس کا باپ امام احمد رضا ہو وہ امام احمد رضا جسے عارفین غوث اعظم کی روشن کرامت رسول اعظم کا عظیم معجزہ اور قادر مطلق کی قدرت کاملہ کی بہترین نشانی قرار دیتے ہوں۔ جس کا بھائی حسن صورت و جمال سیرت اور کمال علم و فضل کا وہ پیکر نور ہو کہ دنیا اسے "حجۃ الاسلام" کہہ کر بھی شرمندہ رہی کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جس کا بھتیجا آج تک مفسر اعظم ہند کے نام سے جانا جاتا ہو۔

جس کا پیر شیخ الشیوخ، نور الانوار سید السادات آیت ربانی، سر الٰہی آسمان طریقت کا نیر اعظم اور شاہ برکات کے انوار و برکات کا امین ہو۔ یہ پیکر نوری خود بھی نوری کہلایا اور حضور مفتیٔ اعظم کو بھی نوری بنا گیا۔

ایک طرف رکھ دو ان انتسابات کی

عظمتوں کو اور خود اس عظیم ممدوح کے کمال و جمال پر غور کرو علم و دانش کی وہ کونسی محفل ہے جس کا وہ تاجدار نہیں تھا؟ تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، شرافت و کرامت، مجاہدہ و ریاضت، اصابت و استقامت ذکاوت و فراست کی وہ کونسی شاہراہ ہے جہاں اس کے نقوش قدم نہیں ملتے؟

ہمارا ممدوح خلقاً خُلقاً منطقاً اپنے باپ کی سچی تصویر تھا۔ الولدُ سرٌّ لابیہ کی ایسی بے داغ تفسیر آسانی سے دیکھنے کو نہیں ملتی۔ آج خوارق عادات کو معیار بنا کر لوگوں کے مقامات کے تعین کی وبا عام ہو چکی ہے حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ ان لوگوں کے مقامات کے عرفان کے ذریعہ ان سے ظاہر ہونے والے خوارق عادات کے مقام کو متعین کیا جاتا۔ خرق عادت تو کسی کے ایمان کی بھی دلیل نہیں پھر اسے کسی کے متقی ہونے کی دلیل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے ہمارے ممدوح کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر اس کی استقامت ہے۔

وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آ سکی۔

حضور مفتیٔ اعظم کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے :۔

"ھٰذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع"

یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لئے اتباع کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ کسی پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے۔ مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین سند المحققین سرآمد علماء و صوفیاء سراج خانوادۂ اشرفیہ تھا بلکہ خود حضور مفتیٔ اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت و محبت اور لازوال نیاز مندیوں کا قبلہ و کعبہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتیٔ اعظم ہند کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے ——— پر اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔

ہم اس عظیم فرد کے فضل و کمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی "عالم مطاع واجب الاتباع" قرار دے۔ یہ دلیل ہے کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند کی اتباع عین اتباع رسول تھی۔ ورنہ اسے محدث اعظم ہند جیسا فقیہ و محدث واجب قرار نہ دیتا۔ عشق رسول کے سمندر میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے والے حضور مفتیٔ اعظم ہند کے لئے آل رسول فرزند بتول کی یہ عظیم شہادت کیا کچھ کم اہمیت رکھتی ہے۔ بریلی شریف کے افق سے اٹھنے والا یہ سحاب رحمت اٹھا اور اٹھتا ہی چلا گیا۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ پھیلا اور پھیلتا ہی چلا گیا۔ برسا اور برستا ہی چلا گیا۔ دین و دیانت اور علم و دانش کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ امام احمد رضا کی آواز مفتیٔ اعظم کی شکل میں ہند و بیرون ہند کے لاتعداد شہروں اور بیشمار قریوں میں پہنچی۔ وہ کنواں نہ تھے کہ لوگ وہاں جا کر پیاس بجھاتے بلکہ وہ بادل تھے ہر جگہ خود ہی جا کر برس آتے۔ اپنوں پر برسے غیروں پر برسے، پہاڑوں پر برسے، وادیوں پر برسے، صحراؤں پر برسے، شہروں پر برسے، ایوانوں پر برسے، جھونپڑیوں پر برسے، یہی وجہ ہے کہ۔

جب وہ نگاہوں سے روپوش ہوئے تو دنیا ہی چیخ پڑی۔ ہند و بیرون ہند کے کئی لاکھ انسانوں کا جم غفیر ہر طرف سے اکٹھا ہو گیا۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کی آخری خواہش تھی کہ میری نماز جنازہ آل رسول فرزند غوث اعظم پڑھائے رب کریم نے اپنے فضل و کرم سے پوری فرما دی۔ اور فرزند غوث الثقلین سجادہ نشین آستانۂ عالیہ اشرفیہ سرکار کلاں مولانا سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی دامت برکاتہم العالیہ کو کچھوچھہ شریف سے بریلی شریف پہنچا دیا۔ جس خدا کی رضا میں حضور مفتیٔ اعظم ہند نے اپنی ساری زندگی گزار دی وہ خدا حضور مفتیٔ اعظم ہند کی رضا کی تکمیل کو اپنے ذمۂ کرم میں کیوں نہ رکھتا؟

المختصر جس پہلو اور جس گوشے سے دیکھا جائے اس اعتراف کے بغیر چارۂ کار نہیں کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ذات قدسی صفات پر رب کریم کی بے حد نوازشیں تھیں اس کا فضل خاص ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہا اور خدائے تعالیٰ نے انھیں مخصوص انعام والوں میں رکھا جن کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔

خانوادۂ رضویہ اور دائرۂ شاہ اجمل کے باہمی روابط

مولانا شاہ سیّد احمد اجملی سابق سجادہ نشین دائرۂ شاہ اجمل الٰہ آباد

حضرت مولانا مصطفٰے رضا خاں علیہ الرحمۃ کے وصال کی خبر سن کر میرے دل پر جو گزری اس کا اظہار احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ جس وقت مجھے اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع ملی میری نگاہوں میں پوری تاریخ گھوم گئی میرے خاندان اور مرحوم کے خاندان سے روابط ہیں وہ سب روز روشن کی مانند عیاں ہیں۔

میرے اور ان کے درمیان تین ایسے اہم روابط ہیں جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔

پہلا ربط یہ کہ ان کے والد محترم مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ اور میرے والد حضرت مولانا سید نذیر احمد اجملی الٰہ آبادی بہت اچھے دوستوں میں تھے چنانچہ جب حضرت مولانا سید شاہ محمد بشیر الٰہ آبادی سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل الٰہ آباد و آستانہ عالیہ شہر غازی پور و آستانہ حضرت سید شاہ ولی سکندر پور ضلع بلیا کا ۱۹۱۶ء میں وصال ہوا تو آپ کی تعزیت کے لیے حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ میرے والد حضرت مولانا سید نذیر احمد اجملی الٰہ آبادی کے پاس تعزیت کے سلسلہ میں الٰہ آباد تشریف لائے والد علیہ الرحمۃ کی جانب سے آپ کی آمد پر اسٹیشن پر استقبال کے لئے ایک اشتہار شائع ہوا اور والد محترم نے مع اپنے خاندان کے جملہ افراد و عوام کے ساتھ الٰہ آباد کے اسٹیشن پر مولانا کا استقبال کیا۔ مولانا دائرہ شاہ اجمل حاضر ہوئے حضرت سیّد شاہ محمد بشیر الٰہ آبادی کے مزار پر حاضری دی فاتحہ پڑھی اور دیگر بزرگان خاندان کے مزار پر حاضری دی اور بحیثیت سجّادہ نشین کے میرے پاس بھی تعزیت کے لیے آئے یہ ان کی محبت اور خلوص تھا میں بھی والد بزرگوار کے ساتھ بحیثیت ان کے فرزند اور بحیثیت سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل اسٹیشن پر حضرت کے استقبال کے لئے موجود تھا مجھے ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جب آپ رسم تعزیت ادا کر رہے تھے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جیسے اپنے مربی اور بزرگ کی موت پر آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔

مولانا موصوف دو دن میرے غریب خانہ پر جلوہ افروز رہے اور محفلیں منعقد ہوتی رہیں حضرت مولانا موصوف نے اس فقیر کے خاندان میں موجودہ تبرکات مثلاً موئے مبارک، دستار سرور کائنات تسبیح غوث پاک و جا نماز حضرت غوث پاک اور دیگر بزرگان دین بزرگان خاندان و پیران سلسلہ کے تبرکات کی زیارت کی غالباً آپ کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ بھی تھے یہ ایسا ربط ہے جو ان دونوں بزرگوں کے درمیان تھا اور یہ ہمیں بتا گئے کہ ہم یہ ربط ہمیشہ قائم رکھیں۔

چنانچہ جب میرے مریدین کے گاؤں موضع مہند ضلع غازی پور میں حضرت مولانا مصطفٰے رضا خاں علیہ الرحمۃ تشریف لے گئے تو اسی تعلق کو مدنظر رکھتے ہوئے جیسے ہی انھیں اس گاؤں میں میری موجودگی کا علم ہوا بہ نفس نفیس

مفتی اعظم اور

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا سید شاہ محمد اظہار اشرف اشرفی کچھوچھوی

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان بریلی شریف کے نگارخانۂ عشق مصطفےٰ کی ایک نورانی تصویر تھے۔ اس پیکر نوری کے دیکھنے والوں کو ان کی خوش بختی مبارک ہو جنھوں نے عشق مصطفےٰ کو مصطفےٰ رضا خاں کے جسد اطہر کی صورت میں چلتے پھرتے دیکھ لیا۔ عشق مصطفےٰ مجسم ہو کر مصطفےٰ رضا ہو جائے۔ اس میں حیرت ہی کیا ہے؟ —— یہ اس درس گاہ عشق و محبت کے تربیت یافتہ تھے جہاں کا ذرہ ذرہ نشۂ عشق میں سرشار و مخمور رہا۔ جب ذروں کا یہ حال ہے تو اس ساقی میکدۂ حب رسول کے قرۃ العین کا کیا عالم ہوگا۔ جس ساقی کو آج پورا عالم اسلام امام احمد رضا کے نام سے جانتا پہچانتا ہے امام احمد رضا یہی نہیں کہ اپنے عہد کے علوم و فنون کے کوہ ہمالہ تھے بلکہ عشق و محبت کا بحر ناپیدا کنار بھی تھے جنھیں اپنے محبوب کی ذات تو ذات اس کے آثار و منسوبات سے بھی والہانہ وارفتگی تھی۔ بارگاہ رسالت کی ادب شناسی کی مملکت کی تاجوری انھیں حاصل تھی۔ نازک سے نازک موقع پر بھی وہ ادب و تہذیب کے دائرے سے ایک آن کے لئے بھی باہر نہ ہوئے۔ رب کریم نے انھیں جس قوت شامہ سے نوازا تھا اس نے بھی ان کا بڑا ساتھ دیا اور اس غریب از دور سید کی نسبت سیادت کی معرفت کرا دی کہ جس کی پالکی پر آپ رونق افروز ہو گئے تھے اور اس نے اس پالکی کو کاندھے پر اٹھا لیا تھا۔ اس معرفت کے بعد وہی ہوا جو عشق کا فیصلہ تھا چشم کائنات نے عقل کو حیران اور عشق کو شادماں دیکھا۔ محبوب کی غریب آل پالکی میں نظر آئی اور تمام دنیا کے علماء و مشائخ کا مرکز عقیدت بے شمار علوم و فنون کا امام لا تعداد اعلیٰ حضرتوں کا اعلیٰ حضرت پالکی اٹھائے ہوئے دکھائی دیا۔ چند واقعات اور بھی ذہن میں محفوظ ہیں جن کو حضور سید العلماء سید آل مصطفےٰ صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کی زبان حق ترجمان سے سنا گیا۔

امام احمد رضا اپنے مرکز عقیدت مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہیں وہاں اپنے ایک معزز شاہزادے کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی ملاحظہ فرمائی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جذبہ جاگ اٹھا مگر ساتھ ہی ساتھ ادب کا خیال بھی دامن گیر رہا۔ چنانچہ مؤدبانہ عرض کیا حضور آپ سخی بن سخی کریم بن کریم ہیں بھکاریوں اور سائلوں کو مایوس نہ کرنا آپ کا موروثی کردار ہے حضور کی انگوٹھی مجھے پسند آ گئی ہے سرکار آپ اسے مجھے عطا فرما دیں۔ شاہزادۂ ذیشان نے مسکراتے ہوئے وہ انگوٹھی اعلیٰ حضرت کو پیش کر دی۔ اسی دن اس امام وقت نے شرعی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک چاندی کی انگوٹھی تیار کرائی اور پھر اس شاہزادۂ والا تبار کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ حضور! جہاں آپ کے گھرانے کی کرم نوازیوں کا ایک رخ یہ ہے کہ آپ سائلوں کو محروم نہیں فرماتے وہیں نوازشات کا یہ رخ بھی بے حد تابناک ہے کہ آپ اپنے عقیدت مندوں کے تحائف و ہدایا کو قبول فرما کر انھیں سرخرو و سرفراز بھی فرماتے ہیں اور ان کی دلجوئی اور دلدہی کا پورا خیال فرماتے ہیں تو یہ آپ کا ادنیٰ غلام بھی ۤدو حقیر تحفے لے کر حاضر ہوا ہے یہ کہتے ہوئے پہلے چاندی کی انگوٹھی آگے بڑھائی اور عرض کیا کہ اسے حضور پہن لیں اور پھر وہی سونے والی انگوٹھی پیش کی اور کہا کہ حضور اسے میری طرف سے مخدومہ صاحبہ کی خدمت میں پیش فرما دیں۔ اس دن سے

،حیات کے لمحہ تک اس شہزادے کی انگلی میں
نے کی انگوٹھی دیکھی نہیں گئی۔ امام احمد رضا
یضہ اصلاح بھی ادا ہو گیا اور ادب و تہذیب
یشانی پر شکن بھی نہ پڑی۔

انھیں شہزادے کے سٹنگ روم میں
بار اعلیٰ حضرت کا داخلہ ہوا آپ کے ساتھ آپ
تے حضور مفتیٔ اعظم ہند بھی تھے اس
حضور مفتیٔ اعظم ہند کے بچپنے کا عالم تھا۔
حضرت نے دیکھا کہ کمرے کے ہر چہار طرف
روں پر جانداروں کی تصویریں آویزاں ہیں۔
ور مفتیٔ اعظم دیواروں کو بغور دیکھنے لگے
پر اعلیٰ حضرت نے اپنے شاہزادے سے
کیا کہ حضور یہ بچہ ان تصویروں کو بغور
رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ تصویریں اس کو
ا گئی ہوں اگر حضور اجازت دیں تو میں
لوں۔ فرمایا مولانا آپ بخوشی اتار لیں۔
حضرت نے ان تصویروں کو فوراً اتار لیا
باہر لے جاکر ضائع کرا دیا اور پھر بہترین
انوں، قرآنی آیات، ارشادات رسول
مناظر قدرت کے کتبے تیار کرا کے اس شہزادے
عدم موجودگی میں ان کے کمرے میں لگوا دیا۔
س وقت وہ اپنے کمرے میں آئے اور یہ
ظر دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا کہ یہ ہمارے
لانا کی اصلاح ہے کہ کبھی بھی ان کے کمرے
ں جاندار کی تصویر کا گزر نہیں ہوا۔ دیکھئے
ں بھی وہی انداز ہے ۔۔۔ اصلاح بھی ہو گئی
نسبت رسول کا پاس و لحاظ بھی باقی رہا۔

اسی طرح کے متعدد واقعات ثقہ راویوں
ے توسط سے خود مجھ تک پہنچے ہیں لیکن ان
ب کے ذکر کی فی الحال چنداں ضرورت نہیں

ویسے بھی عشق رسول اور حب غوث الثقلین کے اس بحر بیکراں کے مراتب عشق و محبت کو سمجھنے کے لئے اس کی تصنیفات بالخصوص اس کا منظوم کلام دیکھ لینا کافی ہے۔ خود میرے جد کریم شبیہ غوث الثقلین محبوب نورانی حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی الجیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان میں امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور شعر کچھ اس قدر معنوی خوبیوں کا حامل ہے کہ ایک دیوان پر بھاری ہے فرماتے ہیں ؎

اشرفی اے رخت آئینۂ حسن خوباں
اے نظر کردہ و پروردہ سہ محبوباں

میرے محترم پھوپھا مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے اس شعر پر اودھی زبان میں کیا پیاری تضمین فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

مورے داتا مورے مہاراج گرو مور سیاں
جگ دیکھا مدا کچھا ور ہے بتیاں تہماں
توری مہما کا بکھانت ہیں رضا شیخ جہاں
اشرفی اے رخت آئینۂ حسن خوباں

حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کا چہرۂ زیبا امام احمد رضا کی نگاہ میں تین محبوبوں کا آئینہ تھا۔ امام احمد رضا کی بصیرت اس آئینے میں تین محبوبوں کی تصویریں دیکھ رہی تھی اور خود اپنے ممدوح کو انھیں تین محبوبوں کا نظر کردہ و پروردہ سمجھ رہی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ تین محبوب خدا کے بھی محبوب تھے اور امام احمد رضا کے بھی محبوب تھے۔ ایک معاصر کی قرار واقعی خوبیوں کا اعتراف خود معترف کے فضل و کمال اور خلوص و محبت کی دلیل ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب حضرت اشرفی میاں بریلی جاتے تو امام احمد رضا ان سے ملاقات کے وقت نسبت رسالت کے احترام میں تجدیدی آب و رنگ، مجتہدانہ طرز عمل اور ایک مخلص چاہنے والے کی وارفتگی کا پر خلوص مظاہرہ فرماتے

امام احمد رضا کی درس گاہ تربیت کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ انھوں نے صرف علم و فن ہی کی اشاعت نہیں فرمائی بلکہ اپنے زیر تربیت والوں کے سینوں کو محبت رسول کا مدینہ بنا دیا۔ اگر وہ صرف عاشق ہوتے تو دوسروں کو عاشق نہ بنا سکتے کہیں رنگین سے کسی کو رنگ ملتا ہے؟ بلکہ وہ سراپا عشق تھے جو ان کے قریب ہوا عشق والا ہو گیا۔ جب چند روز قریب رہنے والوں پر یہ نوازش یہ کرم کی بارش تو ان نفوس قدسیہ پر فیضان کا کیا عالم ہوگا۔ جنھوں نے اسی امام عصر کی آغوش محبت میں آنکھیں کھولیں اور جو اسی امام زمانہ کے گہوارۂ علم و تہذیب میں پروان چڑھا؟ ۔۔۔ باہر والوں کو سیراب کر دینے والا کیا گھر والوں کو پیاسا رکھ سکتا تھا؟

اب اگر اسلام کے بطل جلیل کے فرزند جمیل اور خلف اکبر کو دنیا حجۃ الاسلام کہنے پر مجبور ہو جائے تو اس میں حیرت کیا ہے؟ حجۃ الاسلام اپنے کمال سیرت اور جمال صورت دونوں لحاظ سے امین نکہت و نور تھے چونکہ اس مضمون کا مرکزی خیال عشق و محبت سے متعلق ہے لہٰذا آیئے اس عاشق رسول کا وہ الہامی جواب ملاحظہ فرمایئے جو اس نے ایک نازک موڑ پر دیا تھا۔

حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے پاس

ایک سید صاحب آیا کرتے تھے مولانائے محترم
ان کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے انھیں اپنی
مسند پر بٹھاتے اور جب وہ جانا چاہتے
جب بھی پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ دروازے
تک پہنچاتے۔ حضرت حجۃ الاسلام کا انکے
تعلق سے ہمیشہ یہی دستور رہا۔ مگر چونکہ
وہ سید صاحب داڑھی منڈانے کے عادی
تھے اس لیے کسی نے استفسار کر لیا کہ "ایک
فاسق کی تعظیم کیسی ہے؟ اس سوال کے جواب
میں برجستہ حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے زیر
تربیت رہنے والے مفتی سے کہا کہ لکھ دو کہ
"اگر وہ سید ہے تو اس کی تعظیم واجب ہے
تعظیم نسبت کی، کی جاتی ہے اور نسبت کبھی
فاسق نہیں ہوتی۔ کس قدر عشق برس رہا ہے
اس جواب سے۔ فقہی کتابیں اس جواب سے
خالی ہیں اسی لیے میں اس کو الہامی جواب سمجھتا
ہوں۔

اسی عشق جلیل کا عکس جمیل تھے۔ آپ کے
وہ شہزادہ والا شان جن کو دنیا مفسر اعظم کے
نام سے یاد کرتی ہے۔ حضور مفسر اعظم ہند
کے ساتھ ایک مرتبہ بنگال کے علاقہ میں ایک
ہفتہ رہنے اور انھیں قریب سے دیکھنے کا
اتفاق ہوا تھا باوجود کمال علم وفضل کے
نسبت رسالت کے احترام کے جو نمونے انھوں
نے پیش فرمائے اس سے بخوبی اندازہ لگ
گیا کہ آپ عشق و محبت رسالت میں بڑے ہی
اونچے مقام کے مالک تھے۔ اگر اپنی خود نمائی
کے الزام کا خوف نہ ہوتا تو میں بعض نمونوں
کا ذکر بھی کر دیتا جس طرح ایک دنیا اس بات
پر مجبور ہو گئی کہ امام احمد رضا کے خلف اکبر کو
اسلام کی حجت قرار دے بالکل اسی طرح اسے
اس بات پر بھی مجبور ہونا پڑا کہ آپ کے دوسرے
صاحبزادے کو اپنے عہد کا علی الاطلاق "مفتی
اعظم" سمجھے"۔

حضور مفتی اعظم ہند خَلقاً، خُلقاً،
منطقاً یعنی شکل و صورت، کردار و سیرت
اور طرز گفتگو میں بالکل اپنے والد بزرگوار
کی تصویر تھے جس نے مفتی اعظم کو دیکھ لیا
اس نے گویا چشم سر سے امام احمد رضا کی
تصویر دیکھ لی۔

علم و فضل کا یہ عالم کر وہ اپنے عہد میں
بالاتفاق علی الاطلاق مفتی اعظم کہلائے امام
احمد رضا کے فیوض و برکات کو ہند و پاک اور بیرون
ہند میں پھیلانے کے لیے رب کریم نے مفتی اعظم
ہند کی ذات کا انتخاب فرمایا۔ اتباع رسول اور
خدمت خلق کے انوار و برکات کا ظہور رجحان
خلق کی صورت میں ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ کے
مناظر کو سن کر امام احمد بن حنبل کے جنازہ
کی یاد تازہ ہو گئی امام اہلسنت کا فرزند تاجدار
اہلسنت کے نام سے جانا پہچانا جانے لگا۔
وہ اپنی ہر ادا میں مظہر اعلیٰ حضرت تھا۔

کئی بار کچھوچھہ شریف کی سرزمین پر
اور متعدد بار دوسرے مقامات پر بہت قریب
سے ملاقاتوں کی سعادتیں میسر ہوئیں۔ وہ ایسی
ذات تھی جس کی مجلس میں بیٹھو تو اٹھنے کو جی
نہ چاہے جس کی صورت دیکھو تو نظر ہٹنے کو تیار
نہ ہو۔ آج بھی ایسے بے شمار قلوب اور لاتعداد
نگاہیں ہیں جو اس کے جلوۂ کردار اور جمال افکار
سے مستفیض و مستنیر ہیں۔

رسول کریم کے آثار و منسوبات سے آپ
کا جو تعلق خاطر تھا۔ لفظوں میں اسے بیـ
نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو اس
آپ عاشق مصطفےٰ امام احمد رضا کے
لخت جگر اور اس بحر عشق کے باعظمت
تھے، مارہرہ مطہرہ اور کچھوچھہ مقدسہ کی سر
کے ذرے ذرے اس خلق مسلم کو عشق
کی شکل میں بار ہا دیکھ چکے ہیں۔

جب میں حیدرآباد پہنچا تو
عاشق رسول کے بیشمار چاہنے والوں
ہوئی آپ کی مدح و ثنا میں سب ہی رطب
نظر آئے کوئی تقوی و طہارت کو مو
سخن بنائے ہوئے تھا، کوئی اتباع
متاثر نظر آرہا تھا اور کسی کو آپ
سادات کرام کے بے پناہ احترام نے گر
بنا رکھا تھا۔ ایک ثقہ روایت کے
مکہ مسجد کا عظیم الشان اجلاس جس میں
ساٹھ ستر ہزار مسلمانوں کا اجتماع اور ہ
دل میں حضور مفتی اعظم ہند کی زیار
تمنا اور اس پر سادات حیدرآباد کا
مفتی اعظم ہند سے گزارش کرنا کہ آپ
پر یا کم از کم کرسی پر رونق افروز ہوں تاکہ
اشتیاق رکھنے والوں کی تمنا پوری
یہ وہ مناظر ہیں جنھیں فراموش نہیں
مگر ان مناظر سے زیادہ نہ فراموش کر
وہ جواب ہے جو اس نسبت رسول کے
کرنے والے نے دیا، حضور مفتی اعظم
رسول کریم کی آل نیچے ہو اور میں اوپر
یہ مجھ سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر
ترجیح دے کر حضور مفتی اعظم ہند
اور مولائے کائنات کے پاکیزہ جذ

ولادی۔ حیدرآبادی حیران و ششدر رہ گئے
رخودان کے دلوں میں اس عشق کے انوار و
برکات کا نزول ہونے لگا اور پھر پورا مجمع
عشق مصطفےٰ میں سرشار نظر آنے لگا۔
بالآخر اپنے آقازادوں کے اصرار
صرف اتنا منظور فرمایا کہ کھڑے ہو گئے جس
ں نے اس منارۂ نورِ عشق کو دیکھا اس کا اپنے
ین و مذہب کی سچائی کا یقین اور تابناک ہو گیا
یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔
مفتیٔ اعظم کی خاموشی نے وہ گویائی
حاصل کی کہ گوشے گوشے سے آواز آنے لگی کہ عشق
مصطفےٰ اور احترام سادات ہی دین و دنیا کی
بلندی اور نجات کا واحد ذریعہ ہے۔
آخر میں آیئے حضرت علامہ ریحان رضا
ں صاحب المعروف بہ رحمانی میاں مدظلہ العالی
سجادہ نشین آستانۂ عالیہ رضویہ کے اس مکتوب
ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے جو انھوں نے
کے والد بزرگوار حضور صاحب سجادہ آستانۂ
یہ اشرفیہ سرکار کلاں کے نام سے روانہ کیا تھا
س سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ رسول و آل رسول
بے پناہ عشق و محبت رضوی گھرانے کا عظیم
رمایہ ہے۔

محترم المقام تقدس مآب حضرت
شہزادۂ غوث الثقلین سجادہ
نشین دامت برکاتہم العالیہ۔
مؤدبانہ قدمبوسی عرض
ہے کہ حضور والا نے خانوادۂ
رضویہ پر کرم فرمایا کہ حضرت جد امجد
مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان
کے جنازے میں شرکت فرماکر
نماز جنازہ پڑھائی۔ احترام سادات
و اولاد حضور غوث الثقلین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ خانوادۂ رضویہ کا طرۂ
امتیاز رہا اور حضور مفتیٔ اعظم ہند
کی خواہش بھی یہی تھی کہ ان کی
نماز جنازہ کوئی آل رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرمانے
کی زحمت گوارا فرمائے۔ حضور
والا کی تشریف آوری دوہری
سعادت کا باعث ہوئی کہ حضور
مفتیٔ اعظم ہند کی نماز جنازہ
نہ صرف آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم
نے بلکہ شہزادہ حضور غوث الثقلین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا فرمائی۔
خانوادۂ رضویہ اس کے لئے حضور
والا کا بے حد ممنون ہے۔"

اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ان نفوس
قدسیہ کی طرف اپنے کو منسوب کرنے والے ان
کے آداب محبت کو اپنی زندگی کا جزو بنانے کی
کوشش کریں اور صرف زبانی دعووں سے فلاح
آخرت کا خواب نہ دیکھیں۔ رب کریم ہم سب
کو ان بزرگوں کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق
عطا فرمائے اور ان کے روحانی فیوض و برکات
سے ہمیں محروم نہ رکھے آمین۔ یا مجیب السائلین
بحق طٰہٰ و یٰس بحرمۃ سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(صـ ۹۲ کا بقیہ)

مرشد و شیخ طریقت شب پنجشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ
مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء ایک بجکر چالیس منٹ
پر مسلمانانِ عالم اور کروڑوں عقیدت مندوں کو
اچانک داغ مفارقت دے گیا۔ بی بی سی لندن،
آل انڈیا ریڈیو، پاکستان ریڈیو اور اخبارات
و رسائل نے اس المناک و وحشت ناک حادثہ
کی خبر ساری دنیا میں پھیلا دی۔ جس سے مسلمانوں
پر ایک بجلی سی گر پڑی اور سوگواروں کے
قافلے بریلی کی جانب چل پڑے کاروں،
بسوں، ٹرینوں اور ہوائی جہازوں سے
علماء و فضلاء مختلف ممالک کے سفراء و نمائندگان
حکومت ہزاروں ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئے۔
تین بجکر بیس منٹ پر بعد نماز جمعہ اسلامیہ کالج
بریلی کے وسیع و عریض میدان میں حضرت
مولانا سید مختار اشرف صاحب مدظلہ
سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ ضلع فیض آباد
نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد خانقاہ
عالیہ رضویہ میں حضرت فاضل بریلوی کے
پہلو میں آپ کو سپرد لحد کیا گیا۔ جہاں کے انوار
و تجلیات کا چشم سر سے مشاہدہ کرکے زبان
خلق پکار اٹھی ؎

نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوری
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

سبیل نوری - بمبئی

ارا کین بزم نوری نے گھوگھاری محلہ بمبئی میں سبیل نوری قائم کیا۔ جس کا افتتاح جانشین حضور مفتیٔ اعظم حضرت علامہ مفتی اختر رضا قادری مدظلہ العالی کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ یہ سبیل تقریباً ۹ فٹ چوڑی اور ۱۲ فٹ اونچی بنائی گئی۔ اس کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں بیٹھ کر پانی پینے کی نشستیں بنائی گئی ہیں۔

ارکان بزم نوری۔ گھوگھاری محلہ۔ بمبئی ۳

مفتی اعظم کا حسینی کردار

مولانا سبطین رضا بریلوی۔ کانکیر۔ بستر۔ ایم پی

حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی رحلت کو دو سرے عشرہ ماہ محرم ۱۴۱۰ھ میں آٹھ سال پورے ہوئے لیکن ایسا معلوم ہے کہ یہ کل ہی کی بات ہے جو ذہن سے نکل نہ سکی اور نہ انشاء اللہ تادم حیات نکل سکے گی۔ اس لئے کہ ماہ محرم جس سے اسلامی نیا سال شروع ہوتا ہے اس کے آتے ہی حضرت کی یاد بھی تازہ ہو جاتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم ہند ایک سچے عاشق رسول کا نام ہے جو عشق رسول کا پیکر تھے جس کی گواہی ان کا ہر قول و عمل بلکہ ہر بن مو دے رہا تھا دنیائے محبت میں یہ بات مسلمات سے ہے کہ محبوب کی ادا محب کو پیاری ہوتی ہے اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز عزیز ہوتی ہے اس کا گھر بار دیار و امصار اس کی آل و اولاد دوست احباب سب محبوب ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند جہاں سنت رسول کے پابند تھے وہاں انھیں صحابہ کرام اہل بیت اطہار مظلومین طیبین بالخصوص حضرت امام حسین مظلوم کربلا شہید جور و جفا سے بھی سچی عقیدت قلبی تعلق اور گہرا لگاؤ تھا۔ رب تبارک و تعالیٰ نے اس کا صلہ حضرت مفتی اعظم کو یہ عطا فرمایا کہ ان کی رحلت کے لئے ایسا وقت اور ایسا مہینہ مقرر فرمایا جو حضرت امام عالی مقام کی شہادت عظمیٰ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ مفتی اعظم ہند نے غم امام کو چونکہ اپنا غم بنا لیا تھا اس لئے خالق کائنات نے اپنی حکمت کاملہ سے کام لے کر غم مفتی اعظم کو غم حسین میں اس طرح ضم فرما دیا کہ اب سال بسال جب کبھی محرم کا مہینہ امام عالی مقام کے غم میں مسلمانوں کے دلوں کو تڑپاتا ہوا آئے گا تو ساتھ ہی مفتی اعظم کی یاد سے اہلسنت کی آنکھوں کو اشکبار کرتا ہوا گزر جائے گا۔

۱۳/۱۴ محرم کی درمیانی شب کے درمیانی حصہ میں سرزمین بریلی سے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور آناً فاناً صبح ہو[تے] ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ سار[ی] یہ خبر پھیل چکی تھی اور پھر ہر طرف ر[نج] آہ و بکا کا سماں نظر آرہا تھا۔ محرم [کی] شب تھی مطلع صاف تھا حسب معم[ول] سے آسمان پر تارے جھلملانے ل[گے] چودھویں کا چاند پوری آب و تاب [سے] روشن و منور کرتا ہوا نمودار ہوا تھا دیکھنے میں یہ آیا کہ اول شب ہی میں ابر چھانے لگا اور جیسے جیسے رات گ[زرتی] مطلع غبار آلود ہوتا چلا گیا یہاں آپ کی وفات کے وقت اندھیرا اندھیرا چھا چکا تھا گویا مشیت ا[یزدی] رحمت خداوندی کو یہ بھی گوارہ نہ [تھا کہ] زمین پر آفتاب علم و ولایت غ[روب ہو رہا] ہے تو آسمان پر ماہتاب چمکتا ر[ہے اور] اپنی تابانی بکھیرتا رہے۔ چنانچہ [...] چاند روپوش ہو گیا۔ ہر طرف [...] آثار نظر آنے لگے اور یہ محسوس ہو[...]

زمین و آسمان بھی اس غم میں برابر کے شریک ہیں یہ ہے وہ بات کہ موت العالم موت العالم عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے اور اس موت کا غم اپنے اور پرائے زمین و آسمان سب مناتے ہیں۔

شب میں ایک بجکر چالیس منٹ پر وصال ہوا اور اسی وقت سے آستانۂ عالیہ پر لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور صبح ہوتے ہوتے ہزار ہا مرد و عورت اپنے اس روحانی مذہبی پیشوا کی آخری زیارت کے لئے امنڈتے ہوئے سیلاب کی طرح چلے آرہے تھے۔ یہاں تک کہ پولیس کو کنٹرول کرنا پڑا مکان کے صدر دروازے سے درمیان میں بلیاں باندھ کر دو راستے بنا دیئے گئے تھے کہ ایک سے مرد اور دوسرے سے عورتیں قطار در قطار اندر جاتے ایک دروازہ سے داخل ہوتے اور زیارت کرتے ہوئے دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاتے اور یہ سلسلہ اس روز دن بھر اور اس کے بعد آنے والی رات جمعہ کی صبح غسل دیئے جانے کے وقت تک برابر جاری رہا۔ غسل کے وقت تھوڑی دیر کے لئے بند ہوا اور پھر شروع ہو گیا۔ لیکن جنازہ مبارکہ اٹھنے سے کچھ قبل اہل خانہ (خواتین) کو آخری زیارت کرانے کے لئے مکان میں پردہ کرایا گیا اس وقت اہل خاندان اور گھر ہی کے لوگ تھے نہ پوچھئے اس وقت کی سراسیمگی کا عالم وہ کونسا دل تھا جو بھر نہ آیا ہو اور وہ کونسی آنکھ تھی جو آنسوؤں کے موتی نہ لٹا رہی ہو۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا اس لئے کہ آج مفتیٔ اعظم ہی کا جنازہ نہیں اٹھ رہا تھا ہم سب کی بلکہ تمام اہلسنت کی حسرتوں کا جنازہ اٹھ رہا تھا اس گھر کی ہی برکت رخصت نہیں ہو رہی تھی بلکہ بریلی کی برکت ان کے علم کی برکت تقویٰ کی برکت فتویٰ کی برکت خدمت خلق کی برکت حضرت کے حسن اخلاق و کردار کی برکت اور نہ جانے کون کونسی برکتیں جو ان کے مبارک دم سے وابستہ تھیں اور جن کا صحیح لطف و لذت حضرت کی حیات ظاہری میں مل رہا تھا وہ سب ہی تو رخصت ہو رہی تھیں (یہ اور بات ہے کہ ان کے باطنی فیوض و برکات کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اور انشاء اللہ صبح قیامت تک جاری رہے گا۔) لیکن خدا کا فضل رہا کہ اس کسمپرسی اور عالم یاس میں بھی صبر کا دامن کسی کے ہاتھ سے نہ چھوٹا اور خلاف شرع جزع و فزع یا بلند آواز سے آہ و بکا سننے میں نہ آیا۔ مجھے خیال آیا اور اس کی تائید عزیزی مولانا رحمانی میاں مرحوم نے بھی کی تھی (جو اس وقت حیات تھے مولیٰ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین) کہ باہر نکل کر ہم لوگوں کو کاندھا دینا مشکل ہو گا لہٰذا مکان کا دروازہ ابھی بند رکھا جائے اور وہاں تک گھر ہی کے لوگ جنازہ شریف لے چلیں۔ اگرچہ صحن مکان سے باہر کے دروازہ کا فاصلہ زائد سے زائد دس پندرہ قدم ہو گا لیکن اس وقت یہ سعادت ہم لوگوں نے حاصل کی مگر دروازہ کھلتے ہی جو منظر دیکھنے میں آیا وہ یہ تھا کہ انسانوں کا ایک سیلاب ہے جو مکان کی چوکھٹ اور اس کے در و دیوار سے ٹکرا رہا ہے اور ہر شخص اس کوشش میں ہے کہ جنازہ تک پہنچ کر کندھا دینے کی سعادت پہلے میں حاصل کروں۔ کسی شاعر کا یہ شعر اس منظر کی کچھ عکاسی کر رہا ہے کہ ؎

اٹھا جو مینا بدست ساقی رہی نہ کچھ تاب ضبط باقی
ہر ایک میکش پکار اٹھا یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

جن لوگوں کو حضرت کے مکان کی زیارت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ دروازہ سے سڑک تک کا فاصلہ ۵۔۶ قدم سے زائد نہ ہو گا مگر اس کو طے کرنے اور جنازہ مبارکہ کو سڑک تک پہنچانے میں بلامبالغہ ۱۵۔۲۰ منٹ کا وقت صرف ہوا بمشکل سڑک پر پلنگ رکھا گیا اور لمبی لمبی بلیاں اس میں باندھی گئیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ یک وقت کاندھا لگا سکیں۔

اس وقت احقر کو خیال آیا کہ کندھا نہ دے سکوں تو جنازہ شریف کے سرہانے ہاتھ لگاتے چلوں مگر یہ خیال بھی دس قدم قائم نہ رہ سکا اس لئے کہ لوگوں کا ہجوم ٹوٹا پڑ رہا تھا اور مجھ ناتواں اور دل شکستہ کو چلنا مشکل ہو گیا قریب تھا کہ گر جاتا کہ ایک صاحب نے ازراہ ہمدردی میرا بازو پکڑ کر ایک جانب کر دیا اور کہا کہ آپ نہیں چل سکیں گے پھر یہ ارادہ کیا کہ اتنا قریب رہوں کہ کم از کم جنازہ پر نگاہ پڑتی رہے مگر یہ ارادہ بھی پورا نہ ہو سکا جنازہ شریف آگے بڑھتا گیا اور ہم پیچھے ہوتے چلے گئے یہاں

تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور پھر اسی میدان میں اور وہ بھی بعد نماز دیکھا جا سکا جہاں نماز جنازہ پڑھی گئی تھی۔ جن راستوں سے جنازہ گزر رہا تھا ان میں دور تک گنجان آبادی ہے مکانوں اور دوکانوں کا سلسلہ ہے جن میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ غیر مسلموں کے مکانات ہیں اونچی اونچی بلڈنگیں ہیں لیکن انھوں نے بھی اس دن اپنے اپنے مکانوں اور بلڈنگوں کے دروازے کھول دیئے تھے اور عام اجازت دے رکھی تھی کہ جس کو جہاں موقع ملے جا سکتا ہے چنانچہ دور دور مکانوں دوکانوں بالا خانوں کی چھتوں حد یہ کہ درختوں کے تنوں پر لوگ بیٹھے بلکہ شہد کی مکھیوں کی طرح چپکے نظر آ رہے تھے پورے راستہ میلاد خوانوں کی مختلف ٹولیاں نعت و منقبت پڑھتی چل رہی تھیں ہر طرف سے عطر و گلاب چھڑکا جا رہا تھا پھولوں کی بارش ہو رہی تھی غرضیکہ ایسا حسین منظر اس سے پہلے نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا تھا ؏

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے اٹھے۔

والی بات صادق آ رہی تھی۔

جمعہ کا مبارک دن تھا اور نماز کا وقت قریب تھا راستہ میں جو مساجد ملتی گئیں وہ پر ہوتی گئیں چھوٹی مسجدوں کی بات تو جانے دیجئے بڑی بڑی مساجد کی وسعتیں تنگ ہو گئیں جب مسجد میں جگہ نہ رہی تو باہر کے میدانوں اور سڑکوں پر صف بندی شروع ہو جاتی جس سے کئی جگہ شہر کا ٹریفک رک گیا چنانچہ راقم الحروف نے خود سٹی اسٹیشن کے قریب سڑک پر نماز ادا کی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مجمع نماز جمعہ سے فارغ ہو کر جب اس میدان میں پہنچا ہوگا جہاں نماز جنازہ ہوئی تو پھر کتنا بڑا اجتماع ہوا ہوگا ادھر نماز کے وقت تک شہر و نواح دور و نزدیک سے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا لوگ مختلف سواریوں سے پہنچ رہے تھے اور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی نماز جنازہ میں شرکت کے شوق میں دیوانہ وار دوڑے چلے آ رہے تھے۔

بڑے معمر لوگوں اور پولیس افسران کو یہ کہتے سنا گیا کہ ہم نے بہت سے سیاسی و مذہبی لوگوں کے جنازوں میں شرکت کی لیکن ایسا ہجوم کہیں دیکھنے میں نہ آیا بہت سے جوان جنازہ شریف کے قریب نماز سے قبل ہی اس لئے جمع ہو گئے تھے کہ نماز کے فوراً بعد حلقہ بنا لیں گے اور جنازہ گاڑی پر رکھ لیا جائے گا۔ اور انھوں ایسا ہی کیا لیکن وہ حلقہ تھوڑی دیر بھی قائم نہ رہ سکا اس لئے کہ ہر طرف سے ہجوم ٹوٹ پڑا اور اس نے چارپائی کو اپنے کندھوں پر لے لیا پھر کیا تھا لوگ پروانہ وار نثار ہوتے جا رہے تھے کوئی چارپائی سے اپنے ہاتھ کو مس کر رہا تھا کوئی رومال یا ٹوپی کے ذریعہ یہ سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا کوئی پھول پھینک رہا تھا تو کوئی پھول کی پتیاں جنازہ پر سے اٹھانا چاہتا تھا۔ اور ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا کہ جنازہ کو لے جانے کے لئے کوئی سمت مقرر نہ تھی جس طرف کو لے چلے ایک طرف دور تک جاتے اور پھر کسی دوسری جانب رخ ہو جاتا تو ادھر دور تک نکل جاتے اس وقت حضرت کی وہ بات یاد آئی جو آخر عمر میں کبھی جھنجلاہٹ میں فرمایا کرتے تھے کہ "لوگوں نے مجھے بنگر بنا رکھا ہے جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں"

درحقیقت یہی کیفیت بعد وفات بھی دیکھنے میں آئی وہ تو یہ کہئے کہ ہر وقت پولیس نے مداخلت کی اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مجمع پر کنٹرول ہونا مشکل تھا۔ بدقت تمام جنازۂ مبارکہ گاڑی پر رکھا گیا اور خانقاہ عالیہ کی سمت روانگی ہوئی جہاں پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی خانقاہ شریف کے دروازے پہلے ہی بند کر لئے گئے تھے اور خیال تھا کہ خاندان ہی کے افراد اندر رہیں اور مزار پاک میں اتاریں ویسے یہ لاکھوں کا ہجوم خانقاہ میں کب سما سکتا تھا۔ لیکن دروازہ کھلتے ہی لوگ اندر جانے کے لئے بیتاب ٹوٹ پڑے بہت سے لوگ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گئے بڑی جد و جہد اور کشمکش کے بعد جنازہ شریف کو اندر لیا جا سکا اور حضرت کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچایا جا سکا۔

اس وقت خوش قسمتی سے قبر میں بائیں جانب احقر کو بھی اترنے اور کافی دیر ان مبارک قدموں سے برکتیں حاصل کرنے کا نادر موقع دستیاب ہو گیا۔ کافی دیر اس لئے کہ پتھر قبر مبارک پر رکھے گئے تھے ان میں کا ایک ناپ

سے کچھ بڑا تھا جس کو کاٹنے تراشنے میں وقت
لگا جسے غنیمت جانتے ہوئے احقر نے فائدہ
اٹھایا ان لمحات کو فقیر اپنے لئے حاصل زندگی
سمجھتا ہے اس لئے کہ اس وقت ایک ایسی نعمت
غیر مترقبہ اتفاق سے ہاتھ آگئی تھی جس کا
حضرت کی حیات میں بھی کبھی موقع نہ لگا
تھا اور وہ یہ کہ عالم بے خودی میں قدموں کو
کبھی چومتا کبھی آنکھوں سے لگاتا کبھی ان کے
مبارک تلوؤں کو چہرہ سے مَس کرتا جتنی دیر
بیٹھا یہی کرتا رہا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اور
اس کے بعد وہی ہوا جو اب تک ہوتا آیا ہے
پتھر رکھ دیئے گئے۔ اور آپ کے جسد خاکی کو
سپرد خاک کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ
راجعون۔

اس طرح وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے
رخصت ہو گئے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ
کا یہ سچا عاشق اور امام مظلوم کا شیدائی
جو زندگی بھر دین حق اور مخلوق خدا کی خدمت
کرتا رہا احقاق حق اور ابطال باطل فرماتا
رہا دین کے دشمنوں اور جفا کاروں سے لڑتا
رہا تلوار سے نہ سہی قلم سے جہاد فرماتا رہا اپنی
زندگی کے آخری دور میں دنیا سے جاتے جاتے
بھی حضرت امام عالی مقام کی سنت پر عمل کرتے
ہوئے ایک ایسا معرکہ سر کر گیا جو رہتی دنیا
تک یاد کیا جائے گا۔

کون نہیں جانتا کہ اسی دور میں جبری
نسبندی کے معاملہ نے زور پکڑا یہاں تک کہ
حکومت کے جبر و تشدد سے لوگ تنگ آچکے تھے
عوام تو عوام خواص بھی اس کی زد پر تھے نہ جانے
کتنے علماء کو زدوکوب کیا گیا کتنوں کو جیل میں
ٹھونسا گیا گویا ایک بلائے ناگہانی تھی جو لوگوں
پر ٹوٹ پڑی تھی اس سے چھٹکارے کی کوئی
تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی ہندوستان بھر کے
علماء کی زبانوں پر مہر سکوت لگی ہوئی تھی۔

بعض نام نہاد علماء طیب وطاہر نام کے
مفتیوں نے تو حکومت سے خوف زدہ ہو کر اپنے
موقف ہی کو بدل ڈالا تھا لیکن قربان جایئے
اس جوان ہمت کے کہ جو باں ضعف پیری
و علالت بلا خوف و خطر شمشیر بکف ہو کر (قلم
کی تلوار لے کر) میدان میں آیا اور پوری جرأت
ایمانی کے ساتھ اس کے عدم جواز و حرمت کا
کھلم کھلا حکم صادر فرما کر افضل الجہاد
کلمۃ حق عند سلطان جائر کا تمغہ
ایمانی بارگاہ رسالت سے پا گیا۔ اس طرح
حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے نہ صرف وقت
کے ایک اہم ترین مسئلہ میں لوگوں کی دینی
رہنمائی فرمائی بلکہ اس عظیم وصیت سے اپنوں اور
غیروں کو چھٹکارا دلا کر ان کی گلو خلاصی فرما دی۔

یہ ہیں مفتی اعظم اور یہ ہے ان
کا حسینی کردار۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا کہ

؎ یاد کرتا ہے زمانہ انھیں انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو اٹھتے ہوئے طوفانوں کو

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں
میں پیدا ہوئے مفتی اعظم ہند اپنی حیات
مبارکہ کے ۹۲ سال پورے کر کے محرم ۱۴۰۲ھ
میں رحلت فرما گئے ہیں جس کے حساب سے
امسال ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ میں آپ کی ولادت
باسعادت کو سو سال پورے ہوئے اور اسی
بنا پر ملک اور بیرون ملک جگہ جگہ جشن صد سالہ
مفتی اعظم منایا گیا۔

اسلامی سال کے آخری مہینہ کو حضرت
ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے خصوصی
نسبت ہے اس میں آپ کی پیدائش اور محرم
میں وفات اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ
آپ یقیناً ملت ابراہیمی کے سچے محافظ اور
حسینی کردار کے علمبردار تھے۔ اور یہ بات بھی
ظاہر ہے کہ نئے سال کا آغاز باعث مسرت و خوشی
ہوتا ہے اسی لئے نئے سال کی آمد پر ایک دوسرے
کو مبارکباد دی جاتی ہے۔ حضرت مفتی اعظم
دنیا میں تشریف لائے تو نئے سال کی آمد آمد
تھی اور خداوند قدوس کی بارگاہ اقدس میں
باریاب ہوئے تو سال نو کا آغاز ہو چکا تھا
گویا آپ کی دنیا کی زندگی بھی مسرتوں سے لبریز
تھی اور آخرت کی زندگی میں بھی شادکام اور
فائز المرام رہے لہم البشریٰ فی الحیوۃ
الدنیا والآخرۃ۔

اس بات کا ثبوت اس واقعہ سے بھی
ملتا ہے کہ حضرت مفتی اعظم کی پیدائش
جب ہوئی اس وقت آپ کے والد ماجد امام اہلسنت
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ
اپنے پیر و مرشد کے آستانۂ مبارکہ واقع مارہرہ
مقدسہ میں حاضر تھے کہ اسی خانوادہ کے ایک
صاحب کشف و کرامات بزرگ حضرت شاہ ابوالحسن
المعروف بہ نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

آفتابِ ولایت

مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی رضوی دار الافتاء بریلی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝

ترجمہ :۔ بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ان کے لئے رحمٰن محبت کر دے گا یعنی اپنا محبوب بنائے گا اور اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیگا۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب کرتا ہے تو حضرت جبرئیل سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا محبوب ہے جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر حضرت جبرئیل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو محبوب رکھتا ہے سب اس کو محبوب رکھیں تو آسمان والے اس کو محبوب رکھتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ و حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مومنین صالحین خصوصاً اولیائے کاملین کی مقبولیت ان کی محبوبیت کی دلیل ہے جیسے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت نظام الدین دہلوی محبوب الٰہی اور حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی اور اس دور میں اس محبوبیت کے اعلیٰ مقام پر حضور سیدی الکریم مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہ فائز تھے۔

عیاں را چہ بیان حضور مفتیٔ اعظم قدس سرہ کی حیات مبارکہ سے وفات تک کا جائزہ لینے سے یہ بات محتاج ثبوت نہیں رہتی اور روز روشن کی طرح تاباں ہو جاتی ہے کہ محبوبیت کا اعلیٰ مقام حضور کو حیات مبارکہ میں مل چکا تھا۔ اور وصال کے وقت دنیا نے اس کا نظارہ کر لیا تھا کہ ـــــ کئی لاکھ افراد نماز جنازہ و زیارت میں حاضر ہوئے کہ تاریخ مدتوں ایسی ذات کے ذکر سے خالی رہے گی میں اس آفتاب ولایت و قطب رشد و ہدایت و ماہتاب علم و حکمت کے فضائل و مناقب کو ذکر کرنا چاہوں تو ایک طویل وقت درکار ہوگا اور ایک مستقل کتاب وجود میں آسکتی ہے رب کریم کا شکر عظیم ہے کہ ایک طویل عرصہ تک اس
فقید المثال ہستی کے فیوض و برکات سے فیضیا
ہونے کا مجھے شرف ملا اور ان کی نگاہ کرم نے
مجھ بے بضاعت کو کیا سے کیا بنا دیا مولیٰ تعا
اپنی رحمتوں سے ہمیں اور تمام مسلمانوں کو نوا
حضور مفتیٔ اعظم ہند کا ذکر باعث نزول
رحمت ہے کہ عند ذکر الصالحین تنزل الرحم
اور میری نظر میں وہ ذات گرامی موجودہ دو
کے سید الصالحین و سند المتقین تھے جس
ثبوت درج ذیل واقعہ ہے۔

"بارگاہ نوری میں میری پہلی حاضری"

میرا طالب علمی کا دور تھا غالباً ١٩٥٥
کے آخری ایام تھے کہ میں اپنے وطن سے
بریلی شریف منظر اسلام میں بغرض تعلیم حا
ہوا میری پہلی صبح تھی جو محلہ سوداگران میں
خانقاہ عالیہ کی چھت سے اتر کر میں نما
کے لئے آرہا ہوں پرانی تعمیر دیکھنے والے حضر
جانتے ہیں کہ شمالی جانب غسل خانہ اور
کے متصل کنواں تھا ادھر سے میں مسجد میں

ہو رہا تھا کاشانۂ اقدس سے حضور مفتئ اعظم ہند قدس سرہٗ تشریف لا رہے تھے حضور کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ کنوئیں کی منڈیر سے ہوتے ہوئے مسجد میں داخل ہوا جائے۔ بلکہ دروازۂ مسجد سے داخل ہوا جائے میں ناواقف تھا حضور مدظلہ نے ملاحظہ فرمایا تو بے حد برہمی کا اظہار فرمایا میں خاموش رہا نماز کے بعد مصافحہ و دست بوسی کی پوچھا کہاں سے آئے ہو میں نے بتایا کہ مدرسہ فضل رحمانیہ گونڈہ سے بغرض حصول تعلیم حاضر ہوا ہوں حضرت قبلہ مدظلہ نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا آپ نو وارد و ناواقف ہیں اس راستہ سے مسجد میں آنا نہیں چاہیے۔ میں نے آپ کو سختی سے ڈانٹ دیا آپ معاف کر دیں میں بہت شرمندہ ہوا حضور کا برابر اصرار رہا جب تک کہ میں نے نہ کہہ دیا کہ میں نے معاف کیا اس واقعہ سے میں بہت متاثر ہوا اور حضور کی عظمت میرے دل میں پیوست ہو گئی اور میں نے سوچا کہ اس طرح حقوق العباد کی محافظت کرنے والا آفتاب ولایت کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔

میں ایک ڈیڑھ ماہ بریلی کی تعلیم کا جائزہ لے کر مکان چلا گیا اور آئندہ سال پھر سے حضرت صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیل علوم میں مصروف رہا مگر بارہا اس عالی دربار میں حاضری کا موقع ملا اور حضرت مدظلہ نے اپنے کرم عمیم سے نوازا بالآخر ۱۹۸۱ء میں بریلی شریف رضوی دارالافتاء میں فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا میں خوشخط تھا اس لئے حضرت قبلہ نور اللہ مضجعہ کی خاص عنایت نصیب ہوئی۔ اور ایک شب حضور نے اپنی خوشخطی کی تحریریں زیارت کرائیں اور خوشخطی سے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ولایت و روشن ضمیری کی سند میں یہ واقعہ بہت اہم ہے ناگپور کے ایک سفر میں خدمت کفش برداری کا شرف حاصل ہوا پروگرام کی کثرت اور خدمت دینی میں انہماک کے سبب بہت کم وقت ملتا تھا اس سبب سے میں اپنے معمولات کو روزانہ پورا نہ کر پاتا اور معمولات میں ناغہ ہو جاتا جس کے سبب طبیعت کو تکدر رہتا۔ غالباً ملیگاؤں سے آرہ کے لئے بذریعہ کار روانگی ہوئی جمعہ کی نماز آرہ پڑھنے کا پروگرام تھا میں حضرت قبلہ کے پاس ہی بیٹھا ہوا اپنے دل میں خیال کر رہا تھا کہ حضرت قبلہ کے ہمراہ یہ اچھا سفر ہوا کہ تمام معمولات چھوٹ گئے اور ناغہ ہو گیا فوراً حضرت قبلہ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا پان دیجئے میں نے پان ڈبیا سے نکال کر پیش کیا فرمایا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مجھے تو ایک ہی وظیفہ بتایا تھا اور فرمایا تھا جب کچھ نہ پڑھ سکو تو اسے پڑھ لیا کرو میں تو یہی کرتا ہوں میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت قبلہ کو میرے قلب پر اطلاع ہو گئی اور اسی خیال کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں اس دن سے میں اور زیادہ باادب و محتاط رہنے لگا اور اس واقعہ کے بعد مجھے کلی طور پر اطمینان خاطر ہو گیا کہ میں اس دعا کو روزانہ پڑھ لیا کرتا تھا۔

حضور مفتئ اعظم نور اللہ مرقدہ کے عالی کردار بلند اخلاق علمی بصیرت، جودت طبع، حسن حافظہ خدمت دینی، دینی و قومی دردمندی کے واقعات کثرت سے ہیں اور ان امور میں آپ یگانہ روزگار تھے فرائض و واجبات سنن و مستحبات کی محافظت میں نمایاں خصوصیت کے حامل تھے اتباع سنت کا خاص اہتمام فرماتے تھے خدمت خلق آپ کا عظیم کارنامہ ہے زمانہ دراز تک لوگ آپ کے ذکر سے رطب اللسان رہیں گے فتنۂ ارتداد کے ایام میں آپ نے اس دینی فریضہ کو بہت پابندی سے ادا فرمایا اس کے بعد بھی آپ نے اپنی جد و جہد سے اس دین پاک کی خوب خدمت فرمائی اور فرزندان توحید کو مذہبی رجحان بخشا ان کی عملی زندگی کو بھی سنوارنے کی کوشش کی ہزاروں افراد کو داخل اسلام و سنیت فرما کر جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مولانا سید محمد اجمل میاں اشرفی کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد

زمانہ کہہ رہا ہے مفتیٔ اعظم مگر اجمل
مرا ایماں یہ کہتا ہے برے احمد رضا تم ہو

انسانیت یوں تو ہر دور میں قصۂ عروج وزوال کا اہم کردار رہی ہے مگر کبھی کبھی انسان نے آگے بڑھ کر انسان اور زندگی کے عنوان کو ایسی معراج عطا کی ہے جس نے زوال کے تصور کو بھی عروج کا زینہ قرار دے دیا ہے۔ اس سلسلے کی ابتدا پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہوتی ہے یہی وہ بے مثل اور بے مثال بشریت ہے جس نے قاب قوسین او ادنیٰ کی منزلوں میں پہنچ کر آدمیت کو معراج دوام سے مالا مال فرمادیا جس کی محض نسبت نے امت محمدیہ ــــــ کے گنہگاروں پر سردار ملائکہ جبرئیل امین کو بھی اپنی عظمتوں کے قربان کرنے پر آمادہ فرما دیا۔ یہی وہ لافانی شخصیت ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کے شرف سے نوازا۔ یہی وہ انسان کامل ہے جس نے کائنات کو مسخر فرما کر ہمیشہ کے لئے انسان کو سر بلند فرما دیا اور اپنے عمل و کردار سے ایک ایسی شمع روشن فرمادی جس کے اجالے ایک ایسی زندگی کی ضمانت بن گئے جس نے کبھی صدیق اکبر کا روپ لیا، کبھی فاروق اعظم کا، کبھی عثمان غنی بن کر دنیا کو نوازا اور کبھی علی مرتضیٰ کی شکل میں باب العلم کہلائی۔

الغرض یہی اجالے ہر دور میں انسان کے لئے عظمتوں کے باب بنتے گئے اور دنیا کو حسین اعظم، امام اعظم اور غوث اعظم ملے۔ انسان پر خداوند ذوالجلال والاکرام کا فضل ہوتا رہا اور انسانیت امام غزالی امام رازی، امام بوصیری، حافظ و سعدی و جامی، میر خسرو اور مجدد الف ثانی کے نام سے موسوم ہوتی رہی۔

علم و عمل کے حسین پیکر جب مائل بہ تصوف ہوئے تو دنیا نے انسانیت کو ایک نئے رنگ میں دیکھا اور محی الدین ابن عربی، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، خواجۂ خواجگان معین الدین چشتی، محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء، فرید الدین مسعود گنج شکر، داتا گنج بخش لاہوری اور مسعود غازی رضی اللہ تعالیٰ عنہم زندگی کی آبرو بن گئے۔

لیکن بیسویں صدی جہاں مادی تر[قی]
لے کر آئی وہیں انسانیت کے لئے بدنصیبیوں
محرومیوں ناکامیوں اور ذلت و رسوائی کا حر[ف]
آغاز ثابت ہوئی۔ فطری طور سے مذہب اور
انسان کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور جب مذہب
مجروح ہوتا ہے تو انسانیت کا زوال یقینی ہو جا[تا]
ہے۔ اس لئے اور بھی کہ مذہب جہاں انسان
کو علم آگہی کی ترغیب دیتا ہے وہیں شعور
انسانیت کا بھی باعث بنتا ہے اور جب شعور
و ادراک انحطاط پذیر ہوتا ہے تو انسانیت
تباہی و بربادی کی قربان گاہ پر نظر آتی
ایک ایسے دور میں جب تباہی یقینی ہو جا[تی]
ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشا[د]
کے مطابق اللہ کی طرف سے ایک مجدد بھیج[ا]
جاتا ہے جو مردہ انسانیت میں زندگی کی ایک
نئی روح پھونک دیتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسک[تا]

چودھویں صدی میں امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ رب کریم کا فضل و احسان بن کر تشریف لائے اور ایک مجدد کی حیثیت سے انھوں نے تمام عصری تقاضوں کو لبیک کہتے ہوئے انسانیت کو زندگی کی توانائیوں سے مالا مال فرمایا۔ مذہب کی روح بخشی اور انسان کو عرفان عطا فرمایا۔

وہ انسان جو ایک وقت مادیت و تجربیت کا شکار ہو کر اپنی حیثیت فراموش کر بیٹھا تھا، مذہب کے نام پر مذہب سے بے گانگی، رسول دشمنی اور احسان فراموشی کے قعر مذلت میں گرتا چلا جا رہا تھا اسے امام احمد رضا کی جرأت عمل نے صراط مستقیم پر گامزن فرمایا اور تجدید کے لیے ایسا کارنامہ انجام دیا جس کا نتیجہ ہے کہ آج ان کا نام ہی ایوان تجدید و آمریت میں زلزلہ برپا کر دینے کو کافی ہے۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس انسانی مشن کی تکمیل انھیں کے عظیم صاحبزادے حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی۔

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ جہاں علم و عمل میں یکتائے روزگار تھے وہیں ان کی ذات زہد و تقویٰ، فقر و استغنا، جود و سخا، حلم و بردباری، احسان و ایثار، طہارت و پاکیزگی، ضبط و تحمل، صبر و رضا، ایمان و ایقان، خوش خلقی اور حسن اخلاق کا ایسا حسین مرقع تھی کہ بے ساختہ جمیع الصفات کے الفاظ ان کے لیے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ ان کے اوصاف حمیدہ نے اپنے تو اپنے غیروں کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا اور انصاف پسند دنیا نے تو یک زبان ہو کر انھیں اپنا قائد اور رہنما تسلیم کر لیا ہے۔

اپنے طالب علمی دور کے دو سال جو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سایہ کرم میں جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف میں گزارے۔ حسن اتفاق سے چند روز حضور کی صحبت میں [illegible] شریف گزرے حضور [illegible] میں نے دیکھا کہ حضرت کی زندگی کا ہر لمحہ اعلائے کلمۃ اللہ کی تفسیر تھا آپ کے سارے اوقات فرائض و واجبات کے سوا خدمت خلق پر وقف تھے سنت نبوی علیہ التحیۃ والثنا پر اتنی سختی سے عامل تھے کہ ان کی ادائیں مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اداؤں کی یاد تازہ کرتی تھیں۔ چہرہ مبارک ایسا روشن و تاباں کہ دیکھتے ہی بے اختیار رب قدیر کی قدرت کاملہ پر قربان ہونے کو جی چاہے۔ خرابی صحت و ناتوانی کے باوجود فرائض کی تکمیل میں اتنے مستعد کہ جوانی بھی حیرت و استعجاب کے عالم میں انگشت بدنداں رہ جائے۔ عشق حبیب خدا سے آشنا قلب و ذہن لذت نعت گوئی سے زبان کلام نعتوں کو چار چاند لگا دیا اور دنیائے نعت و منقبت میں عشق و محبت کے ایسے گل بوٹے کھلائے جن کی مہک سے مشام عالم معطر ہو گیا۔

خدمت خلق بچھونا، خدمت دین اوڑھنا اور عشق مصطفیٰ غذا، بس اسی کو سب کچھ جانا سمجھا اور اسی میں زندگی گزار دی۔

ملک میں جب ایمرجنسی نافذ ہوئی اور دین پر خطرات کے بادل منڈلانے لگے تو مصلحت اندیشوں نے اپنے فرائض منصبی کو بھی فراموش کر دیا تھا مگر دین حق کا یہ حق گو سپاہی ساری مصلحت اندیشی اور حالات کی نزاکت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تنہا اعلائے کلمۃ اللہ کا علم ہاتھوں میں اٹھائے اسلام کی آبرو بچا گیا اور دنیا کو پھر کہنا پڑا ؏

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اب ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ چودھویں صدی جسے تمام صدیوں کا ناسور سمجھا گیا تھا حضرت امام احمد رضا اور حضرت مصطفیٰ رضا مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہما کے طفیل آنے والی صدیوں کے لیے بہترین نمونہ ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا روحانی فیضان ہم پر ہمیشہ سایہ فگن رہے اور عالم انسانیت ان کے نقش قدم سے زندگی کے اجالے حاصل کرتا رہے۔ رب کریم گلشن رضویہ کو اسی طرح شاد و آباد رکھے اور ہمیں پھر چمن رضا سے کوئی مصطفیٰ رضا نصیب ہو۔ آمین۔

مفتیٔ اعظم کی فقہی بصیرت

مولانا سید شاہد علی رضوی الجامعۃ الاسلامیہ ۔ رام پور

افتاء کے معنی ہیں فتویٰ دینا فتویٰ شرعی مسائل میں ماہر شریعت کے فیصلہ کو کہتے ہیں ۔ علم فتویٰ وہ علم ہے کہ جس میں جزئی واقعات کی بابت ماہر شریعت فقہاء سے صادر شدہ احکام مروی ہوں تاکہ آنے والے کم علم لوگوں کے لئے عمل آسان ہو ۔

"قال فی مدینۃ العلوم" ھو علم تروی فیہ الاحکام الصادرۃ عن الفقہاء فی الواقعات الجزئیۃ لیسھل العمل علی القاصرین من بعدھم

افتاء ایک نہایت عالی اور کامل فن ہے جو آغاز اسلام میں وجود میں آیا ۔ جس کی مثال اسلام کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی ۔ افتاء چونکہ نہایت اہم اور ذمہ داری کا کام ہے اس لئے اسلام میں ابتدا ہی سے ایک مخصوص محکمہ قائم تھا ۔ جس کا نام "محکمہ افتاء" تھا ۔ اس محکمہ افتاء میں کام کرنے والے لائق وفائق ماہرین قانون فقہاء کرام ہر جگہ موجود رہتے تھے ، تشنگانِ علوم دینیہ میں سے جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ، ان سے دریافت کر سکتا تھا ، ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں ، اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا ۔

افتاء کے لئے ضروری امور

افتاء کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اس کی اجازت عام نہ ہو بلکہ خلیفۃ المسلمین یا حاکم وقت کی طرف سے خاص خاص افراد افتاء کے لئے نامزد کر دیئے جائیں ، تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ "ازالۃ الخفاء" میں رقمطراز ہیں ،

"سابق وعظ و فتویٰ موقوف بود برائے خلیفہ و غیر خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتویٰ نمی دادند و آخر بغیر توقف برائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتویٰ می دادند"

تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن حضرات کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی انھوں نے جب فتوے دیئے تو امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو منع فرما دیا ، بلکہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا دریافت فرمایا کہ تم نے اس مسئلہ میں کیا فتویٰ دیا ؟ اور جب انھوں نے اپنا جواب بیان کیا : تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلہ کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے ۔

دوسرا امر جو افتاء کے لئے اشد ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کیا جائے چنانچہ شام کے سفر کے موقع پر مقام جابیہ میں بے شمار لوگوں کے سامنے مشہور خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ بھی تھے ۔

من اراد القرآن فلیاتہ ابیا ومن اراد ان یسائل الفرائض

۸۹ ـ جولائی ۱۹۳۵ء کو مسجد شہید گنج کی بازیابی کے ضمن میں ہلاک ہونے اور تحریک میں حصہ لینے والوں کی شرعی حیثیت سے ایک استفتار حضرت مفتئ اعظم کی خدمت میں آیا۔

حضرت مفتئ اعظم نے نہایت تفصیل سے دلائل شرعیہ کی روشنی میں ثابت کیا کہ اس تحریک میں حصہ لے کر مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ مسجد کو سکھوں سے آزاد کرائیں اور جو لوگ اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں وہ شہید ہیں۔ لہ

۹۰ـ ۱۳۹۶ھ / ۷۷ ـ ۱۹۷۶ء کا دور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک بھیانک طوفان کا دور تھا، جبراً نسبندی کی جارہی تھی اور پورے ملک میں بلا تفریق مذہب و ملت ہر ایک اس ظلم کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا، بڑے بڑے قائدین ولیڈران کی زبانیں گنگ تھیں بہت سارے نام نہاد مسلم رہنما وعلماء نے حکومت کے خوف سے نسبندی کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ حکومت نے ان فتوؤں کی خوب تشہیر کی۔ حکومت کے اس اقدام کا مقصد صرف یہ تھا کہ نسبندی کے ذریعہ آبادی کم ہوگی اور جب آبادی کم ہوگی تو ملک سے مفلسی دور ہوگی اور جب مفلسی دور ہوگی تو لوگ چین وسکون سے زندگی گزاریں گے۔ یہ سارے باطل توہمات ونظریات اسلامی عقائد وتعلیمات کے بالکل خلاف تھے۔ اس پُرفتن دور میں ہندوستان کا مسلمان ایک ایسے نازک موڑ پر پہنچ چکا تھا جہاں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پوری قوم ایسے میر کارواں کی تلاش میں تھی جو اسے سہارا دے۔ ایمان واعتقاد کی اجڑتی کھیتی کو لالہ زار بنا دے۔ اس حال میں پاسبانِ ناموسِ رسالت، ملت اسلامیہ کے عظیم مجاہد، اہل سنت کے تاجدار حضرت مفتئ اعظم اپنے علمی وروحانی وقار سے ظالم وجابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کھڑے ہوئے۔ آپ نے بے باکی اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے فتویٰ جاری کیا۔

"ضبط تولید کے لئے مرد کی نسبندی یا عورت کا آپریشن متعدد وجوہ سے شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور یہ قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ــــ قرآن عظیم میں ہے ولآمرنهم فليغيرن خلق الله یعنی شیطان بولا میں ان کو بہکاؤنگا، تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدل لیں گے۔ تفسیر صاوی میں ہے من ذالک تغییر الجسم یعنی اسی میں سے جسم کی تغییر ہے۔ اور تفسیر کبیر میں ہے ان معنی تغییر خلق اللہ ههنا هو الاخصاء الخ یعنی اس آیت میں تغییر الخلق کا معنی خصی کرنا وغیرہ ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث ہے لعن اللہ المغیرات خلق اللہ (ملخصًا) یعنی اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو (جسم کی قدرتی بناوٹ کو) بدلنے والی ہیں ــــ نیز اس میں بے وجہ شرعی دوسرے کے سامنے ستر وہ بھی ستر غلیظ کھولا جاتا ہے اور وہ اس کو چھوتا بھی ہے اور یہ تینوں اور بھی حرام ہیں کمافی کتب الفقہ ــــ اور یہ قاطع تولد ہونے کے سبب معنیٔ خصا میں داخل ہے اور انسان کا خصی ہونا یا کرنا بھی بنص قرآن وحدیث حرام ہے جیسا کہ آیت وحدیث سے اوپر گزرا۔ نیز اور حدیث میں آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لیس منا من خصا ولا اختصی یعنی جس نے دوسرے انسان کو خصی کیا یا خود خصی ہوا وہ ہم میں سے نہیں (مشکوٰۃ)۔ یہ گمان کہ کثرت اولاد مفلسی کا باعث ہے غلط ہے بلکہ اللہ ورسول کی نافرمانی و بے حیائی کے کام مفلسی کے اسباب سے ہیں مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاهم ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن۔ اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم ہی تمھیں اور انھیں سب کو رزق دیتے ہیں اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ

لہ محدث اعظم پاکستان۔ مولانا محمد جلال الدین قادری جلد اول ص ۷۶

نوٹ :۔ مسجد شہید گنج سے متعلق حضرت مفتئ اعظم کا مفصل فتویٰ "فتاویٰ مصطفویہ" مصنفہ مفتئ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی جلد دوم ص ۹۵ تا ۱۰۱ مطبوعہ پہلی بھیت

فلیأت نحیداً أو من اراد ان یسائل
عن الفقه فلیأت معاذاً

جو شخص قرآن کریم سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس، اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید بن ثابت کے پاس، اور فقہ کے متعلق دریافت کرنا چاہے تو معاذ بن جبل کے پاس جائے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

افتاء کے لئے تیسرا امر جو نہایت ضروری ہے یہ ہے کہ مفتی، تدین، تورع، عدالت، ثقاہت، اخلاق و عادات میں کامل اور قرآن و حدیث سے پوری طرح واقف ہو مسند دارمی میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا،

"فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو یا امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو"

لوگوں نے دریافت کیا ایسا شخص کون ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تعبیراتِ وعلاماتِ افتاء

مفتیٰ بہ اقوال کی تعبیرات مختلف الفاظ سے کی جاتی ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

(۱) وعلیہ الفتویٰ (۲) وبہ یفتی (۳) وبہ ناخذ (۴) وعلیہ الاعتماد (۵) وعلیہ العمل الیوم (۶) وعلیہ عمل الامۃ (۷) وھو الصحیح (۸) وھو الاصح (۹) وھو الاظھر (۱۰) وھو المختار فی زماننا (۱۱) وھو الاشبہ (۱۲) وھو الاوجہ ــــ ان میں سے بعض الفاظ بعض کی نسبت زیادہ مؤکد ہیں، چنانچہ لفظ فتویٰ، لفظ صحیح، اصح، اشبہ مختار سے آکد ہے اور بہ یفتی لفظ الفتویٰ علیہ سے آکد ہے اور اصح صحیح سے اور احوط احتیاط سے آکد ہے۔

مفتیانِ شرعِ متین

امتِ مسلمہ میں علمائے دین کے دو طبقوں نے خاص طور پر دینِ اسلام کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کر کے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

ایک محدثین کرام کا طبقہ، جس نے احادیث نبوی کی روایات اور ان کے بیان و ضبط کا اہتمام فرمایا اور اسناد و الفاظ پر گہری نظر رکھی۔

دوسرا فقہاء کرام کا طبقہ۔ جس نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مسائل و احکام کا استنباط و استخراج کیا ــــ اور الفاظ حدیث سے زیادہ معانیٔ حدیث اور اس سلسلہ کے اصول و قواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی۔ مفتیانِ شرعِ متین کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے ہے۔

امتِ مسلمہ کے سب سے پہلے مفتی

امتِ مسلمہ کے پہلے مفتی سیدِ عالم نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور یہ نعمتِ عظمیٰ اللہ رب العزت نے آپ کو اپنے فضلِ عمیم سے عطا کی۔ قرآن کریم میں افتاء کا لفظ خود اللہ رب العزت کے لئے بھی وارد ہوا ہے ــــ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ
يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ
فِي الْكِتَابِ۔

(ترجمہ) اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر قرآن پڑھا جاتا ہے۔

يستفتونك قل الله يفتيكم
في الكلالة

(ترجمہ) اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔

ان آیات میں افتاء کی نسبت اللہ رب العزت جل جلالہٗ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس منصب کی جلالتِ شان نمایاں ہوتی ہے۔

منصبِ افتاء پر صحابہ کرام

سیدِ عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان منصب پر آپ کے جلیل القدر صاحب بصیرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فائز تھے، جن کی تعداد علمائے کرام کے قول کے مطابق کچھ اوپر ایک سو تیس ہے، ان میں سے سات حضرات اس خدمت کو خاص طور پر بکثرت انجام دیتے تھے ــــ یہ وہ حضرات ہیں، جن کے فتاویٰ یکجا کئے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کی تعداد اتنی ہو کہ اس کی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں ان سات حضرات کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں۔

(۱) امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب (۲) امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود (۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (۵) حضرت زید بن ثابت (۶) حضرت عبداللہ بن عباس (۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان حضرات کے علاوہ امیر المومنین

حضرت عثمان غنی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو الدرداء وغیرہم بھی صحابہ کرام میں جلیل القدر مفتی تھے۔
(رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

صحابہ کرام کے بعد فتاویٰ

صحابہ کرام کے ذریعہ دینی علوم و فنون نے نشو و نما پائی اور اس طرح چراغ سے چراغ جلتا گیا چنانچہ صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام، تابعین کے بعد تبع تابعین پھر بعد کے علماء و فقہاء نے ہر صدی میں اس سلسلہ کو قائم رکھا۔

کتب فتاویٰ

(۱) فتاویٰ ابوالقاسم احمد بن عبد اللہ بلخی حنفی م ۳۱۹ھ (۲) فتاویٰ تاتارخانیہ[1] از شیخ عالم بن علاء حنفی م ۲۸۶ھ (۳) فتاویٰ ابوبکر محمد بن الفضل بن العباس بلخی حنفی م ۳۱۹ھ (۴) فتاویٰ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی م ۳۷۳ھ (۵) فتاویٰ کبریٰ از صدر شہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز حنفی م ۵۳۶ھ (۶) فتاویٰ نسفیہ از نجم الدین عمر بن محمد نسفی م ۵۳۷ھ (۷) خزانۃ الفتاویٰ[2] از شیخ طاہر بن احمد عبد الرشید بخاری سرخسی حنفی م ۵۴۲ھ (۸) فتاویٰ ابوالفضل[3] رکن الدین کرمانی حنفی م ۵۴۳ھ (۹) جامع الفتاویٰ[4] از ابوالقاسم ناصر الدین محمد بن یوسف سمرقندی حنفی م ۵۵۶ھ (۱۰) فتاویٰ قاضی خان از فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی حنفی م ۵۹۲ھ (۱۱) فتاویٰ ظہیریہ از شیخ ابوبکر ظہیر الدین محمد بن احمد بخاری حنفی م ۶۱۹ھ (۱۲) ادب المفتی والمستفتی۔ از شیخ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن مشہور بابن الصلاح شہرزوری شافعی م ۶۴۳ھ (۱۳) فتاویٰ ولوالجیہ۔ از شیخ ظہیر الدین ابوالمکارم اسحاق بن ابی بکر حنفی م ۷۱۰ھ (۱۴) فتاویٰ قاری الہدایہ۔ از شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی حنفی م ۷۷۳ھ (۱۵) فتاویٰ حنفیہ۔ از شیخ سعد الدین عمر تفتازانی م ۷۹۲ھ (۱۶) البحر الجاری از شیخ تاج الدین عبد اللہ بن علی ۷۹۹ھ (۱۷) آداب الفتاویٰ از شیخ محمد بن محمد مقدسی م ۸۰۸ھ (۱۸) الجامع الوجیز (فتاویٰ بزازیہ)[5] از شیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب مشہور بابن البزاز کردری حنفی م ۸۲۷ھ (۱۹) فتاویٰ قاسمیہ۔ از شیخ قاسم بن قطلوبغا م ۸۷۹ھ (۲۰) فتاویٰ زینیہ۔ از شیخ زین الدین ابن نجیم مصری م ۹۷۰ھ (۲۱) فتاویٰ حامدیہ۔ از شیخ حامد بن محمد قونوی مفتی روم م ۹۸۵ھ (۲۲) فتاویٰ غزی۔ از شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی م ۱۰۰۴ھ (۲۳) فتاویٰ عالمگیری مرتب کنانندہ شہنشاہ ہند محمد اورنگ زیب عالمگیر م ۱۱۱۹ھ (۲۴) فتاویٰ شیخ الاسلام۔ از یحییٰ آفندی م ۱۰۵۳ھ (۲۵) فتاویٰ خیریہ۔ از علامہ خیر الدین رملی م ۱۰۸۱ھ (۲۶) فتاویٰ فیض اللہ خانی از مفتی محمد حنفی رامپوری (۲۷) فتاویٰ عزیزیہ از شاہ عبد العزیز محدث دہلوی م ۱۲۳۹ھ

خانوادۂ رضویہ میں افتاء کی بنیاد

تیرھویں صدی ہجری میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے جد امجد امام العلماء مولانا مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہٗ م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء نے ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں بریلی کی سرزمین پر مسند افتاء کی بنیاد رکھی اور ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء تک فتویٰ نویسی کا کار گراں قدر بحسن و خوبی انجام دیا۔[6]

امام العلماء نے نہ صرف خود مسند افتاء کو زینت بخشی بلکہ اپنے فرزند سعید امام المتکلمین مولانا مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہٗ م ۱۲۹۷ھ کو خصوصی تعلیم و تربیت دے کر مسند افتاء پر فائز کیا۔ مفتی نقی علی خاں دقت نظر اور اصابت فکر میں یگانۂ روزگار تھے، بے پناہ فہم و فراست اور زیرکی و دانائی کے مالک تھے۔ بلندی اقبال، علو ہمت، کرم و مروت، سخاوت و شجاعت، حکام سے عزلت، رزق موروثی پر قناعت، دبدبہ و جلال، عزت و سرفرازی، علم و عقل، نیز دیگر فضائل و خصائل کے جامع تھے

---

[1] عظیم الشان کتاب ہے جس میں محیط برہانی، ذخیرہ، خانیہ اور ظہیریہ وغیرہ کے مسائل جمع کئے ہیں بعض نے اس کا نام "زاد المسافر" بتایا ہے۔
[2] مشہور و معتبر کتاب ہے مگر قلیل الوجود ہے
[3] نہایت مفید و معتبر کتاب ہے
[4] اس کتاب میں چاروں مذاہب کے مطابق مسائل جمع کئے ہیں
[5] نہایت عمدہ اور جامع کتاب ہے۔ ائمہ کرام نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ مفتی ابوالسعود سے لوگوں نے کہا آپ مسائل فقہ میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے؟ آپ نے فرمایا کہ فتاویٰ بزازیہ کے ہوتے ہوئے مجھے کتاب لکھنے میں شرم آتی ہے کیونکہ یہ نہایت عمدہ مجموعہ ہے ۱۲
[6] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو
۱۔ ماہنامہ حجاز جدید دہلی (امام اہلسنت نمبر) ص ۲۴ مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء
۲۔ ماہنامہ فیض الرسول۔ براؤں ضلع بستی۔ ص ۲۸ مجریہ دسمبر ۱۹۸۹ء
۳۔ حیات مولانا احمد رضا بریلوی۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص ۸۴، ۸۶، ۲۱۲

آپ نے مسند افتار پر فائز ہونے کے بعد ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا کارگراں قدر انجام دیا، بلکہ معاصر علمار و فقہا سے اپنی علمی صلاحیت، فقہی بصیرت اور تبحرِ علمی کا لوہا منوا کر مرجع فتاویٰ ہو گئے۔

امام المتکلمین نے یوں تو اپنے جمیع فرزندگان کو زیورِ علم سے آراستہ کیا، مگر فتویٰ نویسی کے لئے خاص طور پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کو منتخب فرمایا — امام احمد رضا نہایت قلیل مدت میں درسی علوم و فنون کے دریاؤں کو عبور کر کے علوم و فنون کے سمندروں میں ایک ماہر شناور کی طرح تیرنے لگے۔ والد ماجد کی امیدوں کا صحیح مرکز بن گئے، یہاں تک ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء کو تیرہ سال دس ماہ اور پانچ دن کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی روز افزوں ترقی دیکھ کر والد ماجد کی مسرتوں کی انتہا نہ رہی — تکمیل کے بعد ہی والد ماجد امام المتکلمین نے فتویٰ نویسی کا کام امام احمد رضا کے سپرد فرما دیا — آپ نے بڑی ذمہ داری سے اسے نبھایا ہی نہیں بلکہ اس میدان میں اپنی انفرادیت اور نمایاں حیثیت سبھی اہل علم و فضل سے منوا لی۔

۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء کو والد ماجد امام المتکلمین نے فتویٰ نویسی کی مطلقاً اجازت عطا فرما دی — پھر والد گرامی امام المتکلمین مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں امام احمد رضا قدس سرہٗ مستقل طور پر مسند افتار پر فائز ہو گئے۔[1]

امام احمد رضا قدس سرہٗ ملک العلمار مولانا ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر ۷ دن اور زندگی بالخیر ہے، تو اسی شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔ اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔[2]

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فقہ میں شیخ عبد الرحمٰن حنفی مکی قدس سرہٗ سے سند حاصل کی، جن کا سلسلہ صحابی رسول سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حدیث و فقہ پر امام احمد رضا کو کمال و عبور حاصل تھا، اس کی نظیر ان کے عہد میں کہیں نہیں ملتی، ان کی فاضلانہ اور محققانہ تصنیف لطیف "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" کی بارہ جلدیں اور کثیر کتب و رسائل اس حقیقت پر گواہ ہیں — ان کی فقہی مہارت و بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

"ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔"[3]

اور فتاویٰ رضویہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندوستان کے مشہور قانون داں اور بمبئی ہائی کورٹ کے جج پروفیسر ڈی ایف ملّا نے کہا تھا۔

"ہندوستان کا بھی بڑا کارنامہ ہے، فقہ حنفی میں بہت کچھ لکھا گیا بالخصوص دو کتابیں تو بہت بڑی لکھی گئیں۔ ایک فتاویٰ عالمگیری اور دوسرے فتاویٰ رضویہ"[4]

پروفیسر مجید اللہ قادری کراچی یونیورسٹی فتاویٰ رضویہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

"فتاویٰ رضویہ تیرھویں صدی ہجری کے عشرۂ آخر اور چودھویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں لکھے جانے والے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو امام اہلسنّت مجدد دین و ملت شاہ احمد رضا بریلوی قادری نوری نور اللہ مرقدہ کی فطانت و ذکاوت، تبحرِ علمی اور تفقہ فی الدین کا ایک عظیم شاہکار ہے، اور ۷۰ سال گزر جانے کے باوجود ایسا جامع مبسوط مدلل اور مبرہن کوئی دوسرا مجموعۂ فتاویٰ نہ تو احناف کے ہاں ہی مرتب ہو سکا اور نہ ہی کسی دوسرے مذہب اہلسنّت و جماعت میں مرتب ہوا۔"[5]

مکہ مکرمہ کے ایک مشہور فاضل سید اسمٰعیل حافظ کتب الحرام نے امام احمد رضا کے فتاویٰ کو دیکھ کر لکھا تھا۔

واللہ اقول والحق اقول انہ لو رآھا (فتاویٰ) ابو حنیفۃ النعمان

---

[1] ماہنامہ حجاز جدید دہلی (امام اہلسنّت نمبر) ص ۲۴ مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء

[2] حیات اعلیٰ حضرت مولانا ظفر الدین رضوی بہاری مطبوعہ بریلی مکتوب بنام مؤلف ۷ر شعبان ۱۳۳۶ھ

[3] دائرہ معارف امام احمد رضا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص ۱۶ مطبوعہ کراچی

[4] ایضاً ص ۱۶

[5] ماہنامہ حجاز جدید دہلی (امام اہلسنّت نمبر) ص ۲۴ مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء

لاقرت عینہ ولجعل مؤلفھا

من جملۃ الاصحاب [۱]

اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں، ان فتووں کو اگر ابوحنیفہ نعمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے (اجلہ) تلامذہ میں شامل فرماتے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی فقہی بصیرت اور علمی تحقیقات نے علمائے عرب وعجم کو حیرت میں ڈال دیا تھا، انھوں نے دل کھول کر امام احمد رضا کو خراج عقیدت پیش کیا اور چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔

امام احمد رضا بریلوی کے دارالافتار میں براعظم ایشیا، براعظم یورپ، براعظم امریکہ اور براعظم افریقہ سے استفتار آتے تھے اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جایا کرتے تھے —— یہ امتیاز، یہ مقبولیت، یہ مرجعیت صرف اور صرف امام احمد رضا ہی کو حاصل تھی —— علمائے دین، مفتیان شرع متین اور قاضیانِ عدالت سب ان سے مستفید ہوتے تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی سرعت تحریر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے مسودات کو نقل کرنے والے بیک وقت چار چار افراد نقل کرتے جاتے تھے —— یہ ابھی فارغ بھی نہ ہوتے کہ پانچواں صفحہ تیار ہو جاتا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنا کچھ لکھا ہوگا۔ [۲]

دارالافتار کا نظم جدید

امام احمد رضا قدس سرہ نے دارالافتار کی روز افزوں ترقی، عالمی شہرت و مقبولیت، اور کثرتِ کار کو دیکھتے ہوئے ایسا لاجواب نظام فرمایا تھا کہ جس کی نظیر سوائے بریلی کے کہیں نہیں ملتی۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے نظم جدید کی رو سے دارالافتار کا نام "رضوی دارالافتار" تجویز کیا اور اس کا مہتمم اپنے نورِ نظر فرزند صغیر بدر الشریعہ والطریقہ، مرجع العلمار والفقہار تاجدار اہلسنت حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کو مقرر فرمایا۔ [۳]

امام احمد رضا قدس سرہ فتویٰ نویسی کا کام عموماً دو مقام پر کرتے تھے۔ ایک باہر "رضوی دارالافتار" میں —— دوسرا اندر مکان میں۔

باہر دارالافتار میں کام کرنے والے حضرات کو نظم جدید کی رو سے دو منصب عطا کئے تھے۔ ایک پیش کار —— دوسرا امین الفتویٰ۔

پیش کار

اس نظم جدید کی رو سے ملک العلمار مولانا ظفر الدین رضوی بہاری قدس سرہٗ م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء، امام احمد رضا قدس سرہ کے پیش کار ہوئے —— ان کا کام نماز عصر کے بعد باہر کی آئی ڈاک پیش کرنا تھا۔ جن کا جواب امام احمد رضا قدس سرہ بولتے جاتے تھے اور ملک العلمار لکھتے جاتے تھے —— استناد کے موقع پر کتب فتاویٰ کی عبارتیں بھی امام احمد رضا برجستہ ہی پڑھ دیتے، حالانکہ اس وقت کوئی کتاب بھی پاس نہ ہوتی تھی۔

ملک العلمار مولانا ظفر الدین رضوی بہاری خطیب جامع مسجد ہو کر شملہ چلے گئے، تو ان کی جگہ صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی رضوی اعظمی قدس سرہٗ پیش کاری کے منصب پر فائز ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ بیک وقت پیش کار بھی تھے۔ منظر اسلام کے مدرس بھی تھے۔ اور مطبع اہلسنت کے مہتمم بھی تھے۔ یہ سب فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔ اسی حالت میں تصنیف بہار شریعت کا کام بھی جاری تھا اور بوقت ضرورت مناظرہ کے لئے بھی یہی بھیجے جاتے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ کی پیش کاری تاحیات امام احمد رضا قدس سرہٗ جاری رہی اور دیگر کارہائے متعلقہ جو پہلے سے کر رہے تھے بدستور کرتے رہے۔

امین الفتویٰ

امین الفتویٰ کا کام چھوٹے چھوٹے فتووں کا جواب لکھنا اور جو فتوے اندر زنانہ مکان سے امام احمد رضا قدس سرہ کے لکھے ہوئے آئیں ان کا فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں نقل کرنا تھا۔ امین الفتویٰ کا نقل کا کام بہت بڑا تھا۔ امام احمد رضا بعض معمولی مسائل پر اندر سے رسائل لکھ کر بھیج دیتے تھے۔ پھر ان کی روزانہ کی تصنیف کوئی ایک شخص نقل

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ ا۔ سیرت اعلیٰ حضرت۔ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ص ۱۱۵ مطبوعہ بریلی

[۲] ماہنامہ حجاز جدید دہلی (امام اہلسنت نمبر) ص ۲۴ - مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء

[۳] قاضی عبدالرحیم بستوی مفتی مرکزی دارالافتار بریلی نے تاج الشریعہ فقیہ اسلام حضرت جانشین مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کی موجودگی میں مرکزی دارالافتار میں فرمایا کہ یہ روایت خود حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مجھ سے رضوی دارالافتار میں بیان فرمائی ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ (گلاب) حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بہاری دام ظلہ نے فقیر نوری سے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم نے خود مجھ سے بھی یہ روایت فرمائی۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ

نہیں کر سکتا تھا۔

نظم جدید کی رو سے امین الفتویٰ کے منصب پر مولانا سید غلام محمد اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی علیہما الرحمۃ والرضوان فائز ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا عبدالرحمٰن بہاری اور مولانا نواب مرزا بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان امین الفتویٰ ہوئے۔ مولانا نواب مرزا بریلوی کے ہٹنے پر مولانا شفیع احمد خاں بیسل پوری علیہ الرحمۃ والرضوان امین الفتویٰ ہوئے ـــــ ان کے بعد امین الفتویٰ کے منصب پر یکے بعد دیگرے، دو نوجوان فاضل آئے۔ پہلے برہان ملت مولانا برہان الحق جبل پوری قدس سرہٗ ـــــ ان کی واپسی وطن کے کچھ دن بعد محدث اعظم ہند مولانا سید ابوالمحامد محمد کچھوچھوی قدس سرہٗ نے مسند امین الفتویٰ کو رونق بخشا۔[1]

محدث اعظم ہند مولانا سید ابوالمحامد محمد کچھوچھوی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں۔

(امام احمد رضا قدس سرہٗ کی) عادت کریمہ یہ تھی کہ استفتاء ایک مفتی کو تقسیم فرما دیتے۔ اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کرتے جوابات مرتب کرتے ـــــ پھر عصر و مغرب کے درمیان مختصر ساعت میں ہر ایک سے پہلے استفتاء پھر فتویٰ سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے ـــــ اسی وقت مصنفین اپنی تصنیف دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی، جو کہنا ہو کہیں اور جو سنانا ہو سنائیں، اتنی آوازیں، اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا ـــــ جوابات کی تصحیح و تصدیق و اصلاح، مصنفین کی تائید و تصحیح اغلاط ـــــ زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے۔ اور فلسفیوں کے اس خبط کی کہ "لا یصدر عن واحد الا الواحد" کی دھجیاں اڑ رہی ہیں ـــــ جس ہنگامہ سوالات و جوابات میں بڑے بڑے اکابر علم و فن سر تھام کر چپ ہو جاتے ہیں کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں وہاں سب کی سنوائی ہوتی تھی ـــــ اور سب کی اصلاح فرما دی جاتی تھی ـــــ یہاں تک کہ ادبی خطا پر بھی نظر پڑ جاتی اور اس کو درست فرما دیا کرتے تھے۔[2]

مسائل ترکہ کا انتظام

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے دارالافتاء میں مسائل ترکہ کا انتظام ابتداء ہی سے بہت معقول رہا ـــــ ابتداء یہ کام امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ابتدائی شاگرد مولانا نواب سلطان احمد خاں بریلوی کرتے تھے جو محلہ بہاری پور میں رہتے تھے اور مولانا محمد رضا خاں بھی کام بڑھنے کے بعد شریک کار بن گئے جو محلہ سوداگران میں رہتے تھے۔ اس لئے ان کی طرف رجوع بڑھ گیا اور وہ مسائل کا مرکز بن گئے۔

پہلے تو بریلی ہی کے مسائل ترکہ آتے تھے۔ باہر کے لوگوں کو جب معلوم ہوا تو بیرون جات کے مناسخے آنے لگے ـــــ اب کام کی کثرت اور بڑھ گئی۔ تو جامعہ رضویہ منظر اسلام کے طلباء کو بھی تیار کر لیا گیا ـــــ اس طرح کام بھی سمٹتا رہا اور طلباء بھی اس کام کو سیکھ گئے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ مسائل ترکہ لکھنے سے اس لئے گریز فرماتے تھے کہ ترکہ کا مقدمہ لڑنے کی صورت میں مناسخہ لکھنے والے کو تصدیق کے لئے کچہری جانا پڑتا تھا ـــــ امام احمد رضا کو انگریز اور اس کی کچہری سے ہمیشہ نفرت رہی امام احمد رضا نے یہ عہد فرما لیا تھا کہ کچہری نہ جاؤں گا ـــــ وہ عمر کے کسی حصہ میں کچہری کے کمرے میں نہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا عہد قائم رکھا۔[3]

شہزادگان کو فتویٰ نویسی کی تربیت

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجد مفتی نقی علی خاں قدس سرہٗ کے نقش قد[م] پر چلتے ہوئے اپنے دونوں شہزادوں حجۃ الاسلا[م] اور مفتی اعظم کو زیور علم سے آراستہ کر کے باقاعدہ فتویٰ نویسی کی خصوصی تعلیم و تربیت دی۔ چنانچہ امام احمد رضا جب اندر مکان میں فتاویٰ اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے تو کتب خانہ رضویہ سے کتابیں نکال کر حوالہ [ک]ی نشاندہی کی خدمت شہزادہ کبیر حجۃ الاسلام مولانا مفتی محمد حامد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے سپرد تھی ـــــ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں استا[ذ] زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی قدس سر[ہٗ]

---

[1] ماہنامہ قاری، دہلی (امام احمد رضا نمبر) ص ۳۴۳ مجریہ اپریل ۱۹[۸۹ء]

[2] سیرت اعلیٰ حضرت۔ مولانا حسنین رضا خاں بر[یلوی] ص ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷

[3] سیرت اعلیٰ حضرت۔ مولانا حسنین رضا خاں بر[یلوی] ص ۱۱۷، ۱۱۸ مطبوعہ بریلی

کے وصال کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی کا اہتمام جب شہزادۂ کبیر حجۃ الاسلام مولانا مفتی محمد حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے سپرد ہوا۔ تو حجۃ الاسلام کی جگہ شہزادۂ صغیر مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا بریلوی قدس سرہٗ کو یہ خدمت تفویض کی گئی کہ ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات کی تیاری میں جب امام احمد رضا کے حوالہ کے لئے کسی عبارت کی ضرورت ہو تو وہ کتب خانہ رضویہ سے کتاب نکال کر حوالہ کی نشاندہی کریں اور امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کردیں ـــــ حضرت مفتی اعظم نے کمال حسن و خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔[1]

حضرت مفتی اعظم کی یہی وہ خدمت تھی جس نے آپ کو مفتی اعظم بنایا ـــــ اسی خدمت نے آپ کو امام احمد رضا کا دست راست بنایا۔ اور اسی خدمت نے آپ کو امام احمد رضا قدس سرہٗ کا معتمد و جانشین بنایا۔

مفتی اعظم کی فتویٰ نویسی کا آغاز

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں جب حضرت مفتی اعظم کی عمر مبارک ۱۸ سال تھی، آپ کسی کام سے رضوی دارالافتاء میں پہنچے تو وہاں ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی فتویٰ لکھنے کے لئے رضاعت کے کسی مسئلہ پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے ـــــ بات کچھ الجھی تو ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ اٹھے تاکہ الماری سے فتاویٰ رضویہ نکال کر اس سے روشنی حاصل کریں ـــــ حضرت مفتی اعظم نے فرمایا :

"تو عمری کا زمانہ تھا۔ میں نے کہا! فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو؟ مولانا نے فرمایا! "اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں" ـــــ میں نے فوراً لکھ دیا۔ وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔[2]

جب فتویٰ اصلاح کی غرض سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو امام احمد رضا نے خط پہچان لیا۔ دریافت فرمایا کس نے دیا ہے؟ لے جانے والے نے بتایا کہ "چھوٹے میاں" نے (گھر میں لوگ پیار میں حضرت مفتی اعظم کو چھوٹے میاں کہتے تھے) امام احمد رضا نے طلب فرمایا۔ مفتی اعظم خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت باغ باغ ہیں، پیشانی اقدس پر بشاشت سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ فرمایا اس پر دستخط کرو، دستخط کروانے کے بعد امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر اپنے دستخط فرمائے ـــــ اس طرح اگر ایک طرف حضرت مفتی اعظم رضوی دارالافتاء کے مفتیان کرام پر سبقت لے گئے ـــــ تو دوسری طرف امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی طرف سے فتویٰ نویسی کی باقاعدہ اجازت مل گئی۔

فتویٰ نویسی کے اس حسن آغاز پر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے شہزادۂ صغیر مفتی اعظم کو پانچ روپے بطور انعام عطا فرما کر ارشاد فرمایا

"تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں ـــــ اب فتویٰ لکھا کرو ـــــ اپنا ایک رجسٹر بنا لو ـــــ اس میں نقل بھی کیا کرو۔[3]

امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے دست مبارک سے مہر کا خاکہ تیار فرمایا، مندرجہ ذیل عبارت لکھی۔

"ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن
عرف محمد مصطفےٰ رضا۔"

مولانا حافظ یقین الدین بریلوی علیہ الرحمۃ کے بھائی کے حوالہ کیا ـــــ جب مہر بن کر آگئی۔ تو شہزادۂ صغیر حضرت مفتی اعظم کو بلا کر عطا فرمائی۔ یہ مہر دینی شعور کی سند تھی اور اصابتِ فکر کا اعلان تھا۔[3]

فقیہ عصر مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری حضرت مفتی اعظم کے اس پہلے فتویٰ کے متعلق رقم طراز ہیں :

"یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ اور ان کے آئینۂ جمال و کمال مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ "رضاعت" ہی کا لکھا تھا۔"

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو

۱۔ سیرت اعلیٰ حضرت، مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ص ۱۱۹ مطبوعہ بریلی

۲۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی۔ ص ۱۰ مجریہ جولائی ۱۹۶۵ء

۳۔ ماہنامہ استقامت، کانپور (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۱۵۰۔۱۵۲ مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت۔ مولانا محمود احمد قادری ص ۲۳۳ مطبوعہ بہار

[2] پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸ مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء (مضمون فقیہ عصر مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم)

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو

۱۔ تذکرہ علمائے اہلسنت۔ مولانا محمود احمد قادری ص ۲۳۳، ۲۳۴ مطبوعہ بہار

۲۔ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸ مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء

۳۔ ماہنامہ استقامت، کانپور (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۱۱۲۔۱۵۲ مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتوی
پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا۔
نہ ایک لفظ بڑھایا۔ کوئی اصلاح
نہ کی۔ پہلا فتوی ہی حضرت مفتی اعظم
نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ کہیں اس
میں کوئی انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی ؎
آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا ۱؎

امام احمد رضا قدس سرہ کو اپنے
فرزند اصغر مفتی اعظم کی فقاہت و ثقاہت
پر اس نوعیت کا اعتماد تھا کہ اپنے بعض
فتاوی پر ان کے تائیدی دستخط کرواتے تھے ۲؎

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی
حیات طیبہ میں سینکڑوں مسائل اپنے شہزادہ
صغیر حضرت مفتی اعظم سے لکھوائے اور ان
کی تصدیق و تصویب فرما کر اپنے دستخط کرتے ۳؎

رجب ۱۳۳۹ھ میں اعلیٰ حضرت
مجدد دین و ملت امام احمد رضا قدس سرہ
نے متحدہ ہندوستان کے لئے "دار القضاء
شرعی" قائم فرمایا۔ اور بعض علمائے کرام کی موجودگی
میں حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی
رضوی اعظمی اور حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ
رضا نوری بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان کو
منصب افتاء و قضاء پر مامور فرماتے ہوئے
ارشاد فرمایا!

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے
عطا فرمایا ہے، اس کی بنا پر ان دونوں
(صدر الشریعہ، مفتی اعظم) کو نہ
نہ صرف مفتی، بلکہ شرع کی جانب سے
ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ
ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک
قاضی اسلام کی ہوتی ہے۔ ۴؎
پھر اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام
کے لئے قلم دوات وغیرہ سپرد فرمایا اور
مقدمات کے فیصلے کروائے۔ ۵؎

۱۹۴۶ء میں برصغیر کے ہزاروں علماء
و مشائخ نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس
کے موقع پر برصغیر کے لئے جس دار القضاۃ کے چند
مفتیان کرام کے اسماء پر اتفاق کیا، ان میں
حضرت مفتی اعظم کا نام نامی سرفہرست ہے۔ ۶؎

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کا ایک
تاریخ ساز اجلاس ۲۴ تا ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ
۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس
میں پانچ سو مشائخ عظام، سات ہزار علمائے کرام
اور دو لاکھ سے زائد عوام اہلسنت شریک ہوئے۔
اس اجلاس میں حضرت مفتی اعظم نے مرکزی
کردار ادا کیا اور کانفرنس کی طرف سے مسلمانوں
کی فلاح و بہبود کے لئے جو مختلف کمیٹیاں بنائی
گئیں، ان میں سے بعض کی سربراہی حضرت
مفتی اعظم نے قبول فرمائی۔ جن مجالس میں
آپ کا انتخاب ہوا وہ یہ ہیں:
تعلیم، پاکستان، دار القضاۃ، عائلی
قوانین، جمعیت آئین ساز۔ ۷؎

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے
اس تاریخ ساز اجلاس کی مجلس سوم میں
۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو بوقت ۹ بجے صبح تا ایک بجے
دوپہر اندرون باغ فاطمان میں جو ۲۱ تجاویز
باتفاق رائے منظور ہوئیں۔ ان میں تجاویز
نمبر ۹۔۱۰۔۱۱۔۱۲۔ اور ۱۳ ملاحظہ ہوں۔

(۹) آل انڈیا سنی کانفرنس کا [illegible] اجلاس

۱؎ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸ مجریہ یکم فروری ۱۹۸۰ء
۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو
۱۔ الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنۃ، ص ۴، ۵، مطبوعہ
۲۔ اخبار دبدبہ سکندری، رامپور شمارہ ۱۶ جلد ۵۹ ص ۳
مجریہ ۳۱ مارچ ۱۹۱۳ء
۳۔ اخبار دبدبہ سکندری، رامپور شمارہ ۴۴ جلد ۵۰ ص ۳
مجریہ ۲۸ ستمبر ۱۹۱۳ء
۴۔ اخبار دبدبہ سکندری، رامپور شمارہ ۲۱ جلد ۵۶ ص ۱۰
مجریہ ۱۶ فروری ۱۹۲۰ء
۳؎ روزنامہ پیسہ اخبار لاہور ص ۴۔ مجریہ ۳ دسمبر ۱۹۲۰ء
۴؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو
۱۔ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸ مجریہ یکم فروری [illegible]
۲۔ فتاوی رضویہ کتاب النکاح باب المحرمات دوم [illegible]
ص ۱۱۲ مطبوعہ حسنی پریس بریلی
۳۔ الربع الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی ص ۲۵
مطبوعہ روز بازار امرتسر
۵؎ سوانح حیات خود نوشت۔ بحوالہ مقدمہ فتاوی امجدیہ جلد [illegible]
مطبوعہ کراچی ۱۹۸۰ء
(۱) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری جلد [illegible]
ص ۱۴۱ مطبوعہ لاہور
(ب) ماہنامہ استقامت، کانپور (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۴
مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
۶؎ (۱) اخبار دبدبہ سکندری، رامپور مجریہ مئی ۱۹۴۶ء
(ب) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مولانا محمد جلال [illegible]
قادری مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۸ء
۷؎ (۱) اخبار دبدبہ سکندری، رامپور مجریہ ۳۰ مئی، ۲۰ مئی
۳ جولائی، ۱۰ جولائی، ۲۲ جولائی، یکم اگست
(ب) خطبہ صدارت۔ از محدث اعظم ہند مولانا سید ابو المحامد
کچھوچھوی، مطبوعہ الہ آباد
(ج) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس۔ مولانا محمد جلال الدین
قادری۔ مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۸ء
(د) محدث اعظم پاکستان۔ مولانا محمد جلال الدین قادری
جلد اول ص ۷۹ مطبوعہ لاہور

ماہنامہ حجاز جدید دہلی

تجویز کرتا ہے کہ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے آستانہ پر حضرت مفتیٔ اعظم کے زیر قیادت ایک مرکزی دارالافتار کا انتظام کیا جائے، جس میں کم از کم چار جید عالموں کی خدمات حاصل کی جائیں اور فقیہ اعظم صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب دامت برکاتہم اس کی سرپرستی و نگرانی فرمائیں۔

۱۰۔ ملک کے کسی مقام پر جس کسی فتوے میں تردد یا اختلاف پیش آئے آخری حکم معلوم کرنے کے لئے اس دارالافتا میں بھیجا جائے۔ دینی و مذہبی رسائل چھپنے سے قبل یہاں بھیج کر تصدیق و تصحیح بھی کرائی جا سکتی ہے، اس طرح مذہبی نظام انتشار و اختلاف سے محفوظ رہے گا۔

۱۱۔ اس دارالافتار کے مصارف کے لئے اسلامی ریاستوں سے اور اہل ثروت مسلمانوں سے امدادیں طلب کی جائیں۔

۱۲۔ اسلامی مدارس اس دارالافتار کے لئے حسب حیثیت ماہانے مقرر کریں۔

۱۳۔ خانقاہوں کے اوقاف سے اعانتیں مقرر کرائی جائیں۔[۱]

فقیہ عصر مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:

"اعلیٰ حضرت (قدس سرہٗ) کے وصال کے بعد آستانہ پر آنے والے ہزار ہزار مسائل لکھنے والے صرف دو تھے ایک حضرت مفتیٔ اعظم دوسرے صدر الشریعہ ــــ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگرچہ حضرت مفتیٔ اعظم کے استاد تھے، خود زبردست مفتی تھے۔ مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرمادیتے ــــ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے ــــ اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتیٔ اعظم آستانے پر آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔ اس زمانہ میں لوگ دین دار آج کے بہ نسبت بہت زیادہ تھے۔ ہر معاملہ میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہلسنت کے بہت کم تھے۔ آج بحمدہٖ تعالیٰ مدارس بکثرت ہیں اور تقریباً ہر مدرسہ میں دارالافتار ہے۔ اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتیٔ اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے۔ پھر فتویٰ کی شان وہ تھی کہ سب میں اعلیٰ حضرت کا طرز موجود ہے۔ وہی اسلوب بیان ــــ وہی زور استدلال۔ وہی جزئیات فقہ کے شواہد کا ذخیرہ ــــ معلوم ہوتا تھا کہ مفتیٔ اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا ــــ اس وقت ملک کے طول و عرض میں بہت سے تھے کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتیٔ اعظم کے فتویٰ میں تھی۔ نہیں ملتی ــــ اور نہ ملے گی۔

نو پیدا جدید مسائل پر ایسی مضبوط رائے قائم فرمائے کہ بڑے سے بڑا ــــ ذہین عالم اس کی تغلیط کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہے یا نہیں؟ ــــ جمہور علمائے اہلسنت کا فتویٰ یہ کہ صحیح نہیں۔ اور حضرت کی بھی تحقیق ہے۔ کچھ لوگوں نے اس میں اختلاف کیا۔ عرس مقدس پر علمار نے ایک مشترکہ مجلس رکھی۔ وہ لوگ بھی حاضر ہوئے۔ گفت گو ہوئی ــــ بقیہ علمار خاموش تماشائی تھے۔ تین حضرات ایک طرف۔ حضرت نے تن تنہا ان لوگوں کے استدلال و شبہات کے ایسے جواب ارشاد فرمائے کہ حاضرین علمار کو اطمینان ہو گیا ــــ اور وہ لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔ اس گفت گو کا کچھ اقتباس میں نے اپنے بعض فتاویٰ میں لکھا ہے۔ جو المیزان، بمبئی پھر پاسبان الٰہ آباد کے کئی شماروں میں چھپ چکا ہے۔

انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ کچھ علمار اس کے قائل ہیں کہ مطلقاً ہر انجکشن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے ــــ کچھ علمار اس کے قائل ہیں روزہ بھی فاسد نہیں ہوتا اور کوئی کراہت بھی نہیں۔ حضرت مفتیٔ اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ "روزہ فاسد نہیں ہوتا مگر مکروہ ہے" ــــ یہ ایک متن ہے ــــ اس کی شرح میرے متعدد فتاویٰ میں موجود ہے۔ جن میں سے بعض المیزان وغیرہ میں چھپ چکے ہیں انھیں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مفتیٔ اعظم کا تفقہ کتنا بلند تھا ــــ فکر کتنی نکتہ رس تھی ــــ اور فیصلہ کتنا محکم۔

اب دارالافتار میں صرف فقہی و اعتقادی سوالات ہی نہیں آتے۔ اب تو حدیث، تفسیر، تاریخ، جغرافیہ، اسمار الرجال، اصول فقہ حتیٰ کہ علم معنی و بیان و بدیع بلکہ صرف و نحو حتیٰ کہ فلسفے کے بھی آتے ہیں۔ لیکن کوئی سوال ہو ــــ کسی باب کا ہو ــــ حضرت مفتیٔ اعظم کے یہاں کبھی کسی سائل کو تشنگی نہ رہی ــــ کہنے کو مفتیٔ اعظم تھے۔ مگر حقیقت میں محدث اعظم بھی تھے۔ مفسر اعظم بھی تھے ــــ مورخ اعظم بھی تھے۔ مختصر یہ کہ اعظم الاعظم تھے۔

---

[۱] خطبۂ صدارت، محدث اعظم ہند مولانا سید ابو المحامد اشرفی کچھوچھوی ص ۳۰ ــ ۳۱ مطبوعہ اہلسنت برقی پریس مراد آباد

(ب) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مولانا محمد جلال الدین قادری ص ۲۸۴ ــ ۲۸۵ مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات (بار اول) ۱۹۷۸ء

حق یہ ہے کہ علم وفضل کے آفتاب عالم تاب
تھے جیسے آسمان میں صرف ایک آفتاب ہے۔
آسمان علم وعرفان، فضل وکمال، زہد وورع پر صرف
ایک آفتاب تھا جسے دنیا مفتیٔ اعظم
کہتی تھی۔ وہ ہدایت کے نیر اعظم تھے۔ اور
ایسے نیر اعظم تھے کہ پوری دنیا پر بیک وقت
ضو فشانی کرتے تھے۔ ؎

حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ جب
حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تھے تو حجاز،
مصر، شام، عراق اور ترکی وغیرہ کے علمار عالم نے
آپ سے مسائل دریافت کئے۔ علاوہ ازیں
آپ کے پاس عرب، افریقہ، ماریشس، انگلینڈ،
امریکہ، سری لنکا، ملیشیا، بنگلہ دیش اور
پاکستان سے استفتار آئے آپ نے ان
کے جواب تحریر فرمائے۔ ؎

رویت ہلال سے متعلق استفتار کا جواب

جنرل محمد ایوب خاں سابق صدر
پاکستان کے دور میں پاکستانی حکومت کی طرف
سے ایک رویت ہلال کمیٹی قائم کی گئی تھی جس
کے ذمہ عید وبقر عید کے موقعوں پر ہوائی
جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنا تھا اور پھر رویت
ہلال کمیٹی کی تصدیق پر حکومت کی طرف سے
چاند کی رویت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ ایک
مرتبہ عید کے موقع پر ۲۹ رمضان المبارک کو
اس کمیٹی کے کچھ افراد ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند
دیکھنے گئے، مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلا دیش)
سے مغربی پاکستان جاتے ہوئے ان افراد کو
چاند نظر آگیا اور انھوں نے اس کی اطلاع
حکومت وقت کو دے دی۔ جس کے نتیجہ میں

ماہنامہ حجاز جدید دہلی

حکومت نے رویت ہلال کا اعلان کر دیا مگر
پاکستان کے سنی علمار نے اس پر کوئی کان
نہیں دھرا۔ دنیائے اسلام کے بیشتر
ممالک میں مفتیان کرام سے اس مسئلہ میں فتویٰ
مانگا گیا۔ اور ایک استفتار حضرت مفتیٔ اعظم
کی خدمت میں روانہ کیا۔ دنیا کے تقریباً
تمام مفتیان کرام نے رویت ہلال کمیٹی کی تائید
کی مگر حضرت مفتیٔ اعظم نے اسے نہیں مانا اور
اپنا فتویٰ صادر فرمایا کہ

"چاند کو زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنے
اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے
اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں
شرعی شہادت پر قاضیٔ شرع حکم
دے گا۔ چاند کو سطح زمین سے
یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہو وہاں
سے دیکھنا چاہئے۔ رہا جہاز سے چاند
دیکھنا۔ تو یہ غلط ہے، کیونکہ چاند
غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا۔
اس لئے کہیں چاند ۲۹ کو اور کہیں
۳۰ کو نظر آتا ہے۔ اور اگر جہاز
میں چاند دیکھ کر رویت کا اعلان درست
ہوتا تو مزید بلندی پر جاکر چاند ۲۷،
۲۸ تاریخ کو بھی نظر آسکتا ہے۔
تو کیا ۲۷، ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھ کر
یہ حکم صادر کیا جاسکتا ہے کہ اگلے روز
عید یا بقر عید جائز ہے۔ اسی طرح
جہاز سے چاند دیکھ کر یہ فتویٰ صادر
کرنا کہ ۲۹ کا چاند دیکھنا معتبر ہے۔
بھلا کس طرح صحیح ہوگا۔"
"فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہٗ"

حضرت مفتیٔ اعظم کے اس فتویٰ کو پاکستا[ن]
کے ہر اخبار میں جلی سرخیوں سے شائع کیا گیا
اور اگلے ماہ ۲۷، ۲۸ تاریخوں میں حکومت کی
جانب سے اس بات کی تصدیق کرائی گئی۔ تو
بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آگیا۔
تب حکومت نے مفتیٔ اعظم کے فتویٰ کو تسلیم کر
رویت ہلال کمیٹی توڑ دی اور وہاں تمام
مفتیان کرام نے مفتیٔ اعظم کے علم وفضل کے
سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں اور اس کے بعد
ہوائی جہاز کے ذریعے چاند دیکھنے کا سلسلہ
منسوخ کر دیا گیا۔ ؎

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں سکھوں نے انگ[ریز]
حکام کی پشت پناہی میں مسجد شہید گنج لاہور
مسمار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ عمارت اور [illegible]
گوردوارہ کی ہے۔ مسلمانوں نے غاصبانہ قبضہ
کر رکھا ہے۔ مسجد کے انہدام پر [illegible]
کے مسلمان تڑپ اٹھے۔ مسجد کی واگذار[ی]
کے لئے جلسے جلوسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا
بد قسمتی سے مجلس احرار نے مسلمانوں کے اجتما[عی]
مسائل میں نہ صرف عدم شرکت کی بلکہ اس [illegible]
اسلامی تحریک کی مخالفت کی اور یہ پروپیگن[ڈہ]
کیا کہ اس تحریک میں حصہ لینا جائز نہیں
جو مسلمان اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش
کر رہے ہیں ان کی موت حرام ہے، وہ شہید
نہیں۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ/[illegible]

۱؎ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۹،۸ مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء
۲؎ ماہنامہ استقامت، کانپور (مفتیٔ اعظم ہند نمبر) ص ۱۱۳
مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
۳؎ ماہنامہ استقامت، کانپور (مفتیٔ اعظم ہند نمبر) ص ۱۱۶
مجریہ مئی ۱۹۸۳ء (بحوالہ مفتیٔ اعظم ہند از علامہ سید ریاست علی [illegible]
کراچی۔ پاکستان)

جوان میں کھلی ہیں اور جو چھپی —
الحاصل نسبندی یا آپریشن شریعت
اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں۔ لہٰذا
اس سے سخت احتراز لازم ہے
واللہ تعالیٰ اعلم
فقیر مصطفےٰ رضا نوری غفرلہٗ [1]
چونکہ ذرائع ابلاغ پر حکومت کے
ہنی پنجوں کا مضبوط قبضہ تھا۔ ان کو اشاعت
ذریعہ بنانا ممکن نہ تھا۔ آپ نے حکومت کے
لاف نسبندی کے ناجائز و حرام ہونے کا فتویٰ
ا نکلوا اسٹائل کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں
پھیلا دیا۔ اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز
کر حضرت مفتیٔ اعظم کا جرأت مندانہ
قدام دینِ مصطفےٰ کی حفاظت کا ذریعہ بن
یا اور ظالم و جابر حاکم ایمرجنسی کے دور میں
پ کے فتویٰ کے مقابل بے بس ہو کر رہ گیا۔
سبندی کے خلاف فتویٰ جاری کرنے اور
سے شائع کرنے کی بنا پر ضلع کلکٹر نے مسلح
رس کے ساتھ حضرت مفتیٔ اعظم کی محبوسی
لیے سخت ہدایات جاری کر دیں۔ لیکن
ب صوبائی وزیر اور سابق اسپیکر صوبہ یو۔ پی نے
مرکزی حکومت سے رابطہ قائم کر کے صورت
حال سے آگاہ کیا اور کہا اگر حضرت مفتیٔ اعظم
کو گرفتار کیا گیا تو پورے ملک میں بے چینی
اور تشدد کے واقعات رونما ہوں گے۔ دیگر
ذرائع نے بھی مرکزی حکومت کو یہی خبر دی کہ
حضرت مفتیٔ اعظم کی گرفتاری سے حالات
مزید ابتر ہو جائیں گے، اس لیے کہ وہ کسی حال
میں بھی اپنا فتویٰ واپس نہیں لیں گے۔ اس پر
مرکزی حکومت نے مداخلت کی اور بریلی کی

انتظامیہ کو ہدایت کی کہ گرفتاری کے احکام ختم
کر دیے جائیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حکومت
خود بخود ختم ہو گئی۔ [2]

حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ نے
اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہٗ کی
حیاتِ ظاہری میں ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء سے ۱۳۴۰ھ/
۱۹۲۱ء تک فتاویٰ لکھے — والد ماجد کے
وصال کے بعد ۱۳۹۵ھ تک مسلسل فتویٰ نویسی
کی۔ اس کے بعد ضعف و علالت کی وجہ سے
فتویٰ نویسی کا کام نہ ہو سکا۔ تاہم آخری
لمحات تک مفتیانِ دین کی علمی مشکلات کو زبانی
حل فرماتے رہے۔ اس طرح ۷۰ سال کے
طویل عرصہ تک بلا معاوضہ فتویٰ نویسی کی
خدمت انجام دی۔ حضرت مفتیٔ اعظم
قدس سرہٗ کی بارگاہ میں جس زبان میں استفتاء
کیا جاتا تھا اسی زبان میں فتویٰ صادر
فرماتے تھے۔ حضرت مفتیٔ اعظم کی بارگاہ
سے مندرجہ ذیل زبانوں میں فتاویٰ دیے گئے ہیں۔
۱۔ اردو ۲۔ فارسی ۳۔ عربی [3]

حضرت مفتیٔ اعظم کے فتاویٰ لاکھوں
کی تعداد میں ہیں [4] ڈاکٹر فیضان علی رضوی
نے صرف ۱۳۴۹ھ/۱۳۵۹ھ تک دس گیارہ
سال کے فتاویٰ کی نقل اصل رجسٹر سے کر کے
اس کی تبویب کی۔ جس کی دو جلدیں "فتاویٰ
مصطفویہ" کے نام سے شائع ہو کر منظرِ عام
پر آ چکی ہیں۔ پہلی جلد میں کتاب الایمان
اور دوسری جلد میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ
اور احکام مسجد درج ہیں — باقی
تمام فتاویٰ غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کی تبویب
وغیرہ کا کام ہو رہا ہے۔

---

[1] حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کے اس فتویٰ کی سائکلو اسٹائل کاپی فقیر نوری غفرلہٗ کے پاس محفوظ ہے
[2] (۱) ماہنامہ استقامت
۱۔ ماہنامہ استقامت، کانپور (مفتیٔ اعظم ہند نمبر) ص ۱۰۶، ۱۲۷، ۲۹۰ مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
۲۔ پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ ص ۲۶ مجریہ ۱۵ اردسمبر ۱۹۸۱ء
۳۔ روشن ستارے۔ مفتی محمد اعظم نوری مطبوعہ بریلی ۱۹۷۷ء
۴۔ مفتیٔ اعظم ہند۔ عبد النعیم عزیزی مطبوعہ بریلی (بار ششم)
۵۔ محدثِ اعظم پاکستان۔ مولانا جلال الدین قادری جلد اوّل ص ۸۷ — ۸۸ مطبوعہ لاہور
[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو
۱۔ فتاویٰ مصطفویہ جلد اوّل و دوم مطبوعہ بیلی بھیت
۲۔ فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح باب المحرمات (دوسرا حصّہ) ص ۱۱۲ مطبوعہ حسنی پریس بریلی
۳۔ فتاویٰ مصطفویہ مطبوعہ مخزونہ رضوی دار الافتاء بریلی
[4] پیش لفظ فتاویٰ مصطفویہ۔ مفتی محمد اعظم نوری۔ جلد دوم ص ۲ مطبوعہ بیلی بھیت

مفتیِ اعظم کی خصوصیات

مولانا شبنم کمالی

ہمارے واسطے وجہ سعادت
امور تاجدارِ اہلسنت

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات مقدسہ پر حضرت امیر خسرو نے فرمایا تھا ؎

سونا لاون پیو گئے اور سونا کر گئے دیس
سونا ملانہ پیو ملے روپا ہو گئے کیس

اور ان کے چہرہ پر بکھری ہوئی زلفوں کا نقشہ اس طرح کھینچا تھا۔

گوری سوئی سیج پر مکھ پر ڈالے کیس!
چل خسرو اب اور کہیں اندھیاری بھئی چودیس

اپنے پیر و مرشد کی وفات پر امیر خسرو کی نگاہ میں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا جانا ان کے انتہائی غم و افسوس اور قلبی رنج و الم کی صحیح تصویر کشی ہے۔ یہ کیفیت لاکھوں مریدین کی رہی ہوگی۔ مگر وہ اپنے دلی جذبات کا اظہار الفاظ کے ذریعہ نہ کر سکے ہوں گے۔ ان کے انداز و اطوار اور ان کی حرکات و سکنات نے مشاہدین پر ان کی اندرونی کیفیات غم کو ضرور واضح کر دیا ہوگا۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ انھیں احاطۂ تحریر میں بھی لایا گیا ہو۔ کیونکہ اکثر و بیشتر فرطِ غم میں زبانیں گونگ ہو جاتی ہیں۔ اعضاء تصویرِ حیرت بن کر ساکت و صامت ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے اظہارِ خیال پر قدرت نہیں پاتا البتہ آنکھوں کے بہتے ہوئے آنسو زبان حال سے داستان غم و اندوہ بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرطِ غم میں آنسو بھی جم جاتے ہیں۔ یا حرارتِ قلبی سے خشک ہو جاتے ہیں ؎

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

اسی طرح حضور مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفٰے رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر برصغیر ہند و پاک اور دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے لاکھوں مریدین ان کے علاوہ معتقدین پھر خلفاء کے ذریعہ متوسلین کے غم و اندوہ کا عالم خود ان حضرات کے لئے قیامت سے کم نہیں۔ ایسی صورت میں اگر کسی عاشق صادق کی زبان پر اردو کے ایک مشہور شاعر مرزا غالب کا یہ شعر آجائے ؎

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تو یہ شعر جہاں اس کے غمِ دل کا ترجمان ہوگا وہیں حقیقت حال سے بھی زیادہ قریب ہوگا۔

مرزا غالب نے یہ شعر اپنے منھ بولے (لے پالک) بیٹا عارف کی وفات پر مرثیہ کے انداز میں کہا تھا رشتہ کے کسی عزیز یا گھر کے کسی فرد کی موت کا رشتہ داروں کے لئے قیامت کا دن ہونا مبالغہ کے طور پر رنج و غم اور حزن و یاس کی عکاسی تو ہو سکتی ہے لیکن عین حقیقت ہرگز نہیں۔ اسی طرح کسی بھی انسان یا ذی روح کا دنیا سے جدا ہونا قیامت کی یاد دلانے کا پیش خیمہ تو بن سکتا ہے مگر بہ طور واقعی قیامت کا دن نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی اہل علم اور صاحب فضل

کی موت کے دن کو قرب قیامت کی واضح علامت ہونے کی وجہ سے اگر قیامت کے دن کے ساتھ تشبیہ دے دی جائے تو اسے مبالغہ آمیزی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ کسی عام فرد کی موت صرف ایک آدمی کی موت ہے لیکن کسی ایسے عالم دین کی موت جو اعمال صالحہ، اخلاق جمیلہ، اوصاف حسنہ اور افعال عظیمہ کے ساتھ ساتھ مرشد کامل، معلم صادق، ہادی برحق اور رہبر قوم کی حیثیت بھی رکھتا ہو کسی ایک فرد کی موت نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک قوم، ایک جماعت اور ایک انجمن کی ہوتی ہے۔

آثارِ قیامت

حضور مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی بھی انھیں غنیمت ہستیوں میں سے تھی جن کا انتقال پر ملال قیامت کی ایک روشن نشانی کہلانے کا مستحق بہ درجۂ اتم ہے یہ مقولہ دورِ اول ہی سے مشہور ہے "موت العالم موت العالم" (عالم کی موت ایک عالم (جہان) کی موت ہے) خصوصاً یہ دور پر فتن جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی قرب قیامت کی اکثر علامتیں تقریباً پائی جارہی ہوں۔ ایک مصلح قوم، مرشد طریقت، ہادی شریعت، عالم باعمل اور ولی کامل کا پردہ فرما جانا قیامت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے۔

نبی مکرم رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب قیامت کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک علامت یرفع العلم ویکثر الجہل (علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت بڑھ جائے گی) پر غور و فکر کیجیے، اس کے ساتھ ایک مکمل حدیث کا ترجمہ پیش نظر رکھئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم کو (آخر زمانے میں) کھینچنے کے طریقے سے واپس نہیں لے گا کہ بندوں کے ہاتھ سے اسے کھینچ لے اور واپس لے لے بلکہ عالموں کو وفات دے کر علم کو واپس لے لے گا یہاں تک کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہ چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ ان سے (مسائل اور فتویٰ) پوچھے جائیں گے اور وہ علم و دانش کے بغیر فتویٰ دیں گے۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ (بخاری و مسلم)

زیب نظر حدیث حضور کے معائنہ پھر حالات حاضرہ کے مشاہدہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ ہم لوگ شہر قیامت کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔ عالم اٹھتا جارہا ہے اور جہالت بڑھتی جارہی ہے۔ علماء وفات پاتے جارہے ہیں جہلاء سردار بنتے جارہے ہیں۔ ہدایت بتدریج کم ہورہی ہے گمراہیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ حادثۂ قیامت کا پیش خیمہ نہیں تو پھر اور کیا ہے۔

ممکن ہے آپ یہ سوال کر بیٹھیں کہ پہلے کے مقابلے میں مدارس دینیہ کی تعداد بڑھ گئی ان سے فارغ ہونے والے طلباء بڑھ گئے۔ دستار فضیلت اور سند فراغت پانے والے علماء بڑھ گئے پہلے کسی قصبہ میں ایک دو اور کسی شہر میں دو چار علماء مشکل سے مل پاتے تھے مگر اب تو شہروں کی گلیوں میں، دیہاتوں کے کھردرے راستوں میں، آبادیوں کی ٹیڑھی میڑھی راہوں میں، گلستانوں میں اور ویرانوں میں، جنگلوں اور بیابانوں میں جدھر بھی نگاہ ڈالئے عالموں اور فاضلوں کی تعداد بہ کثرت نظر آئے گی پھر علم کی کمی اور جہالت کی کثرت پر رونا کیسا؟ تو میں جواباً یہ عرض کرنے میں حق بہ جانب ہوں گا کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔

سورج کی کرنوں سے چمکنے والے صحرا کے ذرات بادی النظر میں آب رواں ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر کیا کوئی پیاسا اس کے قریب جاکر اپنی پیاس بجھانے میں کامیاب ہوسکتا ہے نہیں اور ہرگز نہیں۔ معاف کیجئے یہی حال آج کل کے اکثر و بیشتر نام نہاد علماء کا ہے۔ ہاں معدودے چند انگلیوں پر گنے جانے والے صاحب علم اور اہل علم و عمل علماء ہر دور میں ایسے ہوتے رہے ہیں جن کے فیوضات علمیہ اور برکات دینیہ سے اہل عالم ہمیشہ فیض یاب ہوا کئے ہیں۔ اللہ رحمت فرمائے ان علمائے حق پر جنھوں نے اپنے علم و عمل، فضل و کرم تقدس و تقویٰ، راست گوئی اور دیانت داری سے قوم مسلم کے سفینہ کو ساحل ہدایت پر لگائے رکھا ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جس طرح آسمان کے ان گنت ستاروں میں چاند کا مقام ہے جس طرح زمین پر بکھرے ہوئے سنگریزوں میں لعل وگہر کی حیثیت ہے اسی طرح ان بے شمار عالموں میں کسی عالم برحق اور مرشد کامل کا مقام ہے جس طرح لاکھوں کروڑوں ستارے آسمان کی وسعتوں میں چمک کر بھی چاند کی کمی پوری نہیں کر سکتے اسی طرح لاکھوں علماء مل کر بھی مجموعی طور پر ایک اہل معرفت، صاحب فکر ونظر اور جامع علم وعمل عالم دین کی جگہ کو پر نہیں کر سکتے۔ ایسے ہی عالموں کی وفات علم دین کے روئے زمین سے اٹھنے کا سبب ہوتی ہے۔

یہ ایک امر مسلّم ہے کہ ایسے لوگ جو دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ان کی جگہ صحیح معنوں میں خالی ہی رہ جاتی ہے۔ نعم البدل تو دور کی بات ہے بدل بھی نہیں مل پاتا۔ اسی طرح عالم اٹھتے جا رہے ہیں اور علم رفتہ رفتہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور قیامت قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس دور انحطاط اور عہد پستی میں اگر واقعی کوئی صاحب عمل، اہل فضل، طبیب روحانی، جامع شریعت وطریقت ہستی اہل عالم کو داغ مفارقت دے جائے تو اسے قیامت صغریٰ سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی غیر مناسب نہیں ہو سکتا۔

دور موجودہ میں حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اہل عالم کے صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لئے خالق کائنات کی ایک نعمت عظمیٰ تھی۔

آپ اگر عالم شریعت تھے تو سالک طریقت بھی۔ آپ اگر مومن تقویٰ شعار تھے تو زاہد شب بیدار بھی اگر ایک طرف آپ مسند افتاء کو زینت ووقار عطا فرماتے تھے تو دوسری طرف بیعت وارشاد کی منزل کو عرفان وآگہی کی روشنی بخشتے تھے۔ درس وتدریس ہو یا تصنیف وتالیف، تقریر وتحریر ہو یا ارشاد وتبلیغ ہر شعبہ میں ایک مخصوص انداز اور ایک مخصوص مقام رکھتے تھے آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ، "سامان بخشش" آپ کی فقیہانہ بصیرت کی ایک روشن دلیل ہے ہزاروں مقررین کی تقریریں وہ کام نہیں کر سکیں جو آپ کی چند لمحوں کی صحبت نے کر دکھایا۔ ہزاروں علماء کی قومی زندگی لوگوں کے دلوں میں عمل کا وہ جذبہ نہ پیدا کر سکی جو آپ کی عملی زندگی کے دیدار نے پیدا کر دیا۔ اس لئے کہ آپ کی زندگی شریعت مطہرہ کا ایک اعلیٰ اور بہتر نمونہ تھی۔

عمر طویل عمل کثیر

عصر حاضر کے اعتبار سے آپ کی عمر بھی کم نہیں تھی اس زمانہ میں اتنی طویل حیات ظاہری کم ہی لوگوں کو مل پاتی ہے۔ آپ کے ایام زندگی میں بچپن کے دس سال کو چھوڑ کر ہی سہی آپ کے قول وعمل کا صحیح جائزہ لیا جائے تو یہ بات بہ شان کمال صادق آئے گی کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مقدسہ کے مطابق آپ نے اپنی زندگی کے شب وروز لمحات گزارنے کی آخری حد تک کوشش کی اور بحمدہٖ تعالیٰ وہ اس میں کامیاب بھی رہے اس لحاظ سے آپ کی عمر کا نسبتاً طویل ہونا بھی آپ کے لئے باعث برکت نیکیوں اور ثوابوں میں اضافہ کا سبب پھر ترقی درجات کا ذریعہ ثابت ہوا۔ اس کی تائید کے لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثوں کا مطالعہ کیجئے۔ ترجمہ ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کون بہتر ہے فرمایا طال عمرہٗ وحسن عملہٗ (جس کی عمر طویل ہو اور اس کا عمل اچھا ہو) پھر کہا لوگوں میں کون برا ہے حضور نے فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور عمل برا ہو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ کہا قبیلۂ عذرہ کے تین شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور وہ اسلام لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ کون ان کے اخراجات کی ذمہ داری لے گا۔ حضرت طلحہ نے کہا کہ میں کفالت

کروں گا پس وہ تینوں حضرت طلحہ کے نزدیک رہنے لگے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک جماعت بھیجی تو ان تینوں میں سے ایک اس جہاد میں نکلا اور وہ شہید ہو گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جماعت بھیجی اس میں دوسرا شخص نکلا وہ بھی شہید ہو گیا پھر تیسرا شخص اپنے بستر پر (عام حالت میں بیمار رہ کر) مر گیا۔ عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں حضرت طلحہ نے کہا کہ میں نے خواب میں ان تینوں کو جنت میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ اپنے فرش پر وفات پانے والا سب سے آگے بعد میں شہید ہونے والا دونوں سے پیچھے تھا تو میرے دل میں اس واقعہ سے تعجب و انکار کی کیفیت داخل ہو گئی اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا تو نے اس واقعہ سے کس لئے انکار کیا (کہ دل میں انکار کی کیفیت پیدا ہوئی)۔

اللہ کے نزدیک اس مومن سے افضل کوئی نہیں جو حالت اسلام میں ایام زندگی گزارے اللہ کی تسبیح تکبیر اور تہلیل کے ادا کرنے کی وجہ سے (اسے افضل مقام حاصل ہوتا ہے)۔

تسبیح، تکبیر اور تہلیل ایک جامع لفظ ہے اس سے مراد تمام عبادات قولیہ اور فعلیہ ہیں عام مومنین میں وہ شخص جو عمر طویل پائے اور خلوص قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ذکر میں مشغول رہے اس کا مقام ثواب اور ترقی درجات میں ان لوگوں سے یقیناً بلند ہے جن کو قلیل زندگی کے باعث اس کا موقع کم مل پائے۔

اگر اہل علم اور صاحب بصیرت حضرات ان حدیثوں کی روشنی میں حضور مفتی اعظم ہند کی عالمانہ، عارفانہ زاہدانہ اور عابدانہ زندگی پر غور کریں پھر ان کی ہادیانہ، مرشدانہ مبلغانہ اور مربیانہ شخصیت کا جائزہ لیں پھر ان کی حیات عزیزہ کے لمحات عظیمہ کا اپنی معلومات کے مطابق ہی مشاہدہ اور معائنہ کریں تو ان کا ضمیر فیصلہ کرے گا۔ ان کی روح انصاف کرے گی ان کا دل معترف ہوگا اور ان کی زبان پکار اٹھے گی کہ دور حاضر میں یہ ہستی گزشتہ کے سلف صالحین کی ایک قولی و عملی تصویر تھی اکابرین متقدین کے اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کا ایک زندۂ جاوید نمونہ تھی ایسی صورت میں آپ کی زندگی کے لمحات آپ کے لئے باعث رحمت، وجہ سعادت سبب خیر و برکت اور رفعت و عظمت کا ذریعہ تھے۔

قبولیت فی الارض

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں قبولیت فی الارض والی حدیث مشہور و معروف ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں "الحب فی اللہ" کے باب اور فصل اول میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ (ترجمہ پیش نظر رکھیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ جب اپنے بندوں میں سے کسی کو دوست رکھتا ہے تو جبریئل کو بلاتا ہے پھر کہتا ہے۔ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ حضور نے فرمایا فرمایا جبریئل اس بندہ کو (ثناء، دعا و استغفار اور اس کی ملاقات کی محبت کے ساتھ) دوست رکھتے ہیں۔ پھر آسمان میں امر الٰہی سے ندا کرتے ہوئے کہتے ہیں بے شک اللہ فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہے۔ تم بھی اسے دوست رکھو تو آسمان کے فرشتے اسے دوست رکھتے ہیں۔ ثم یوضع لہ القبول فی الارض پھر اس بندہ کی قبولیت و محبت زمین والے (جن و انس) کے درمیان رکھ دی جاتی ہے۔ اور جب کسی بندہ سے اللہ بغض فرماتا ہے تو جبریئل کو بلاتا ہے۔ اور کہتا ہے میں فلاں کو دشمن رکھتا ہوں تم بھی اس کو دشمن رکھو پس جبریئل اس کو دشمن رکھتے ہیں اور آسمان والوں میں ندا کرتے ہیں بے شک اللہ فلاں بندہ کو دشمن رکھتا ہے۔ تم بھی اسے دشمن رکھو۔ حضور نے فرمایا وہ تمام فرشتے اسے دشمن رکھتے ہیں پھر اس کی دشمنی زمین والوں کے دلوں میں رکھ دی جاتی ہے۔

حدیث مذکورہ بالا کے مطالعہ اور حضور مفتی اعظم ہند کی زندگی کے مشاہدہ

کے بعد ہر وہ شخص جس کی آنکھوں نے آپ کی دیدار کا شرف حاصل کیا ہے اور جسے آپ کے ساتھ چند ساعت کے لئے بھی وقت گزارنے کا موقع مل گیا ہے وہ ایمانی فیصلہ یہی کرے گا کہ عصر حاضر میں قبولیت فی الارض کی ایک بہترین مثال حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی۔

آپ جہاں اور جس جگہ بھی نظر آئے تنہا نہ آئے لوگوں کی ایک جماعت ہمہ آن آپ کے ارد گرد نظر آتی۔ خواہ آپ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ اپنی قیام گاہ پر ہوں یا کسی منزل میں کچھ نہ کچھ احاطہ کئے یا پھیری کرتے ہوئے لوگ ضرور دکھائی دیتے حد تو یہ ہے کہ حاجت مخصوصہ کے علاوہ آپ کبھی تنہا نہ رہے۔ دور موجودہ کے مشائخ، علمائے کرام اور اساتذہ عالی مقام عہد حاضر میں قبولیت فی الارض کا مصداق مکمل طور پر حضور مفتیٔ اعظم ہند کو جانتے مانتے اور اعلان کرتے تھے۔ مسلمان تو خیر مسلمان ہی ہیں اگر کسی کافر نے بھی آپ کو دیکھ لیا تو اس کے دل پر آپ کی عظمت و ہیبت کا سکہ بیٹھ گیا۔

اب وہ ہم سے پردہ فرما چکے ہیں جنہیں اہل علم و دانش تاجدار اہلسنت کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

وہ ہماری چشم ظاہر سے اوجھل ہو گئے جنہیں عقیدت مند حضرات مرشد برحق، ہادی شریعت اور مقتدائے طریقت کہتے تھے۔

وہ دار فانی سے عالم باقی کی طرف انتقال کر گئے جنہیں صاحب فکر و نظر یادگار اعلیٰ حضرت شہزادہ مجدد ملت کے خطابات سے جانتے اور پہچانتے تھے۔

وہ ہم سبھوں کو داغ مفارقت دے گئے جو درویش صفت ہونے کے باوجود سخاوت و عنایت میں ایک شہنشاہ عالی وقار کی طرح تھے۔

اب وہ اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں جن کی پوری زندگی لوگوں کے بخت ہائے خفتہ کو جگانے میں صرف ہوئی۔

نظام فطرت، دستور عالم اور قانون قدرت یہی ہے جو بھی دنیا میں آتا ہے وہ یہاں رہنے کے لئے نہیں آتا ہے۔ ہاں کچھ جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دنیا سے رخصت ہو کر حیات سرمدی پالیتے ہیں وہ بعد وفات دائمی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کی تعلیمات ان کے ارشادات ان کے فرمودات رہروائی منزل کے لئے ظلمت شب میں ماہ و نجوم کا کام دیتے ہیں۔

بحمدہ تعالیٰ حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی ان قدسی صفات ہستیوں میں سے ایک ہے، جن کی یاد، جن کے نام، جن کی سیرت جن کے کردار کو مرور ایام اور گردش زمانہ کتابوں کے صفحات اور آنے والی نسلوں کے قلوب سے انشاء اللہ قیامت تک محو نہیں کر سکتے نہ فنا کر سکتے ہیں اور نہ ختم کر سکتے ہیں۔

جب تک آسمان کے نیلے سمندر میں چاند و سورج کی کشتی رواں دواں رہے۔ جب تک زندگی کی باد نسیم چمن عالم کے پھولوں کو گدگداتی رہے۔ جب تک عالم انسانیت کے جسد خاکی میں طائر روح اپنی جولانیاں دکھاتا رہے۔ جب تک فضائے بسیط میں اللہ اور اس کے رسول کی عظمت کے نغمے اذان کی صورت میں فردوس گوش بنتے رہیں۔ اللہ رب العزت سرور عالم نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت اطہار و اصحاب کبار اور شہدائے عظام کے طفیل آخرت کی پہلی منزل قبر سے لے کر آخرت کی تمام منزلوں میں مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہر ساعت اور ہر لمحہ کو نور علیٰ نور اور رحمتوں سے بھرپور بناتا رہے۔ آمین بطفیل رحمۃ للعالمین

مفتئ اعظم اور

اتباعِ شریعت

مولانا نسیم بستوی

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مخدوم اہلسنت حضرت علامہ الحاج محمد مصطفےٰ رضا خاں صاحب قبلہ قادری نوری بریلوی قدس سرہٗ اپنی بہت سی علمی و عملی خوبیوں میں امتیازی مقام و مرتبہ پر فائز ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہمسر نظر نہیں آتا۔ خالق کائنات نے حضور مفتئ اعظم ہند قدس سرہ کو دین و شریعت کی خدمت و نگہبانی اور خلق خدا کی تعلیم و تربیت اور اس کی ہر طرح کی حفاظت و نگرانی پر مامور فرمایا تھا اور آپ توفیق الٰہی اور بزرگوں کی روحانی توجہات کے سہارے زندگی کی آخری گھڑی تک ان فرائض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔

ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات شاہد عدل ہیں کہ ہزاروں مذہب سے بیزار فساق و فجار جو مذہبی شخصیتوں کو دیکھ کر دور بھاگتے اور ان کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے آپ کی نظر کیمیا اثر اور فیضان صحبت سے دیکھتے دیکھتے ذرہ سے آفتاب اور خاک سے اکسیر بن گئے کل تک وہ دوسروں کے وعظ و پند کے محتاج و اصلاح طلب تھے اور آج وہ نہ صرف یہ کہ خود سر سے پیر تک دین و شریعت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں بلکہ ان کا اسلامی طرز عمل اور ایمانی جذبہ ایک دنیا کے لئے مشعل راہ اور چراغ منزل کی صورت اختیار کر گیا ہے ؎

تم نے ذرّوں کو ملایا اور صحرا کر دیا
تم نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

حضور مفتئ اعظم ہند قدس سرہٗ کی بے انتہا تواضع اور منکسر المزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ راقم الحروف کے برادر طریقت مولانا عبد الرحیم صاحب قادری ایک مرتبہ بیان کرنے لگے کہ میں نے بارہا سفر میں دیکھا کہ حضور مفتئ اعظم ہند جہاں کہیں جس وقت بھی تشریف لے جاتے تھوڑی سی ہی دیر میں عقیدت مندوں کا ہجوم و اژدحام ہو جاتا جیسے شمع روشن ہوتے ہی چہار طرف سے پروانے منڈلانے لگتے ہیں مولانا اس واقعہ کو دیکھ کر حیران متعجب ہو جاتے تھے اسی بے پناہ تاثر و تحیّر کے عالم میں ایک بار انھوں نے آقائے نعمت، مرشد طریقت حضور مفتئ اعظم ہند قدس سرہٗ کی بارگاہ میں عرض کی کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کرامات کا حصہ زیادہ گزر جانے پر بھی حضور جہاں تشریف لے جاتے ہیں دیکھتے ہی دیکھتے فوراً مریدین و معتقدین کی بھیڑ لگ جاتی ہے، خدا جانے ان کو اتنی جلدی حضور کی آمد کی کیسے خبر ہو جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے آگے آگے رجال الغیب اعلان کرتے ہوئے جاتے ہیں! آپ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور دیر تک معاذ اللہ استغفر اللہ کہتے رہے۔ دست بوسی اور قدم بوسی کے وقت بھی حضور کا یہی حال ہوتا تھا بلکہ قدم بوسی سے اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے اس سے منع کرتے۔

اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی طرح حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے احقاق حق و ابطال باطل کے کسی نازک سے نازک موڑ پر بھی کسی دنیوی مفاد اور مادی قوتوں کی ذرا سی بھی پروا نہ کی اعلیٰ حضرت نے آپ کی شخصیت میں چھپے ہوئے اس جوہر کو دیکھ کر ہی اپنے خلفاء و تلامذہ کے منظوم تذکرہ میں آپ کے متعلق فرمایا تھا ؎

آل الرحمٰن برہان الحق
شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

بزم رضوی کانپور کے آخری تاریخی اجلاس جس میں وقت کے عظیم المرتبت علماء و مشائخ

زیر شرکت فرمائی تھی۔ حضور مفتئ اعظم ہند اور بانی دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف بستی حضرت صوفی الحاج محمد یار علی صاحب قبلہ قادری چشتی علیہ الرحمۃ بھی اس اجلاس میں تشریف لائے تھے میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے ہمراہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ سے حاضر ہوا تھا دادا میاں کے چوراہے پر رضی صاحب کی بلڈنگ میں حضور مفتئ اعظم ہند ودیگر علماء کرام ومشائخ عظام کا قیام تھا حضرت شاہ صاحب پیچ باغ میں نظام الدین اینڈ برادرس کے مہمان تھے۔ اسی موقع پر حضرت شاہ صاحب حضور مفتئ اعظم سے ملاقات کے لئے ممدوح کی مذکورہ قیام گاہ پر تشریف لے گئے میں بھی ہمراہ تھا۔ سلام ومصافحہ کے بعد جب دونوں بزرگ اپنی اپنی جگہ پر اطمینان سے بیٹھے اور گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر حضور مفتئ اعظم ہند کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ حضرت نے ان کو نہیں پہچانا یہ مولوی محمد صابر آپ کے مرید ہیں؟"

حضور مفتئ اعظم قدس سرہ نے اپنے مخصوص نرم وشائستہ لب ولہجہ میں ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کی عقیدت ومحبت سے متاثر ہو کر داخل سلسلہ کر لیا ہے ویسے یہ آپ ہی کے ارادت مندوں میں سے ہیں یہ بے لوث اور پیکر اخلاص مشائخ طریقت کی باتیں ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ ہم دونوں ہی کے مرید ہوئے کسی کی نسبت واردات کے متعلق یہ کل کے بزرگوں کا انداز فکر تھا اور آج کے پیروں کا یہ حال ہے کہ اپنے مریدین کو ایک جائیداد تصور کرتے ہیں اور انھیں کی جیبوں پر ان کے معاش کا دار ومدار ہے یہی نہیں بلکہ اپنے اسلاف اور بزرگوں کے طرز عمل کے برعکس پیری ومریدی کو بالکل کاروباری شکل دے کر حصول زر وجلب منفعت کی خاطر وہ طریقے بھی بروئے کار لانے سے گریز نہیں کرتے جس کو شرع وتصوف سے دور کا بھی لگاؤ نہیں اور ان کے موجودہ حالات کے پیش نظر آج ہر سنجیدہ اور روشن خیال انسان کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

حضور مفتئ اعظم ہند قدس سرہ کی محتاط زندگی میں اس قسم کی غیر تعمیری اور لایعنی چیزوں کا گزر نہیں تھا آپ زہد وتقویٰ، عرفان وتصوف، اتباع شریعت اخلاص وایثار، کرم وسخاوت، انسانیت نوازی، خلق پروری، دینی شعور وآگہی، خوف الٰہی وخشیت خداوندی دور اندیشی، مشاہدہ وتجربہ اور علم ودانش کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ کی روشن پیشانی اور نور ولایت سے درخشاں وتابناک چہرہ کو دیکھ کر قرون اولیٰ کے حق پسند مسلمانوں اور باعظمت مسلم رہنماؤں اور دینی پیشواؤں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی جس کے زیر اثر ہر ہوشمند آپ کی مجلس میں اس بات کی تمنا کرتا تھا کہ ؎

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اس میں دو رائے نہیں کہ حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان اگر ایک طرف دین وشریعت کے مقتدر امام اور اہلسنت وجماعت کے ہمدرد روحانی پیشوا تھے تو دوسری طرف تصوف وطریقت کے بلند پایہ وما یہ ناز مقتدا تھے آپ کی عظ
وجلیل شخصیت پر دنیائے اسلام وسنیت
بجا طور پر فخر وناز ہے آپ کی خاموشی پر ہزا
تقریر وخطابت قربان تھی۔

حضور مفتئ اعظم ہند کتاب وسنت کے ع
ومعارف پر تحقیقی وگہری نظر رکھنے کے سا
ہی ساتھ ایک کہنہ مشق اور عاشق رسول نعت
بھی تھے آپ کے نعتیہ کلام کا ایک ایک شعر عشق
رسول کے گہرے درد وسوز میں ڈوبا ہوا ہ
"سامان بخشش" کے نام سے آپ کا مجموعۂ
شائع ہو چکا ہے جو ارباب نظر واہل دل کی مضط
روح کا قرار وسکون ہے۔ اس کے علاوہ متد
مسائل پر آپ نے کئی ایک کتابیں تصنیف فر
ہیں۔ حضور مفتئ اعظم ہند اعلیٰ حضرت امام احمد
فاضل بریلوی کے کردار وعمل کے صحیح آئینہ دا
اور آپ کے دینی وروحانی مشن کے سچے وفا د
نمائندہ تھے آپ نے مذہب وملت کے عروج
کی تمام تحریکات کو نہ صرف یہ کہ مضبوط ومستحکم
بلکہ اس کو وسیع وہمہ گیر بنانے کے لئے اپنی حیا
مستعار کا لمحہ لمحہ قربان کر دیا تھا۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مقتدائے اہلسن
حضور اعظم ہند آج ہمارے درمیان نہیں لیکن
کے دینی وروحانی کارناموں نے جو زندہ وتابندہ نق
چھوڑے ہیں اس کی روشنی وتابندگی صبح
تک ماند پڑ سکتی ہے اور نہ گردش لیل ونہا
اس کو ذہن وفکر سے محو کر سکتی ہے۔ مردان ح
اہل اللہ اور مشائخ طریقت کل بھی زندہ
آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

مفتیِ اعظم ہند

پندرہویں صدی کے خورشید ہدایت

یٰسٓ اختر مصباحی

ہندوستان کا وہ علاقہ جسے آجکل اتر پردیش کہا جاتا ہے اس کی مردم خیز سرزمین سے بڑے بڑے نامور علماء و فضلاء ادباء و شعراء اور محققین و مورخین پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی دینی، علمی، مذہبی، اصلاحی، سماجی اور سیاسی خدمات کو تاریخ میں نمایاں مقام ملا ہے اور یہاں سے اٹھنے والی ہر آواز اور ہر ایک تحریک نے اہل ملک کو اپنی جانب متوجہ کیا بیشتر مذہبی و سیاسی امور و معاملات میں اسے مرکزیت حاصل رہی جس سے تعلیم یافتہ طبقہ اچھی طرح واقف اور باخبر ہے۔

علاقہ روہیل کھنڈ اپنی شجاعت و بہادری میں ممتاز اور نہایت مشہور تھا۔ سلطنت مغلیہ کے عہد میں سعادت یار خاں بن سعید اللہ خاں (جاگیر دار شیش محل لاہور و صاحب منصب شش ہزاری دہلی) کو اسے فتح کرنے کی مہم سپرد ہوئی۔ چنانچہ انھیں کے ہاتھوں یہ علاقہ فتح ہوا اور صوبہ دار بریلی کا فرمان شاہی ان کے حق میں صادر ہوا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمد اعظم خاں کئی گاؤں کے جاگیر دار اور ایک عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے آپ کا میلان شجاعت کے ساتھ دینداری کی طرف زیادہ تھا۔ پھر آپ کے فرزند ارجمند حافظ کاظم علی خاں تحصیلدار بدایوں میں یہ رنگ اور نکھر آیا۔

مگر خانوادۂ علم و فضل کی حیثیت سے اس کی شہرت کا باعث مولانا رضا علی خاں بریلوی (بن حافظ کاظم علی خاں) متولد ۱۲۲۴ھ متوفی ۱۲۸۲ھ ہوئے چنانچہ مشہور مورخ مولانا رحمٰن علی خاں ممبر کونسل ریاست ریواں اپنی مشہور تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"مولوی رضا علی خاں بریلوی بن محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم شاہ بن محمد سعادت یار خاں بہادر از اجلۂ علمائے بریلی ملک روہیلکھنڈ از عائلہ افاغنہ بہریج است۔ بزرگان شان پیش سلاطین دہلی بہ عہدہ ہائے جلیلہ بمنصب شش ہزاری سرفراز و ممتاز بودند۔ . . . بعمر بست و سہ سالگی از اکتساب علوم متداولہ فراغ یافتہ مشارٌ الیہ اماثل و اقران گشت، خصوصاً در علم فقہ مہارت کاملہ داشت۔ تذکیر پر تاثیر وے مشہور و معروف است بالجملہ لینت کلام و سبقت سلام و زہد و قناعت و حلم و تواضع و تجرید از خصائص وے تواں شمرد۔ الخ (ص ۶۴ تذکرۂ علمائے ہند مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء)

خاندانی شجاعت و بہادری کا جوہر بھی آپ کے اندر بے مثال تھا۔ چنانچہ ایک مورخ آپ کے بارے میں لکھتا ہے "آپ جنگ آزادیٔ ہند کے عظیم رہنما تھے۔ عمر بھر فرنگی تسلط کے خلاف برسر پیکار رہے آپ ایک بہترین جنگ جو اور بے باک سپاہی تھے لارڈ ہسٹنگ آپ کے نام سے کانپتا تھا۔ جنرل ہڈسن جیسے برطانوی جنرل نے آپ کا سر قلم کرنے کا انعام پانچ سو روپے مقرر کیا تھا مگر وہ اپنے مقصد میں عمر بھر ناکام رہا جب آپ نے برطانوی حکام کے خلاف

جہاد میں حصہ لیا تو انگریزوں نے آپ کے احاطہ میں نقب زنی کرا کے ۲۵ عدد گھوڑے چوری کرالئے۔ کیونکہ آپ نے تمام گھوڑے تحریک آزادی کے کارکنوں کو انگریزوں پر شب خوں مارنے کے لئے مفت دیتے تھے اور آپ کی حویلی اکثر مجاہدین کی پناہ گاہ تھی۔ یہاں تک کہ مجاہدین کے کھانے کا بھی آپ خود ہی انتظام فرماتے۔ (جنگ آزادی نمبر ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی شمارہ جولائی ۱۹۷۶ء)

مولانا نقی علی خاں (ابن مولانا رضا علی خاں) متولد ۱۲۴۶ھ متوفی ۱۲۹۷ھ جنھیں شیخ الحرم سید احمد زینی دحلان شافعی قاضی القضاۃ سے سند حدیث اور مولانا سید آل رسول مارہروی (تلمیذ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) م ۱۲۹۷ھ سے جمیع سلاسل کی اجازت و خلافت حاصل تھی ان کے بارے میں مولانا رحمٰن علی لکھتے ہیں۔

"خالق تعالیٰ دیر العقل معاش و معاد ممتاز اقران آفریدہ بود۔ علاوہ شجاعت جبلی بصفت سخاوت و تواضع و استغناء موصوف بود۔ وعمر گراں مایۂ خود باشاعتِ سنّت و ازالۂ بدعت بسر بردہ (ص ۴۴۲ تذکرہ علمائے ہند)

ان کے نامور اور بلند اقبال فرزند شہیر عرب و عجم مولانا احمد رضا قادری فاضل بریلوی متولد ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ متوفی ۱۹۲۱ء ۱۳۴۰ھ کے بارے میں حکیم عبدالحی رائے بریلوی لکھتے ہیں۔

واشتغل بالعلم علی والدہٖ ولازمہ مدۃ طویلۃ حتی برع فی العلم وفاق اقرانہ فی کثیر من الفنون لاسیما الفقہ والاصول۔ (ص ۳۸ نزہۃ الخواطر جلد ثامن مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۷۰ء)

اور مولانا ابوالحسن ندوی رقمطراز ہیں۔

وکان عالماً متبحراً کثیر المطالعۃ واسع الاطلاع لہٗ قلم سیالٌ وفکر حافل فی التالیف (ص ۴۰ نزہۃ الخواطر).

آگے چل کر ان کی فقہی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔

یندر نظیرہٗ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہٖ (۴۱ ایضاً)

مولانا احمد رضا قادری فاضل بریلوی نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تھی کہ اے رب کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے ایک بار جب کہ آپ اپنے مشائخ سلسلہ کے آستانے پر (مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ) حاضر تھے وہیں خواب دیکھا کہ ان کے گھر فرزند تولد ہوا ہے اور آپ نے خواب ہی میں اس کا نام آل رحمٰن رکھا اسی دوران مولانا سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی م ۱۳۲۴ھ نے بعد نماز عصر اچانک آپ سے فرمایا مولانا صاحب بریلی میں آپ کے گھر ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ اس کا نام آل الرحمٰن رکھا جائے جب میں بریلی آؤں گا تو اس بچے کو ضرور دیکھوں گا۔ دوسرے روز بریلی سے ولادت کی خبر پہنچی تو شاہ ابوالحسین نوری میاں نے "ابوالبرکات محی الدین جیلانی" نام تجویز فرمایا۔ محمد کے نام پر عقیقہ کیا گیا اور مصطفےٰ رضا کے عرف سے مشہور روزگار ہوئے۔

سید شاہ نوری میاں جب بریلی تشریف لائے تو اس وقت کل عمر چھ ماہ تھی اسی وقت آپ نے پیشین گوئی فرمائی کہ "یہ بچہ دین و ملت کی بڑی خدمت کرے گا اور خدا کی مخلوق کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہِ کیمیا اثر سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر واپس آئیں گے اور یہ فیض کا دریا بہائے گا" یہ جملے ارشاد فرماتے ہوئے آپ کے دہن میں اپنی مبارک انگلیاں ڈال کر مرید فرمایا اور اسی وقت جملہ سلاسل کی اجازت و خلافت سے نوازا اور اس طرح سید شاہ نوری میاں نے مولانا مصطفےٰ رضا نوری کو اپنی فیض بخشیوں سے گویا "نورٌ علیٰ نورٌ" بنا دیا۔

حضرت فاضل بریلوی نے اپنی نگرانی میں آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا۔ مولانا رحم الٰہی منظفر نگری م ۱۳۶۱ھ (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی م ۱۳۱۶ھ) اور مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی (تلمیذ مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی م ۱۳۳۴ھ) آپ کے خصوصی اساتذہ کرام ہیں۔

مولانا محمود احمد قادری مظفرپوری تحریر کرتے ہیں "مولانا ظفرالدین (بہاری) و مولانا سید شاہ عبدالرشید (عظیم آبادی)

دارالافتاء (بریلی) میں کام کر رہے تھے۔ ایک دن آپ دارالافتاء میں پہنچے مولانا ظفر الدین صاحب فتویٰ لکھ رہے تھے مراجع کے لئے اٹھ کر فتاویٰ رضویہ الماری سے نکالنے لگے۔ حضرت (مفتی اعظم ہند) نے فرمایا۔ نوعمری کا زمانہ تھا۔ میں نے کہا۔ فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو؟ مولانا نے فرمایا اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔ میں نے فوراً لکھ دیا۔ وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ یہ آپ کا پہلا جواب تھا۔ یہ واقعہ ۱۳۲۸ھ کا ہے۔ اصلاح کے لئے اعلیٰ حضرت (فاضل بریلوی) کی خدمت میں پیش کیا۔ صحت جواب پر امام اہلسنت بہت خوش ہوئے اور صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر دستخط ثبت فرمایا اور ابو البرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفےٰ رضا" کی مہر مولانا حافظ یقین الدین (بریلوی) سے بنوا کر عطا فرمائی (ص ۲۲۳۔ ۲۲۴ تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ کان پور ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ)۔

حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت دوبار آپ کو تقسیم ہند سے قبل حاصل ہوئی تیسری بار ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ میں اس شان کے ساتھ عازم حرمین شریفین ہوئے کہ باوجودیکہ بہت سے علمائے کرام کے نزدیک حج کے لئے فوٹو جائز ہے مگر آپ کی عزیمت کی بنیاد ... بین الاقوامی رائج الوقت عمل کے خلاف بغیر فوٹو کے پاسپورٹ حاصل ہوا اور سفر کے دوران جہاز میں کوئی ٹیکہ وغیرہ بھی نہ لگوا کر احتیاط و تقویٰ کی اس دور میں ایک روشن مثال قائم کر دی اور ضعف و نقاہت کے باوجود جس نشاط اور مستعدی اور شیفتگی و وارفتگی کے ساتھ مناسک حج ادا کئے وہ ہم سب کے لئے قابلِ رشک ہے مولانا خالد علی خاں بریلوی اور مولانا عبد الہادی افریقی بریلی سے مکمل طور پر شریک سفر رہے۔ یہ حضرات ارض حجاز کے ایمان افروز اور رقت انگیز واقعات بتلاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عاشق وارفتہ جگر ہے جو مکہ مکرمہ کے اماکن مبارکہ، اس کی شاہراہوں اور مدینہ طیبہ کے مقامات مقدسہ اور اس کی روح پرور گلیوں اور اس کے در و دیوار پہ اپنا سب کچھ نثار کرنے کی آرزو میں تڑپ رہا ہے اور دیوانہ وار ہر طرف اس کی نگاہیں اٹھ رہی ہیں۔

خانوادۂ رضویہ جو عشق و محبت رسول کی سرشاری میں ممتاز اور شہرۂ آفاق ہے اس کے آپ سراپا نمونہ تھے۔ کیونکہ آپ کا دل بھی کشتۂ تیغ ابروئے محمد تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں۔

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لیکے پھایا مرہم زنگار کا
از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب
ہو چکا تجھ سے مداوا عشق کے بیمار کا

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا
آہ پورا مرے دل کا کبھی ارماں ہوگا
کبھی دل جلوہ گہِ سرورِ خوباں ہوگا
میرا گھر غیرتِ خورشید درخشاں ہوگا
خیر سے جانِ قمر جب کبھی مہماں ہوگا
ظلمتِ قبر کا کیا خوف مجھے اے نوری
جب مرے قلب میں ایمان کا لمعاں ہوگا

سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہایت گہرا تعلق خاطر اور والہانہ قلبی لگاؤ تھا چنانچہ ان کی شان میں عرض گزار ہیں۔

ترا جلوہ نورِ خدا غوث اعظم
ترا چہرہ ایماں فزا غوث اعظم
خدا ساز آئینۂ حق نما ہے
ترا چہرۂ پر ضیا غوث اعظم
جھلک روئے انور کی اپنی دکھا کر
تو نوری کو نوری بنا غوث اعظم

کھلا میرے دل کی کلی غوث اعظم
مٹا قلب کی بے کلی غوث اعظم
قدم گردنِ اولیاء پر ہے تیرا
تو ہے رب کا ایسا ولی غوث اعظم
خدا ہی کے جلوے نظر آئے جب بھی
تری چشم حق بیں کھلی غوث اعظم

تجلیٔ نورِ قدم غوث اعظم
ضیائے سراجِ ظلم غوث اعظم
ترا حل ہے تیرا حرم غوث اعظم
عرب تیرا تیرا عجم غوث اعظم
کرم آپ کا ہے اعم غوث اعظم
عنایت تمہاری اتم غوث اعظم

ماہنامہ حجاز جدید دہلی

چلا ایسی تیغ دو دم غوثِ اعظم
کہ اعدا کے سر ہوں قلم غوثِ اعظم

یہ دل یہ جگر ہے یہ آنکھیں یہ سر ہے
جہاں چاہیں رکھ دیں قدم غوثِ اعظم
تمہارے کرم کا ہے نوری بھی پیاسا
ملے یم سے اس کو بھی نم غوثِ اعظم

الحاج حافظ نواب رحمت نبی خاں بریلوی، (ساکن کملا نہرو مارگ سول لائن بریلی) بیان فرماتے ہیں کہ انھیں مدتوں سے ایک شیخ کامل کی تلاش تھی متعدد خانقاہوں اور مقامات مقدسہ کی زیارت کو گئے لیکن ان کا دل کہیں جم نہ سکا مرشد طریقت بھی قادری سلسلہ کا ہونا چاہئے تھا اس لئے تلاش شیخ میں بے قرار ہو کر بغداد معلی پہنچے کہ وہاں کے سجادہ نشینان سے بیعت ہو جائیں مگر عقیدت کیش مسافر کو جس طرح کے رہنما و راہبر کی ضرورت تھی وہ یہاں بھی میسر نہ آسکا اور ان کا دل مطمئن نہ ہوا اور جب اضطراب دل حد سے سوا ہوا تو محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ان کے مچلتے ارمانوں کو قرار بخشا اور ہونے والے مرشدِ کامل کی طرف مختصر اشارہ کر کے فرمایا کہ "جاؤ ان سے بیعت ہو جاؤ یہ میرے نائب ہیں" چنانچہ ۱۹؍ ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ کو آپ نے حضرت مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں حاضری دی اور بیعت و ارادت کا شرف حاصل کیا یہ سچا واقعہ جناب نواب رحمت نبی خاں نے رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ میں جب کہ خانقاہ رضویہ بریلی سے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تو بیان کیا اور اسے اپنی ایک کتاب میں تحریر بھی فرما دیا ہے۔

سادات کرام سے بھی بے پناہ عقیدت تھی تیسرے سفرِ حج ۱۳۹۱ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ خانوادۂ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبد المعبود الجیلانی البغدادی جن کی عمر اس وقت ایک سو انچاس (۱۴۹) سال کی تھی وہ مکۃ مکرمہ میں قیام پذیر ہیں۔ آپ بصد شوق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کمرے میں پہنچے سید صاحب استقبال کے لئے اٹھنے لگے تو آپ نے ان کا قدم چوم لیا۔ اور پھر احتراماً عام لوگوں کی صف میں بیٹھنا چاہا مگر انھوں نے آپ کو اپنی مسند سے قریب بغل میں بٹھا لیا۔ سید صاحب نے اثنائے گفتگو میں ارشاد فرمایا "بفضلہ تعالیٰ میں نے ۸۰ حج کئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت شیخ احمد رضا قادری سے بریلی میں میری ملاقات بھی ہوئی ہے وہ مجھ سے عمر میں تیس سال چھوٹے تھے یہ واقعہ آپ کی ولادت سے قبل کا ہے" اس کے بعد سید صاحب نے حضرت فاضل بریلوی کی دینی و علمی خدمات پر روشنی ڈالی اور پھر یہ خواہش ظاہر کی کہ شیخ احمد رضا قدس سرہ کی یہ نعت شریف سہ

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کسی کو یاد ہو تو سنائے۔

چنانچہ مولانا عبد الہادی افریقی و دیگر حضرات نے ترنم سے پڑھا تو ساری فضا جذب و عشق کے عطر و عنبر سے مہک اٹھی۔ دو زانو بیٹھ کر سید صاحب نے سر جھکا کر پوری نعت سماعت فرمائی اور آخر میں بزبان عربی اپنی ایک نعت شریف سنا کر حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

احترام سادات کا ایک دوسرا واقعہ بھی نہایت ایمان افروز ہے انتقال کی شب جبکہ لوگ تیمارداری میں مصروف تھے ایک سید صاحب بھی وہاں تھے اور وہ بھی خدمت میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا یہاں کوئی سید صاحب ہیں؟ مجھے خوشبو محسوس ہو رہی ہے لوگوں نے عرض کیا جی حضور! فلاں سید محمد حسین صاحب ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ... کر کے مجھے گنہگار نہ بنائیں آپ صرف میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں اور بس!

احترام نسبت کا یہ عالم تھا کہ دوسرے سفر حج میں جب آپ غار ثور کی زیارت کے بعد غارِ حرا کے قریب پہنچے تو اپنا عمامہ مبارک جبہ، صدری، کرتہ سب اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ اس وقت سوزشِ عشق سے آپ کا قلب تپاں تھا اور آنکھوں سے اشک رواں غار کے اندر گئے تو اس کی پاک مٹی بدن پر ملنے لگے اور اس کے ذرات سے اپنی پیشانی کو اس طرح چم... کہکشاں کا جمال اور آفتاب نیمروز کی شعا... بھی اس کی تابانیوں پر قربان ہونے لگیں۔ اور چہرۂ مبارک لطافت و رعنائی اور طلعت و زیبائی کا ایک خوبصورت مرقع بن گیا۔

ایک بار مواجہۂ اقدس میں صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بعد حرم شریف کے ایک خادم سے جھاڑو لے کر درود و سلام پڑھتے ہوئے اس مبارک سرزمین کو بہارا اس وقت کے

آپ کے جذب و شوق کا کیف و سرور ناقابلِ بیان ہے۔ آپ نے ایک بار نعت پاک میں فرمایا تھا۔

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوریؔ
مدینہ کی گلیاں بُہارا کروں میں

اس کو سچ کر دکھایا۔

اس سفر میں آپ نے مکۂ معظمہ میں ان علمار حرمین سے بھی ملاقات کی جنھوں نے حضرت فاضل بریلوی سے ان کے وقت میں حرمین طیبین میں ملاقات و استفادہ کیا تھا۔ یہ حضرات سید یحییٰ عمان علیہ الرحمۃ کے تلامذہ میں سے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) سید امین قطبی (۲) سید عباس علوی (۳) سید محمد نور۔ ان تینوں حضرات نے حضرت فاضل بریلوی کے دور کے حالات و واقعات بتلائے ان کے علم و فضل کی تعریف و توصیف کی، اور حضرت مفتئ اعظم سے خلافت حاصل کی۔

خاندانی بزرگوں کی طرح آپ کی نعتیہ شاعری بھی بڑے پائے کی ہے اخلاص قلب اور عشق صادق جو معنوی لحاظ سے نعتیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی ہیں وہ آپ کے اندر بدرجۂ اتم تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعت شہِ والا
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پَر کا

جو آب و تابِ دندانِ منور دیکھ لو نوریؔ
مرا بحرِ سخن سرچشمہ ہو خوش آب گوہر کا

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبطِ انوار کا
مہر و مہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رخسار کا

عرشِ اعظم پر پھریرا ہے شہِ ابرار کا
بجتا ہے کونین میں ڈنکا مرے سرکار کا

دو جہاں میں بٹتا ہے باڑا اسی سرکار کا
دونوں عالم پاتے ہیں صدقہ اسی دربار کا

جاری ہے آٹھوں پہر لنگر سخی دربار کا
فیض پر ہر دم ہے دریا احمد مختار کا

فق ہے چہرہ مہر و مہ کا ایسے منھ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا

کعبہ و اقصیٰ و عرش و خلد ہیں نوریؔ مگر
ہے نرالا سب سے عالم جلوہ گاہِ یار کا

قفس جسم سے چھٹتے ہی یہ پرّاں ہوگا
مرغِ جاں گنبدِ خضرا پہ غزل خواں ہوگا

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

نورِ ایمان کی مشعل رہے روشن پھر تو
روز و شب مرقدِ نوریؔ میں چراغاں ہوگا

اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھی فقہ و افتار میں کمال حاصل کیا۔ ایک لاکھ سے زائد فتاویٰ آپ کے قلم سے نکلے جن کے کچھ نمونے فتاویٰ مصطفویہ اوّل و دوم میں موجود ہیں۔ ہند و پاک اپنے الجھے ہوئے مسائل آپ کی خدمت میں لے جا کر حل کراتے اور ہر پیدا ہونے والے مسئلے میں فیصلہ کے لئے نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ فیلڈ مارشل جنرل ایوب خاں کے دور میں پاکستان کی ایک سرکاری رویت ہلال کمیٹی کے بارے میں مولانا سید ریاست علی قادری (کراچی) کی کتاب "مفتئ اعظم ہند مد ظلہٗ" سے ماخوذ ایک مسئلہ ملاحظہ فرمائیں جس سے عالم اسلام میں آپ کی مرکزیت و مرجعیت واضح ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ عید کے موقع پر ۲۹ رمضان المبارک کو اس کمیٹی کے چند افراد ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے گئے، ان لوگوں کو چاند نظر آگیا اور انھوں نے اس کی اطلاع حکومت کو دے دی جس کے نتیجے میں حکومت نے رویت ہلال کا اعلان کر دیا۔ بعض علمار کی مخالفت کی بنا پر دنیائے اسلام کے بیشتر ممالک کے مفتیان کرام سے فتویٰ مانگا گیا اور ایک استفتار مفتئ اعظم ہند (بریلی شریف) کی خدمت میں بھی روانہ کیا گیا دنیا کے تمام مفتیوں نے رویت ہلال کمیٹی (پاکستان) کی تائید کی مگر مفتئ اعظم ہند نے اس کے خلاف یہ فتویٰ صادر فرمایا۔

چاند کو زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنا اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شرعی شہادت پر قاضی حکم دے گا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہو دیکھنا چاہیے رہا جہاز سے دیکھنا تو یہ غلط ہے کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا ہے اس لیے کہیں چاند ۲۹ کو اور کہیں ۳۰ تاریخ کو نظر آتا ہے اور جہاز سے چاند دیکھ کر رویت کا اعلان درست ہوتا تو مزید بلندی پر جانے کے بعد چاند ۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھ کر یہ

حکم دیا جاسکتا ہے کہ اگلے روز عید یا بقر عید جائز ہے اس طرح جہاز سے چاند دیکھ کر یہ فتویٰ صادر کرنا کہ ۲۹ کا چاند دیکھنا معتبر ہے بھلا کس طرح صحیح ہوگا۔

یہ تحقیقی فتویٰ چونکہ دوسرے مفتیوں کی رائے کے خلاف تھا اس لئے نہایت تہلکہ خیز ثابت ہوا تقریباً سارے پاکستانی اخبارات نے اسے جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ حکومت پاکستان نے ۲۷، ۲۸ تاریخوں میں اگلے ماہ ہوائی جہاز سے اس کی تصدیق کرائی تو مزید بلندی پر ان تاریخوں میں بھی چاند نظر آگیا۔ تب سے ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کا سلسلہ منسوخ ہوگیا اور رویت ہلال کمیٹی ہی توڑ دی گئی اور حضرت مفتی اعظم کی دقت نظر اور فقیہانہ بصیرت کو گویا عالمی سطح پر ایک نے تسلیم کرلیا۔ اس کے علاوہ موجودہ پیدا شدہ حالات کے پیش نظر سینکڑوں مسائل پر حضرت کے محققانہ فتاویٰ موجود ہیں اور جنھیں پوری دنیا کے اہلسنت وجماعت تسلیم کرتے ہیں۔

مطبوعہ تصنیفات وتالیفات آپ کی بہت زیادہ نہیں مگر جو ہیں ان سے آپ کے بے پناہ علم وفضل اور ذہانت وطباعی ودوراندیشی وژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے چند کتابیں یہ ہیں۔

(۱) فتاویٰ مصطفویہ اوّل ودوم (یہ دونوں حصے مکتبہ رضا بیسل پور بریلی بھیت سے شائع ہوئے ہیں باقی حصص زیر طبع ہیں ۱۲) (۲) الملفوظ اوّل تا چہارم (۳) حاشیۃ الاستداد (۴) الموت الاحمر (۵) ہشتاد بید وبند (۶) وقعات السنان (۷) ادخال السنان (۸) طرق الہدیٰ والارشاد (۹) مسائل سماع (۱۰) القول العجیب (۱۱) الحجۃ الباہرۃ (۱۲) طرد الشیطان (۱۳) تنویر الحجۃ (۱۴) وقایۃ اہل السنۃ (۱۵) مقتل کذب وکید (۱۶) کشف ضلال (۱۷) سیف الجبار (۱۸) نور العرفان (۱۹) سامان بخشش (مجموعہ کلام) (۲۰) الطاری الداری تین حصے۔

آپ کے اندر ایمانی جرأت ایسی تھی کہ بلا خوف لومۃ لائم ہر صحیح اور سچی بات برملا کہتے اور اس میں کسی طرح کی مداہنت اور بے جا رعایت کے قائل نہ تھے جب کوئی خلاف شرع کام دیکھتے فوراً ٹوکتے بے داڑھی والا مسلمان سامنے آتا تو اس کو سختی کے ساتھ داڑھی رکھنے کی تاکید کرتے محافل میلاد اور جلسوں میں کوئی نعت خواں غلط شعر پڑھ دیتا جس میں شرعی سقم ہوتا یا کوئی خطیب وواعظ غلط مسئلہ یا روایت بیان کرتا تو فوراً وہیں مجمع عام میں اس کی اصلاح کرتے اس سے توبہ کراتے۔ اگر کوئی ننگا سر سامنے آتا۔ اس کو بھی برداشت نہ فرماتے۔ اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات پیش آئے جن سے قریب رہنے والے ہزاروں علماء وعوام بخوبی واقف ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد جب کہ مسلمان اور ہندو دونوں ایک دوسرے کے خلاف سخت مشتعل تھے اور برصغیر ہندوستان میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی اور صبح وشام خوف وہراس کے گزر رہے تھے بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مسلمان نقارۂ رحیل بجا کر اپنا رخت سفر باندھ رہے تھے ایسے ہنگامہ خیز دور میں آپ مسجد میں ہی نماز ادا کرتے جاتے، اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرتے اور وقت پر مسجد پہنچ جاتے۔ دنیا آج بھی جاکر دیکھ سکتی ہے کہ محلہ سوداگران بریلی میں صرف آپ کا خاندان آباد ہے بقیہ سب ہندو ہیں جن میں کثیر تعداد شرنارتھیوں کی ہے

آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے عظیم الشان دینی خدمات انجام دی ہیں۔ ہمیشہ گمراہوں کو راہ ہدایت دکھاتے رہے اور اپنے چند جملوں سے قلوب کی تسخیر کا آپ وہ کارنامہ انجام دیتے جا دوروں کی سینکڑوں تقاریر پر بھاری ہوتے۔ آپ کی دلکش اور مقدس صورت دیکھ کر بے شمار غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہزاروں بدعقیدہ آپ کی صورت زیبا دیکھ کر آپ کے تبلیغی جذبے سے متاثر ہوکر بدعقیدگی سے تائب ہوئے۔

بیعت وارشاد کے سلسلے میں تو اپنے دور میں آپ بے مثل وبے نظیر تھے اور ایسا عارف کامل ومرد مومن جس کی نگاہ حق میں شریعت وطریقت کے اسرار ورموز اوران کی تہ تک فوراً پہنچ جائے اور جس کے دامن کرم سے وابستہ مریدوں کی تعداد دسیوں لاکھ اور دلوں پر اس کی سلطانی وحکمرانی مسلم ہو اس کی مثال عالم اسلام میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔

افسوس کہ عرب وعجم کا رفقید المثال

(باقی ص۱۶۱ پر)

مفتیٔ اعظم ہند کی تحریک آفریں زندگی

مولانا جلال الدین قادری (لاہور)

مفتیٔ اعظم ہند کی زندگی سراپا حرکت تھی۔ وہ ہر جگہ متحرک نظر آتے ہیں۔ ابتداء سے انتہا تک حرکت ہی حرکت ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں باطل نے سر اٹھایا، حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے بے تابانہ اس کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ اس کا قلع قمع کر دیا۔ ملت اسلامیہ کو جب بھی اپنی بقا اور تحفظ کے لئے ضرورت پیش آئی، مفتیٔ اعظم نے دامے، درمے، قدمے، سخنے اس کی اعانت میں زندگی وقف فرما دی۔ اس سلسلہ کی چند تحریکات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان تحریکات میں مفتیٔ اعظم ہند کی سیاسی بصیرت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

تقریباً ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں امام احمد رضا نے جماعت "انصار الاسلام" قائم کی، جس کی غرض و غایت حمایتِ خلافت و حفاظتِ سلطنت اسلامی تھی۔ مظلومینِ ترک کی اعانت کے لئے عملاً اقدام کرنا اس کے مقاصد میں شامل تھا[1]۔ جماعت انصار الاسلام کے ناظم اعلیٰ مولانا حسنین رضا (برادرِ عم زاد امام احمد رضا) تھے جوانی کے عالم میں مفتیٔ اعظم اس کے رکن رکین تھے۔

انصار الاسلام کے ایک جلسہ کی قرارداد کے چند نکات ملاحظہ ہوں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ عنفوان شباب ہی سے مفتیٔ اعظم کس نوعیت کی سیاست کے قائل اور عامل تھے اور مسلمانوں کے لئے کیسا درد ان کے سینہ بے کینہ میں تھا، ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حفاظت مقامات مقدسہ اور مظلومین ترک کی امداد و اعانت

۲۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت

۳۔ معاشرتی تمدنی اور اقتصادی مفادات کی طرف مسلمانوں کی رہنمائی

۴۔ ترک و عرب اتحاد کے لئے کوشش و سعی

۵۔ خلافِ شرع برطانوی قوانین میں ترمیم کا مطالبہ

۶۔ مسلمانوں کے لئے اسلامی بینک کھولنے کی ترغیب دینا

۷۔ تجارت بڑھانے کے لئے مسلمانوں کو شوق دلانا

۸۔ مسلمانوں کے لئے اسلامی خزانہ کے قیام اور بیت المال کے لئے کوشش کرنا[2]

جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی، ۷/ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ / ۱۷ دسمبر ۱۹۲۰ء کو قائم ہوئی۔ اس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے:

(ا) پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا تحفظ۔

(ب) متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کرنے والے فرقہ گاندھویہ کا تحریری و تقریری رد کرنا۔

(ج) بدمذہبوں کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(د) آریہ اور عیسائیوں کے اعتراضات کے تحریری و تقریری جوابات دینا۔

(ہ) فاضل بریلوی امام احمد رضا اور دیگر علمائے اہلسنت کی تصانیف کی اشاعت[3]

"غیر اسلامی نظریہ "متحدہ قومیت"

---

[1] برکات مارہرہ و مہتابان بدایوں

[2] روزنامہ پیسہ اخبار لاہور شمارہ ۱۳ مئی ۱۹۲۱ء / بحوالہ ماہنامہ استقامت کانپور مئی ۱۹۸۳ء ص ۱۵۶

[3] ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست

کے ہیجانی دور میں اسلامی تشخص کے امتیاز و تحفظ، فتنۂ ارتداد کے انسداد اور عوام میں راسخ الاعتقادی پیدا کرنے میں جماعت رضائے مصطفیٰ نے مثالی اور موثر کام کیا۔ مفتیٔ اعظم اس کے رکن رکین تھے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے پلیٹ فارم سے آپ نے متعدد اسلامی تحاریک میں حصہ لیا۔

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء میں متعصب ہندوؤں نے سادہ لوح مسلمانوں کو (نعوذ باللہ) مرتد بنانے کی مہم شروع کی، جسے یہ لوگ شدھی کی تحریک کہتے تھے۔ علمائے اہلسنت نے اس ناپاک تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فتنۂ ارتداد کا انسداد کرنے والے علماء میں حضرت مفتیٔ اعظم کا اسم گرامی سر فہرست ہے۔ حضرت مفتیٔ اعظم نے پانچ لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا۔[1]

ہند میں فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں حرمین طیبین پر جب نجدی تسلط ہوا۔ نجدیوں نے حرمین طیبین میں جو مظالم ڈھائے وہ تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ ہندوستان سے ایک وفد اس غرض سے ترتیب دیا گیا کہ وہ نجدیوں کو مظالم سے باز رکھے۔ اس وفد کی تیاری میں حضرت مفتیٔ اعظم نے نمایاں حصہ لیا۔ اس سلسلے کی ایک خبر ملاحظہ ہو: "فتنۂ نجد اور جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی عین اس وقت جب کہ ہندوستان خود میدان جہاد بنا ہوا ہے اور آریہ و وہابیہ ہند کی شورشوں نے مجاہدین اسلام کو عدیم الفرصت کر رکھا ہے۔ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ اور خالص مذہبی جماعت، یعنی جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی نے ترتیب وفد کے لئے تیاری ظاہر کی اور بطل سنت و شیر اسلام حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب مدظلہ العالی نے اس کام (ابن سعود کے پاس وفد بھیجنے) کے لئے جیب خاص سے پانچ سو روپیہ کی گراں قدر رقم جماعت کو عطا فرمائی۔"[2]

خلافت ترکیہ کے زوال کے ساتھ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو تحریک خلافت شروع ہوئی۔ ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور گاندھی کے ہم نوا علماء نے مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کے خلاف اس بات پر زور دیا کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں۔ امام احمد رضا نے اس موضوع پر "دوام العیش فی الائمۃ من قریش" ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں تصنیف فرمایا۔ یہ رسالہ ۱۹۲۲ء میں بریلی میں پہلی بار چھپا۔ امام احمد رضا کے صاحبزادے مفتیٔ اعظم نے ۱۳ صفحات پر مشتمل ایک دیباچے کا اضافہ کیا۔ امام احمد رضا اور مفتیٔ اعظم نے جو کچھ فرمایا، بعد کے حالات نے ان کی تصدیق کر دی۔[3]

تحریک ترک موالات ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کے دور میں گاندھی گردی نے وہ طوفان برپا کر دیا جس سے بڑے بڑے مسلمان لیڈر بھی متاثر ہوئے۔ استرضائے ہنود کی خاطر اسلامی تشخص کی اقدار کو ختم کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ ظلم تو یہ تھا کہ اس میں مسلمان لیڈر پیش پیش تھا۔ ترک موالات کے دور میں انگریزوں سے ہر قسم کا مقاطعہ روا رکھا گیا۔ جب کہ ہندوؤں سے اتحاد و وداد کی باتیں ہونے لگیں، حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے دونوں غیر مسلم ایک جیسے سلوک کے مستحق تھے۔ مگر جذبات کی سیاست نے معاملہ الٹ دیا۔ اسی دور میں امام احمد رضا اور ان کے ہم نوا علماء و اکابر نے اس حقیقت کو واضح اور مبرہن کیا کہ مسلمان بحیثیت مسلمان قوم کے ہر دوسری قوم سے ممتاز ہے۔ کسی دوسری قوم سے اس کا اتحاد و وداد ممکن نہیں اور نہ شرعی طور پر جائز ہے۔ اسلامی تشخص کا تحفظ اور اس کو نکھارنے میں مفتیٔ اعظم نے مثالی کردار ادا کیا۔[4] اس طرح دو قومی نظریہ کے اولین داعیوں میں مفتیٔ اعظم کا اسم گرامی نمایاں طور پر شامل ہے۔

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں سکھوں نے انگریز حکام کی پشت پناہی میں لاہور کی مسجد شہید گنج کو مسمار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ جگہ اور عمارت گوردوارہ کی ہے۔ مسلمانوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ مسجد کے انہدام پر اسلامیان برصغیر تڑپ اٹھے۔ مسجد کی واگزاری کے جلسے جلوس کا شروع ہو گیا۔ بدقسمتی سے مجلس احرار ہند نے مسلمانوں کی اجتماعی مسائل میں نہ صرف عدم شرکت کی، بلکہ اس خالص اسلامی تحریک کی

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (الف) ماہنامہ انوار الصوفیہ، لاہور، ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ جولائی ۱۹۲۳ء ص ۲۵ (ب) ماہنامہ اشرفی، کچھوچھہ (بھارت) ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ/جولائی ۱۹۲۳ء (ج) سیرت امیر ملت، ص ۴۳۰ (د) روزنامہ خلافت، بمبئی مجریہ ۳۰ جون ۱۹۲۳ء ص ۴

[2] ماہنامہ اشرفی کچھوچھہ شریف، جمادی الآخری ۱۳۴۳ھ

[3] دوام العیش فی الائمۃ من قریش، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۲ء

[4] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (الف) الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ مصنفہ امام احمد رضا، فتویٰ پر مفتیٔ اعظم کی تصدیق ہے (ب) طرق الہدیٰ والارشاد الیٰ احکام الامارۃ والجہاد، مصنفہ مولانا مصطفیٰ رضا (ج) ہفت روزہ الفتح، کراچی، ۲۸ مئی، ۴ جون ۱۹۷۶ء

مخالفت کی اور یہ پروپیگنڈہ کیا کہ اس تحریک میں حصہ لینا جائز نہیں۔ جو مسلمان اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ ان کی موت، حرام کی موت ہے، وہ شہید نہیں،

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ / ۲۹ جولائی ۱۹۳۵ء کو مسجد شہید گنج کی بازیابی کے ضمن میں ہلاک ہونے اور تحریک میں حصہ لینے والوں کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک استفتا حضرت مفتیٔ اعظم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے نہایت تفصیل سے دلائل شرعیہ سے ثابت کیا کہ اس تحریک میں حصہ لے کر مسلمانوں پر فرض ہے کہ مسجد کو سکھوں سے آزاد کرائیں، اور جو لوگ اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں، وہ شہید ہیں۔ [۱]

اس طرح آپ کے شرعی فتاویٰ نے مسلمانوں کے اضطراب کو ختم کر دیا اور وہ جوش و جذبۂ اسلامی سے سرشار مسجد شہید گنج کی بازیابی کے لئے سرگرم عمل رہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں اشتراکیت کا فتنہ روس سے نمودار ہوا۔ ۱۹۳۵ء کے انتخاب میں کانگریسی لیڈروں نے اشتراکیت کی اشاعت کی اور اسے اہل ہند کی مشکلات کا حل بتایا۔ یو۔پی۔ سی۔پی وغیرہ صوبوں کی کانگریسی وزارتوں نے اشتراکیت کے بہروپ میں ناقابل برداشت مظالم ڈھائے۔ مسلمان ان مظالم کا نشانہ تھے۔ اشتراکیت کا "بے خدا نظام" مسلمانوں کے مصائب میں اضافہ کا باعث بنا۔

۲ محرم ۱۳۵۷ھ / ۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو ایک مبسوط و مدلل فتویٰ کی صورت میں حضرت مفتیٔ اعظم نے اشتراکیت کے بے خدا نظام کے خلاف موثر آواز بلند فرمائی۔ دہریوں اور اباحیوں کو آپ نے ابلیس کے ایجنٹ، شیطان کے وکیل، شیطنت کا پروپیگنڈہ کرنے والے اور خدا و رسولوں سے دور و بے تعلق کہا۔ ان کی بے عقلی اور کور باطنی کو طشت از بام کر دیا۔ [۲]

اس طرح مسلمانوں نے آپ کی رہبری و رہنمائی میں خوفناک اژدہے سے جلد نجات حاصل کر لی اور جلد ہی کانگریسی وزارتیں اپنے انجام کو پہنچ گئیں۔ اس طرح اشتراکیت کا اولین رد بلیغ کرنے والوں میں حضرت مفتیٔ اعظم شامل ہیں۔ برصغیر میں بیسویں صدی کے ربع اول ہی میں استخلاص وطن کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ ربع ثانی میں یہ تحریکیں اپنے عروج پر تھیں، مگر ان تحریکوں میں بعض اس قسم کے طریقے وضع ہوئے اور ان پر عمل ہونے لگا جس کا نتیجہ مسلمانوں کی ہمیشہ کی ہندوؤں کی غلامی مقدر ہو جاتی۔ علمائے اہلسنّت کا موقف یہ تھا کہ وطن کی آزادی کے بعد مسلمان بھی آزاد ہوں۔ انھیں ہندوؤں کی سرپرستی اور غلامی سے بھی نجات ملنی چاہئے۔ ظاہر ہے اس کے لئے کانگریس اور کانگریسی مسلمان لیڈر تیار نہ تھے، بلکہ ان کی مخالفت اپنے نقطۂ عروج پر تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کے معاشرتی، تجارتی، معاشی، تمدنی، تعلیمی اور سیاسی حقوق کو ہندوؤں پر قربان کیا جانے لگا۔ اس کرب ناک صورتِ حال کے پیش نظر علمائے اہلسنّت نے کل ہند سنی کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء میں مرادآباد میں اس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ جس نے مسلمانوں کو زندگی کا ایک نیا شعور بخشا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کانفرنس کی شاخیں کل ہند میں قائم ہو گئیں۔ حضرت مفتیٔ اعظم اس کانفرنس کے مرکزی سرپرست تھے۔ آپ کی سربراہی اور رہنمائی میں آل انڈیا سنی کانفرنس نے برصغیر کی سیاست میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ [۳]

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے شملہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کرانے کے لئے ایک کانفرنس کی۔ مسلم لیگ کا موقف تھا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے، جب کہ کانگریس متحدہ ہندوستان کے تمام باشندوں کی نمائندگی کی دعوے دار تھی۔ حضرت مفتیٔ اعظم نے قائد اعظم کے نام ایک تار میں مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کی حمایت کی۔ حضرت مفتیٔ اعظم کا یہ تار روزنامہ انجام، دہلی، مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء میں بھی شائع ہوا۔ [۴]

۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس کا انتظام و انصرام جمعیت اشرفیہ کچھوچھہ، اور امام احمد رضا کی قائم کردہ انجمن انصار الاسلام اور جماعت مصطفےٰ کے رضا کاروں نے نہایت سلیقہ سے

---

[۱] فتاویٰ مصطفویہ جلد دوم، مصنفہ مفتیٔ اعظم ص ۹۵ تا ۱۰۱
[۲] تفصیل ملاحظہ ہو: فتاویٰ مصطفویہ، مصنفہ مفتیٔ اعظم ص ۸۶، ۸۸
[۳] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس...
[۴] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (ا) ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۱ / نومبر ۱۹۴۵ء ص، (ب) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس

کیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کا خیمہ عجیب شوکت رکھتا تھا۔ حضرت مفتیٔ اعظم کے اس "ملکوتی نظام" کی ہر ایک نے تعریف کی۔ [1]

۱۳۶۴/۶۵ھ/۱۹۴۵/۴۶ء کے برصغیر کے مرکزی اور صوبائی انتخابات تاریخ میں معرکۃ الآرا نوعیت کے حامل تھے۔ انھیں انتخابات کے نتیجہ میں مسلمانانِ برصغیر کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ استخلاص وطن کے ساتھ اسلامی ریاست کا قیام انھیں انتخابات کا مرہونِ منت تھا۔ اس صورتِ حال میں علما و مشائخ اہلسنّت نے مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم مسلم لیگ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اس کے لئے علما نے باقاعدہ فتاویٰ جاری کیے "مسئلہ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئینِ شریعت کے مطابق فقہی اصول پر حکومت قائم کرنا سنّی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے۔" ان فتاویٰ پر حضرت مفتیٔ اعظم اور ان کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے دستخط سرِ فہرست ہوتے۔ [2]

آل انڈیا سنّی کانفرنس، بنارس کا ایک تاریخ ساز اجلاس ۲۴ر تا ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ/ ۲۷ر تا ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پانچ سو مشائخ عظام، سات ہزار علمائے کرام اور دو لاکھ سے زائد عوام اہلسنّت شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں حضرت مفتیٔ اعظم نے مرکزی کردار ادا کیا ـــــ اور کانفرنس کی طرف سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو مختلف کمیٹیاں مقرر ہوئیں، ان میں سے بعض کی سربراہی حضرت مفتیٔ اعظم نے قبول فرمائی۔ جن مجالس میں آپ کا انتخاب ہوا، وہ یہ تھیں:

تعلیم، پاکستان، دار القضاۃ، عائلی قوانین، جمعیت آئین ساز۔ [3]

اسلامی ریاست یعنی "پاکستان" کے قیام سے حضرت مفتیٔ اعظم کو کس قدر دلچسپی تھی؟ اس کا اندازہ اس پس منظر میں لگایئے کہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں آپ نے بریلی کے حلقہ میں مسلم لیگ کے نمائندہ اور امیدوار عزیز احمد ایڈوکیٹ کو پہلا ووٹ دیا۔ گویا اس حلقہ میں پاکستان کا سب سے پہلا ووٹ تھا۔ مفتیٔ اعظم نے اس سے پہلے کسی انتخاب میں ووٹ ڈالا اور نہ ہی اس کے بعد کسی انتخاب میں۔ گویا زندگی میں ایک ہی بار ووٹ کا استعمال کیا اور وہ پاکستان کے حق میں تھا۔ ووٹ کے استعمال کے بعد لوگوں نے آپ کو مفتیٔ اعظم ہند کی بجائے مفتیٔ اعظم پاکستان کہنا شروع کیا۔ [4]

کانگریسی حکومت ہند نے جانبداری سے کام لیتے ہوئے غیر منصفانہ طور پر اہلسنّت کے اداروں اور اوقات پر غیر سنیوں کو بالادستی کا حق دے دیا۔ ۱۹۶۰ء میں حکومت ہند نے ایک وقف ایکٹ کے ذریعہ اہلسنّت کے حقوق پائمال کرنے کی کوشش کی۔ نیز مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کا اسلامی تشخص اور امتیاز ختم کرنے کی سازش کی اور مختلف صوبوں میں مسلمانوں کے مذہبی مقامات مساجد و مزارات کو ظلماً چھیننے کی کوشش کی۔ اس صورت حال کے پیش نظر شاہزادہ امام احمد رضا حضرت مفتیٔ اعظم نے تمام علما و مشائخ کو جمع کیا اور دسمبر ۱۹۶۱ء میں آل انڈیا سنّی اوقاف کانفرنس دہلی میں منعقد کی۔ ڈیڑھ لاکھ افراد نے والہانہ انداز میں شرکت کی۔ یہ کانفرنس ایسی موثر اور کامیاب ثابت ہوئی کہ ایوانِ حکو[مت] میں زلزلہ آگیا۔ وزیر اعظم ہند اور دیگر صاح[بان] اقتدار نے از خود ملاقات کی خواہش کی اور مسلم[انوں] کے مطالبات کو بغور سنا اور اس پر عمل کیا۔ اس [سے] اہلسنّت کے مذہبی ادارے اپنا اسلامی تشخص [برقرار] رکھ سکے اور مسلمانوں کی قدیم مسلم یونیورسٹی علی گ[ڑھ] دستبردِ غیر مسلم حکومت سے محفوظ رہی۔ [5]

اس کانفرنس کی عظیم الشان کامیابی [کے] بعد حضرت مفتیٔ اعظم کی سرپرستی میں جماع[ت] رضائے مصطفیٰ بریلی نے کل ہند تعلیمی تنظیم[ی] کانفرنس، دہلی کے ذریعہ ہندوستان کے تم[ام] سنّی اداروں اور مدارس کو مربوط کرنے کی کوش[ش] شروع کی۔ ملک کے گوشے گوشے کا دورہ کر[کے] اور ان اداروں کے تفصیلی کوائف مرتب کر[نے] کے لئے ایک دفتر ترتیب دیا گیا۔ [6]

۱۳۶۵ھ/۱۹۵۶ء میں مسجد بی بی جی مرحومہ بر[یلی] میں دار العلوم منظر اسلام، حضرت مفتیٔ اعظ[م] کی سرپرستی میں قائم ہوا حضرت شیخ الحدیث قد[س سرہٗ] اس دار العلوم کے منتظم اور شیخ الحدیث تھے۔ تقسیم ہند کے بعد حضرت شیخ الحدیث پاکستا[ن]

---

[1] ماہنامہ اشرفی، کچھوچھہ، مئی ۱۹۲۵ء، ص ۱۵ر تا ۱۸
[2] اخبار دبدبۂ سکندری، رامپور، ۲۹ر مارچ ۱۹۴۶ء ص ۳
[3] اخبار دبدبۂ سکندری، رامپور، ۲۰ر مئی، ۲۷ر مئی، ۳ر جو[ن] ... ۲۲ر جولائی، ۱۲ر اگست ۱۹۴۶ء (ب) خطبہ صدارت از رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (ج) خطبات آل انڈیا کانفرنس
[4] روایت مولانا تقدس علی خاں بریلوی شیخ الجامعہ پیر گوٹھ (سندھ) ۲۲ر صفر ۱۴۰۳ھ
[5] ماہنامہ نوری کرن، بریلی، جنوری ۱۹۶۲ء ص ۴ تا ۸
[6] ماہنامہ نوری کرن جنوری ۱۹۶۲ء ص ۸

آگئے۔ اس وقت دارالعلوم کی کوئی مستقل عمارت نہ تھی۔ مسجد کے صحن اور حجروں میں طلبا اور اساتذہ کی رہائش تھی اور مسجد کا صحن درس گاہ تھا۔ اس عظیم ادارے نے بے سروسامانی کے عالم میں جو تعلیمی اور روحانی خدمات سرانجام دیں، وہ برصغیر کی تاریخ میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ مرکز علم و عرفان، بریلی میں اہلسنت کی ایک عظیم الشان یونیورسٹی ہو۔ عالم اسلام کے بے مثل عالم امام احمد رضا کی یاد میں ایک مثالی رضا لائبریری ہو اور آستانہ عالیہ رضویہ پر حاضر ہونے والوں، علمی پیاس بجھانے والوں کے لئے ضرورت سے آراستہ ایک رضا گیسٹ ہاؤس ہو۔ اس عظیم منصوبہ کے لئے حضرت مفتئ اعظم نے تحریک شروع کی۔ جگہ کا حصول اولین مرحلہ تھا۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء سے اس کے لئے کوشش شروع کردی گئی۔ جماعت رضائے مصطفےٰ کی ریلیف کمیٹی کو اس عظیم منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہدایت کردی گئی۔[1] حضرت مفتئ اعظم کی مساعی اور دعاؤں سے اس عظیم منصوبے کی داغ بیل پڑ چکی ہے اور انشاء اللہ العزیز جلد ہی یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں قائم ہوئی۔ اس وقت اس کی حیثیت ایک مقامی جمعیت کی تھی۔ اس جمعیت کے دو بڑے شعبے تھے۔ علمی، عملی۔

اس جمعیت نے دونوں پہلوؤں پر تاریخ ساز کردار سرانجام دیا۔ رفتہ رفتہ اس کی حیثیت مرکزی بن گئی۔ پورے برصغیر میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ اب اس کے اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط میں بھی وسعت کرنا پڑی۔ اس غرض کے لئے ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ ۳/ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو حضرت مفتئ اعظم کی سرپرستی میں برہان الملت حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری (خلیفہ امام احمد رضا) کے آستانہ عالیہ پر کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں حسب ذیل دفعات کا اضافہ کیا گیا۔

دفعات:۔ (۱) کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کی دائمی سرپرستی حضور مفتئ اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ فرمائیں گے۔

۲۔ کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ سارے ہندوستان کی کل مقامی، ضلعی، صوبائی اور کل ہند جملہ سنی تنظیموں کی نگراں اور جماعت ہوگی۔ ہندوستان کی ساری سنی تنظیمیں اور جماعتیں کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کے تحت رہیں گی۔

۳۔ مختلف سنی تنظیموں کے باہمی اختلاف کی شکل میں کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کی حیثیت ثالث اور حکم کی ہوگی۔

۴۔ کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کی جماعت کی تنظیم حسب ذیل ہوگی۔

(الف) ہر شہر میں دارالافتاء قائم کرنا۔
(ب) ہر شہر میں دارالقضا قائم کرنا۔
(ج) ہر جگہ مکاتب و مدارس اسلامیہ قائم کرنا۔
(د) ہندوستان کے ہر شہر کے مفتی اور قاضی کا براہ راست تعلق کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ سے ہوگا۔[2]

۵۔ کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کا مرکزی دفتر بریلی شریف ہی میں زیر نگرانی حضور مفتئ اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ رہے گا۔

۷۔ ریلیف کمیٹی، مرکزی جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی شریف کی نگرانی، ترمیمی اور تبدیلی کے کل اختیارات سرپرست و صدر کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کو حاصل رہیں گے۔[3]

(أ) ریلیف کمیٹی، مرکزی جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی شریف کے علاوہ اور کوئی ریلیف کمیٹی قائم نہ ہوگی۔

(أأ) ریلیف کمیٹی مرکزی جماعت رضائے مصطفےٰ کا کوئی انتخاب نہ ہوا کرے گا، بلکہ سرپرست و صدر کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ اپنے اختیارات خصوصی سے نامزد فرمایا کریں گے۔

جبل پور کے اس کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کے خصوصی اجلاس سے قبل امام احمد رضا کے عرس کے موقع پر ۲۶/ صفر ۱۳۸۳ھ/ ۱۸/ جولائی ۱۹۶۳ء کو کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کا مرکزی انتخاب عمل میں لایا گیا۔ جس میں برہان الملت حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری کو کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کا صدر اور جناب مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا جاچکا تھا۔ اب اس جبل پور کے اجلاس میں بقیہ عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔

نائب صدر اول۔ جناب مولانا سید محمد مدنی میاں خلف الرشید محدث اعظم کچھوچھوی

---

[1] (ا) ماہنامہ نوری کرن، بریلی، جنوری ۱۹۶۳ء ص ۴
(ب) ایضاً جون ۱۹۶۳ء ص ۳۱
(ج) ایضاً اگست ۱۹۶۳ء ص ۴

[2] مسلمانوں کی قومی و مذہبی نزاعات کے فیصلے کے لئے قاضی کی شرعی ضرورت چونکہ ہندوستان کی موجودہ سیکولر حکومت سے پورا ہونا ناممکن ہے۔ اس اہم ضرورت کو جماعت رضائے مصطفےٰ کی مرکزی حیثیت پورا کرے گی۔
فقیر قادری عفی عنہ

[3] اصل ماخذ ماہنامہ "نوری کرن" بریلی، مجریہ نومبر ۱۹۶۳ء میں ۶ نمبر کتابت سے رہ گیا ہے۔ فقیر قادری عفی عنہ

نائب صدر دوم: جناب مولانا رفاقت حسین،
احسن المدارس، کان پور
ناظم: مولانا علی محمد دھوراجی، راج بیلا
بھڑوچ، گجرات
نائب ناظم: جناب عبد الصمد مجنون، جبل پور
نائب ناظم و خازن: سید حمایت رسول،
نزد جامع مسجد بریلی

علاوہ ازیں متعدد جلیل القدر علمائے کرام
کو کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ کی ورکنگ کمیٹی
کا ممبر نامزد کیا گیا۔ [1]

اسی اجلاس میں سرپرست کل ہند
جماعت رضائے مصطفےٰ حضرت مفتئ اعظم اور
صدر مولانا برہان الحق جبل پوری نے اپنے اختیارات
سے سید حمایت رسول ریٹائرڈ گارڈ کو صدر
ریلیف کمیٹی کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ
نامزد فرمایا اور اسے اختیار دیا کہ وہ ایک ماہ کے
اندر اپنی کابینہ کی تشکیل دے کر منظوری
حاصل کریں۔ [2]

اس طرح حضرت مفتئ اعظم کی سرپرستی
میں جماعت رضائے مصطفےٰ کی نشاۃ ثانیہ نے اسلامیان
ہند کی مذہبی و قومی اسلامی ضرورت کو پورا کر دیا۔

ہندوستان کی سیکولر حکومت اپنے دعویٰ
لادینیت پر بھی قائم نہ رہی۔ نمائندگان کانگریس
کی حکومت نے غیر جانبداری کو بالائے طاق رکھ
دیا۔ مسلمانان ہند کی دینی، اقتصادی، لسانی
اور سیاسی حقوق کی پامالی کے واقعات اس قدر
عام ہو گئے کہ جذبۂ ایثار رکھنے والے علماء نے
محسوس کیا کہ ان کی ایک کل ہند مرکزی و سیاسی
تنظیم ہو جو مسلمانوں کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت
کا فریضہ سر انجام دے۔ چنانچہ جمادی الاخرہ
۱۳۸۳ھ / نومبر ۱۹۶۳ء کو آل انڈیا سنی جمعیت العلماء
کانفرنس کا عظیم اجتماع کان پور میں ہونا قرار
پایا۔ اس کانفرنس کی سرپرستی حضرت مفتئ اعظم نے
فرمائی۔ کانفرنس کے انعقاد سے قبل آپ نے اس
کی کامیابی کے لئے ایک عالمگیر پیغام شائع فرمایا
اس عالمگیر پیغام کی عبارت یہ تھی: نحمدہٗ
و نصلی علی حبیبہ الکریم و علی آلہ
و اصحابہ اجمعین۔ برادران اہلسنت!
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ یا قومنا
اجیبوا داعی اللہ اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ
کے داعی کی پکار پر لبیک کہو۔ آل انڈیا سنی
جمعیت العلماء کانفرنس مسلمانان ہند کی دینی، تعلیمی،
اقتصادی، لسانی، اوقاف کے تحفظ کی خاطر
سرزمین کان پور میں مورخہ ۱، ۲، ۳ / نومبر ۱۹۶۳ء
کو منعقد ہو رہی ہے، جس کی اطلاع اخبارات،
اشتہارات وغیرہا کے ذریعہ آپ تک پہنچ چکی ہوگی۔
یہ اہم کانفرنس ایسے موقع پر منعقد ہو رہی ہے جب
ملک کے اہلسنت جسم و جان سے گزر کر دین و ایمان
کی سخت آزمائش میں مبتلا کئے جانے والے
ہیں۔ الحاد، بد دینی، پیہم شکستیں کھانے کے
بعد اب حکومت وقت کا سہارا تلاش کر رہی
ہے۔ اسلام کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے دشمنان
ایمان مسلمانوں کے سکوت و سادگی سے ناجائز
فائدہ اٹھا کر دین و ملت کا سر بازار نیلام کر دینا
چاہتے ہیں۔ بے شمار مسائل نے مسلمان اور
آئندہ نسل کے دین و دنیا کو انتہائی خطرہ
میں ڈال دیا ہے۔ ایسی نازک حالت میں آل
انڈیا سنی جمعیت العلماء کے زعماء کا سرزمین
کان پور پر آل انڈیا سنی کانفرنس کا فیصلہ
ملک کے مسلمانوں کے لئے ایک نیک فال اور بہت سی
توقعات کا حامل ہوگا۔

جاں نثاران سنیت! رہبران قوم کے
جذبۂ ایثار و افادیت کے ساتھ قوم کی صلاحیت
استفادیت کا وجود انتہائی اہم ہے۔ ہزا
آفتاب نیم روز اپنی پوری تابانی کے ساتھ
آسمان پر جلوہ گر ہو، اگر نا عاقبت اندیش دو
کے وقت آنکھیں بند کر کے دوڑ رہے ہوں تو ٹھوکر
کھا کر بری طرح چور ہو جائیں گے۔ علمائے اہلسنت
مسلمانوں اور ان کی نسل کے دین و دنیا کے تحفظ
کی خاطر جذبۂ ایثار کے ساتھ میدان میں
آئے ہیں۔ اب فرزندان ملت اسلامیہ کی
ذمہ داریاں ہیں کہ بیدار ہو کر آل انڈیا سنی
جمعیت العلماء کانفرنس کان پور کو سرمایہ کی فراہم
اور کثیر تعداد میں شرکت سے پوری طرح کامیاب
بنائیں اور سنی جمعیت العلماء کی قیادت کو مستحک
کرنے کے لئے سارے ملک میں اس کی شاخو
کا جال بچھا دیں۔ علمائے اہلسنت سے بھی متوق
ہوں کہ سنی جمعیت العلماء سے وابستہ ہو کر صحت
دینی و دنیاوی راہنمائی سے قوم کو مستفیض فرمائیں
والسلام۔ فقط!

دعا گو: مصطفےٰ رضا قادری نوری رضوی
غفرلہٗ [3]

آل انڈیا سنی جمعیت العلماء کانفرنس
کی قیادت جن علمائے کرام کے ہاتھوں میں تھی، ان
میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔
مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ
برہان الملت مولانا برہان الحق جبل پوری

---

[1] ایضاً، جون ۱۹۶۲ء ص ۳۶، ۳۷
[2] ایضاً: ص ۳۷
[3] ماہنامہ "نوری کرن" بریلی نومبر ۱۹۶۳ء ص ۳۵

صدر العلماء حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی، سید العلماء حضرت مولانا مفتی سید آل مصطفےٰ مارہروی [1]

بحمدہٖ تعالیٰ چار لاکھ کے پُرشکوہ مجمع نے بانگ دہل اعلان کیا کہ آل انڈیا سنی جمعیت العلماء کانفرنس ہماری معتمد اور نمائندہ جماعت ہے۔ جمعیت علماء ہند، جو کانگریس کی ہم نوا ہے — اس کو مسلمانوں کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں۔[2]

اصلاحات کی آڑ میں مرکزی حکومت ہند نے مسلمانوں کے پرسنل لاء میں ایسی ترمیمات کرنے کا اعلان کیا جس سے مسلمانوں کی مذہبی شخصی آزادی شدید متاثر ہوتی۔ کانگریس کی ہمنوا جمعیت العلماء ہند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ان غیر اسلامی ترمیمات کی حمایت کی۔ اہلسنت جو ہند کی کل مسلم آبادی میں سب سے بڑی اکثریت ہیں، کو یہ ترمیمات کسی حال میں قبول نہ تھیں۔ چنانچہ ان کی نمائندہ مذہبی اور سیاسی تنظیموں کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ اور آل انڈیا سنی جمعیت العلماء ہند نے نہایت گرجدار اور موثر آواز میں ان غیر اسلامی ترمیمات کی مخالفت کی۔ عرس قادری رضوی بریلی کے موقع پر ۲۶ صفر ۱۳۸۳ھ / ۱۸ جولائی ۱۹۶۳ء کو حضرت مفتیٔ اعظم کی سربراہی میں کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ نے ان ترمیمات کے خلاف ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی۔ بعد میں آپ کی سربراہی میں ہونے والے آل انڈیا سنی جمعیت العلماء کے کانپور اجلاس میں ان ترمیمات کے خلاف موثر آواز اٹھائی۔[3]

۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء کا دور اسلامیان ہند کے لئے ایک بھیانک طوفان کا دور تھا۔ حکومت نے نسبندی کے جواز کے لئے مفتیان کو ترغیب و ترہیب سے مائل کرنے کی مہم شروع کی۔ کانگریس کے حامی مفتیان نے اس کے جواز کا فتویٰ جاری کیا۔ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ ان فتاویٰ کی خوب تشہیر کی۔ ہندوستان کا مسلمان اب ایسے نازک موڑ پر پہنچ چکا تھا، جہاں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پوری قوم ایسے میر کارواں کی تلاش میں تھی، جو اسے سہارا دے۔ ایمان و اعتقاد کی اجڑتی ہوئی کھیتی کو لالہ زار بنا دے۔ اس حال میں پاسبان ناموس رسالت، مجاہد ملت، اہلسنت کے تاجدار حضرت مفتیٔ اعظم اپنے علمی و روحانی وقار سے جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کھڑے ہوئے۔ آپ نے بے باکی اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے فتویٰ جاری کیا: "نسبندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔"

چونکہ ذرائع ابلاغ پر حکومت کے آہنی پنجوں کا قبضہ مضبوط تھا۔ ان کو اشاعت کا ذریعہ بنانا ممکن نہ تھا۔ آپ نے حکومت کے خلاف فتویٰ عدم جواز نسبندی کو سائیکلو سٹائل کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز حضرت مفتیٔ اعظم کا جرأت مندانہ اقدام ... دین مصطفےٰ کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا اور ظالم و جابر حاکم ایمرجنسی کے دور میں آپ کے فتویٰ کے مقابل بے بس ہو کر رہ گیا۔ نسبندی کے خلاف فتویٰ جاری کرنے اور اسے شائع کرنے کی بنا پر ضلع کلکٹر نے مسلح فورس کے ساتھ حضرت مفتیٔ اعظم کی محبوسی کے لئے سخت ہدایات جاری کر دیں، لیکن ایک صوبائی وزیر اور سابق اسپیکر صوبہ یو۔پی نے مرکزی حکومت سے رابطہ قائم کر کے صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر حضرت مفتیٔ اعظم کو گرفتار کیا گیا، تو پورے ملک میں بے چینی اور تشدد کے واقعات رونما ہوں گے۔ دیگر ذرائع نے بھی مرکزی حکومت کو یہی خبر دی کہ حضرت مفتیٔ اعظم کی گرفتاری سے حالات مزید ابتر ہو جائیں گے، اس لئے کہ وہ کسی حال میں بھی اپنا فتویٰ واپس نہیں لیں گے۔ اس پر مرکزی حکومت نے مداخلت کی اور بریلی کی انتظامیہ کو ہدایت کی کہ گرفتاری کے احکام ختم کر دیئے جائیں۔[4] کچھ دنوں بعد وہ حکومت خود بخود ختم ہو گئی۔

---

[1] ایضاً: ص ۳۵
[2] ایضاً: دسمبر ۱۹۶۳ء - ص: ۳۵
[3] (ا) ماہنامہ "نوری کرن" بریلی، ستمبر ۱۹۶۳ء ص ۳۹
(ب) ایضاً: نومبر ۱۹۶۳ء ص ۳۰
[4] ماہنامہ "استقامت" کانپور مئی ۱۹۸۳ء ص ۱۰۶، ۱۲۷، ۲۹۰

بدر القادری مصباحی، اسلامک اکیڈمی۔ ہالینڈ

زندگی کے گزرے ہوئے ماہ و سال کا کارواں جب تصورات کی راہوں پر جلوہ پیما ہوتا ہے۔ تو ان میں کچھ ایسے انمول لمحات جگمگاتے ستاروں کے مانند ملتے ہیں۔ جن کی تابانی و لمعانی اپنی پوری کائنات زیست پر، پر تو فگن محسوس ہوتی ہے۔ ؎

سب کو بھولا، ان کا ملنا اور بچھڑنا یاد ہے
داستانِ زیست لمحوں میں سمٹ کر رہ گئی

دیدار اولیں

وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا ــــــــــ

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے طلبا مئو جانے کی تیاری میں تھے فرصت کا دن تھا۔ گرمیوں کا زمانہ۔ میں نے اپنے ہم وطن طلبا سے اس ہماہمی کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا مئو میں کسی حاجی صاحب کی دعوت پر۔ شہزادہ اعلیٰ حضرت، تاجدار علم و فضل، مفتیٔ اعظم ہند تشریف لائے ہوئے ہیں۔ جن کی پیشانی کی سلوٹوں میں معرفت کا نور چمکتا ہے۔ تقویٰ و طہارت جن کے بدن کا لباس، اور احقاق حق و ابطال باطل جن کے عمامہ کا طرہ ہے۔ وہ درحقیقت اسلامیانِ ہند کے لئے قابل فخر ہستی ہیں ــــ مادر زاد ولی اللہ ــــ خاندانی عالم ظاہر و باطن ہیں۔ عرب و عجم میں ان کے والد گرامی، مجدد مائۃ حاضرہ کے علمی فضل و کمال، اور انقلاب آفریں مذہبی کارناموں کا ڈنکا بج رہا ہے ــــ مفتیٔ اعظم ان مقربان بارگاہ الٰہی میں سے ہیں جن کے چہرے کی لمحہ بھر زیارت مدت العمر کی بے ریا عبادت سے بدرجہا بہتر ہے۔ آؤ تم بھی چلو ان کی زیارت کر لو، ایمان میں جلا، روح میں بالیدگی ــــ اور احساس و شعور میں علم کا ذوق نکھر پڑے گا ــــ بزرگوں کی نگاہ کرم سے کیا کچھ نہیں ملتا۔

میں نے اپنے نگراں بزرگ بھائی مولانا حکیم سید حسام الدین صاحب گھوسوی سے اجازت لی، پھر دار العلوم کے دفتر انچارج حضرت مولانا علی احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) سے اجازت طلب کی۔ اور برادر کریم مولانا محمد قاسم قادری، مولانا عبد المجید نوری، وغیرہ کے ہمراہ مئو کے لئے چل پڑا۔ کم عمر اور ناتجربہ کار تھا ــــ آقائے نعمت حضور حافظ ملت کے زیر سایہ میں رہتا ضرور تھا۔ مگر اہل اللہ کی بارگاہ کے آداب میں کیا جانوں ــــ؟ ان دنوں ہدایۃ النحو وغیرہ پڑھتا تھا۔ ہم جماعت طلبا بھی سبھی مجھ سے بڑے تھے۔ حافظ محمد امین جلالپوری، حافظ مونگیری میری جماعت کے ذہین اور محنتی طلبا تھے۔ میرے ہم ذوق کھلنڈرے طلبا میں مولوی محمد اسمٰعیل دیوریاوی میرے اچھے دوست تھے۔ جو نئی نئی طرزیں لا لا کر مجھ سے نظمیں لکھنے کی فرمائش کرتے تھے۔ اور میں شعر و ادب کی فضا میں محو پرواز رہتا تھا۔

اشرفیہ میری قلبی اور روحانی بالیدگی کا گہوارہ ہے۔ آج بھی یورپ کی دنیا میں دس سال کا زمانہ گزار لینے کے باوجود۔ میں خواب کی دنیا میں پہنچ کر کبھی وطن مالوف گھوسی کی گلیوں اور کبھی اشرفیہ کی قدیم درس گاہ کے ارد گرد طواف کرتا رہتا ہوں۔ اشرفیہ کے ذکر پر خواہ مخواہ بھی جذبات میری مختصر داستان کو طولانی بنا دیتے ہیں۔ نہ جانے کیوں؟ ــــ پھر بھی اس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی۔ ؎

بیان درد محبت جو ہو تو کیوں کر ہو
زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دل زباں کے لئے (ذوق)

ہم سبھی احباب شوق کے پروں سے اڑ کر

جا پہنچے ـــــ خوب اچھی طرح یاد ہے کہ مئو
ے کراسنگ روڈ کے پاس، شارح بخاری
عصر، نائب مفتیٔ اعظم علامہ محمد شریف الحق
جدی دامت برکاتہم سے شرف ملاقات ملا۔ طلبار
سلام پیش کرنے پر حضرت کی رکشار کی سب نے
ست بوسی کی۔ اور گھوسی کا باشندہ ہونے
باوجود پہلی بار مجھے نائب مفتیٔ اعظم کی
یارت ہوئی ـــــ اور یہ حسن اتفاق
کہنا کہ مفتیٔ اعظم کی سرکار میں باریابی سے
لے ان کے نائب سے ملاقات ہوئی ـــــ سرکار
تیٔ اعظم کے میزبان حاجی صاحب کے دولتکدے
طلبار کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اس بھیڑ میں میری
اہوں نے پہلی بار اپنے مرشد طریقت کی زیارت
ے شادکامی پائی۔ آقائے نعمت حضور حافظ
ت علیہ الرحمۃ کے بعد یہ دوسری ایسی شخصیت
ی جو نگاہوں کی راہ سے میرے دل کے نہاں
انے میں اترتی چلی گئی ـــــ منحنی پیکر گندمی
ک، روشن وتابناک چہرہ ـــــ دمکتی پیشانی
ـــــ جھکی جھکی نگاہیں۔ موتی لٹاتے ہونٹ۔
ی کے گالوں سے نرم نرم ہاتھ مصافحہ کو مل
ے، تو آنکھوں سے مل کر ـــــ دل سے لگاکر
جی نہ بھرے ـــــ ؎

بعض اوقات کسی اور کے ملنے سے عدم
اپنی ہستی سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے

بچپن کا شعور ہی کتنا ـــــ دست بوسی
ـــــ آنکھیں پھاڑے جب تک موقع ملا
یں دیکھتا رہا۔ ملکوتی صفات سے مزین
ی ذات کے گرو منقول ومعقول کے ماہرین۔
گاہ فقہ وحدیث کے مسند نشین خانقاہ
وایا کے خرقہ پوش کیسے پروانہ وار نچھاور
امد حجاز جدید دہلی

ہو رہے تھے۔ میں اس وقت کچھ زیادہ تو نہ سمجھ
سکا مگر حیرت واستعجاب نے یہ احساس
ضرور دیا کہ اپنے اپنے فن کے ان عظیم فنکاروں،
علمائے اسلام اور مشائخ کرام کا شہزادہ
امام احمد رضا کے روبرو۔ اس طرح سر راہ
آنکھیں بچھانا۔ اور عقیدت واحترام میں بے خود
ہونا بلا وجہ تو نہیں ہو سکتا ؎

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ تھی سرکار مفتیٔ اعظم کے روئے تاباں
کی پہلی زیارت جو مجھے نصیب ہوئی۔ میری عمر اس
وقت ۱۲ اور ۱۳ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے
بعد برادر مکرم مولانا رضوان احمد شہید سے جو
مفتیٔ اعظم کے مرید تھے نسبت رضوی ونوری کا
نقش ذہن پر ثبت ہوتا رہا۔ اور متعدد جلسوں
اور کانفرنسوں کے مواقع پر اس آفتاب ولایت
کی لمعانیوں سے استفادے کا موقع ملتا رہا۔
تا آنکہ اگست ۱۹۷۶ء میں ہالینڈ کا سفر درپیش
ہوا ـــــ وہ سفر جس نے مجھے میرے ماحول۔
میری دنیا ـــــ میری جولانگاہ ـــــ میرے وطن
ـــــ اور میرے احساسات اور شعور کی رگوں
میں نغمہ تحریک بن کر گونجنے والی فضاؤں سے
محروم کر دیا۔

بچھڑ گئے ہیں کہاں ہمسفر خدا جانے
نقوش پا بھی نہیں گرد کارواں بھی نہیں

شرف بیعت

ہالینڈ میں کم وبیش دس ماہ پہلا قیام
کرنے کے بعد وطن واپسی ہوئی تو روح کی کشش
آستانہ عالیہ رضویہ پر لے گئی۔ میرے ساتھ
ہالینڈ کے ایک معمر شخص اسحاق خدا بخش ـــ
اور برادر کریم ڈاکٹر محمد قاسم قادری مورانوی
بھی تھے۔ سرکار مفتیٔ اعظم نے کرم فرمایا۔ اور
اپنے آنگن میں بلاکر شرف زیارت وبیعت سے
نوازا۔ اور میری خواہش اور طلب کے بغیر شہزادہ
گرامی حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری قبلہ
سے خلافت نامہ منگوا کر پڑھ کرایا۔ اور دستخط
سے مزین فرماکر عنایت کیا۔ میں اس الطاف
خسروانہ پر شرمندہ بھی تھا اور حیران بھی ـــــ
ایک لاابالی، کھلنڈرا، غیر متوازن انسان، اعمال،
اوراد اور معمولات تو الگ، جس کے فرائض وواجبات
بھی، اگر رحمٰن ورحیم رب قبول فرمالے تو قابل قبول
ہیں۔ ورنہ ـــــ من آنم کہ من دانم
پھر بھی بزرگوں کا یہ فرمودہ میری تسکین
کا ذریعہ بنا۔ ؎

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد است

خلافت نامہ کے ساتھ خاص اندرون
خانہ سے منگاکر اپنا استعمال کردہ ہلکے ہرے
رنگ کا ایک رومال عطا فرمایا ـــــ رومال مبارک
جو برادر مکرم مولانا ڈاکٹر محمد قاسم قادری،
الحاج محمد اسحاق خدا بخش اور مجھے مشترک
عطا ہوا تھا۔ مگر کرم فرما دونوں رفیقوں نے اپنے
حق سے دستبردار ہو کر مجھے ہی بخش دیا۔ جو آج
بھی میری گراں قدر متاع ہے۔ اور لباس عالم آخرت
کا جز بنانے کے لئے بحفاظت رکھا ہوا ہے۔
فقیر قادری کو اس نعمت گراں بہا کا حصول۔
سرکار مفتیٔ اعظم کی غلامی میں داخلہ اور
حصول خلافت ـــــ ۲۳ رجمادی الآخری ۱۳۹۹ھ
جون ۱۹۷۹ء کو ہوا۔ فالحمد للہ الوہاب علی نعمہ

وکرمہ وفضلہ العظیم۔

دس سال قیام ہالینڈ کے دوران آفات ومصائب کے متعدد طوفان سامنے آئے۔ مگر الحمد للہ میرے آقایان نعمت کا بے پایاں کرم ہے کہ ہر حال میں میری پشت پناہی فرماتے رہے ــــ اور ان حضرات کی پشت پناہی میرے لئے عزم وثبات قدمی۔ بلند حوصلگی۔ اور بالآخر کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔ ؎

اندھیری رات میں گر ان کی یاد ساتھ نہ دے
کہاں اٹھیں یہ قدم اور کہاں ملے منزل

ہالینڈ اور بلجیم کے اندر سلسلۂ عالیہ رضویہ کی اشاعت ہو رہی ہے ــــ کئی خانوادوں کو بریلی شریف بھیج کر داخل سلسلہ کرایا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے حرمین طیبین کی سرزمین پر جانشین مفتیٔ اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں قادری دامت برکاتہم کے دامن سے وابستگی حاصل کی ہے۔ اور ایک بار کے سفر ہالینڈ کے دوران جانشین مفتیٔ اعظم نے "قادریت ورضویت" کے انوار سے اس خطہ تاریک کو خود رونق بھی بخشی ہے۔ ؎

رہے یہ جاری قیامت تک ان کا فیض عام
جہاں میں پھولے پھلے باغ رضوی و نوری

ــــ بدر

آخری دیدار

اسٹرڈم میں (۱۹۸۴) اسلامک سینٹر ہینڈ لینڈ کی علمی تگ ودو نقطۂ عروج پر تھی۔ اور وطن ہند میں بھی کئی ضروری کام میرے سفر کا مطالبہ کر رہے تھے ــــ اسی دوران میرے مرشد طریقت کی کشش نے یہاں کے کاموں سے دل اچاٹ کر دیا۔ اور یک بیک میں نے وطن کا رخت سفر باندھا ــــ پہلے سیدھے گھوسی پہنچا۔ پھر برادران گرامی مولانا محمد احمد مصباحی ومولانا عبدالمبین نعمانی کے ہمراہ بریلی شریف حاضر ہوا ــــ نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا ریحان رضا خاں علیہ الرحمۃ کے ذریعہ مرشد طریقت کی زیارت نصیب ہوئی ــــ نقاہت حد سے زیادہ تھی۔ اہل ارادت ومحبت کا دن رات تانتا بندھا رہتا تھا ــــ معالجین نے لوگوں سے ملنے جلنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ مگر ؎

خود راہ بنا لے گا بہتا ہوا پانی ہے

کے مانند حال بازان مفتیٔ اعظم زیارت اور قدمبوسی حاصل ہی کر لیتے تھے۔ اس وقت حضرت پر اکثر استغراق کی کیفیت رہتی ــــ زبان ہمہ دم محو ذکر رہتی ــــ جب بھی ہوش میں آتے نماز کے بارے میں پوچھتے ــــ مجھے نماز پڑھنی ہے۔ کیا میں نے نماز ادا کی ــــ ؟ یا اللہ میری نماز۔ اس عرصہ میں مخلوق خدا شب وروز ٹوٹی پڑتی تھی ــــ محلہ سوداگران میں مخلوق خدا کا تانتا لگا رہتا تھا۔ شیخ وشاب ــــ علماء۔ فضلاء وعوام ــــ تمنائے دیدار لئے چلے آتے تھے۔

نصف شب کے قریب ہم نے اس آفتاب ولایت کا دیدار کیا، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور ان کے لرزتے لبوں کی دعائیں لیں۔ کسے خبر تھی یہ دیدار ہی ان کا آخری دیدار ہے۔ اور اب اس عالم میں نگاہیں ان کے جلوؤں سے محروم رہیں گی۔ دوسرے روز ہم لوگ مبارکپور لوٹ آئے۔

اور وہ چلے گئے

۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء کی تاریخ مسلمانان برصغیر کے لئے غم واندوہ کی یہ خبر لائی کہ شب میں ایک بجکر چالیس منٹ پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت، سرکار مفتیٔ اعظم کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۵ محرم کو اپنی بیٹھک کے اندر نماز مغرب سے فارغ ہو کر اہل خانوادہ کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ دارالعلوم اہلسنت شمس العلوم سے مولانا عاصم اعظمی، مولانا رضوان احمد شریفی کا فرستادہ حضرت کے وصال اور ۱۶ محرم دو بجے نماز جنازہ ہونے کی خبر لایا۔ سنتے ہی بجلی سی گر پڑی۔ اوسان خطا ہو گئے گھر میں جا کر والدہ ماجدہ کو خبر دی اور اجازت لے کر فوراً روانہ ہو گیا۔ بس سے اعظم گڑھ روڈویز پہنچا تو شب کو دس بجے وہاں ہزاروں مشتاقان مفتیٔ اعظم کو آمادۂ سفر دیکھا۔ مبارکپور محمد آباد، جین پور، گھوسی، خیرآباد، چریاکوٹ شہر اعظم گڑھ، اور دیگر قصبات وقریات کے مسلمان سواریوں کے انتظار میں سرگرداں نظر آئے۔

بہر حال ایک بس میں جگہ ملی اور ہم لوگ لکھنؤ جا پہنچے برادران گرامی مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا عارف اللہ قادری، مولانا نصر اللہ قادری، مولوی قاری شفیق مبارکپوری، مولوی محمد محفوظ ھولندی اور راقم الحروف ہمراہ ہی تھے۔ لکھنؤ سے بھی مناسب وقت پر سواری مل گئی اور بارہ بجے تک ہم لوگ پھر سرزمین بریلی پر وارد ہو گئے۔ چند روز پہلے تو صرف

(باقی صفحہ ۱۴۱ پر)

مفتیٔ اعظم! تاجدارِ اہلسنت

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی جامعہ ہمدرد۔ نئی دہلی ۶۲

مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل، استاد اپنے شاگرد، پیر اپنے مرید، مصنف اپنی کتاب اور انسان اپنے کردار سے پہچانا جاتا ہے کسی انسان کی عظمت کو پرکھنے کے لئے اس کے کردار کو آزمانا بے حد ضروری ہے یوں تو دنیا میں نہ جانے کتنے انسان آئے اور راہیٔ ملک عدم ہوگئے۔ قومیں تباہ ہوگئیں، خاندان تہس نہس ہوگئے۔ آج صفحۂ ہستی پر ان کا کوئی نام ونشان نہ رہا برخلاف اس کے جو انسان کردار کا دھنی ہوتا ہے زندگی کے کسی گوشہ میں اس کی فوقیت وبرتری مسلم رہتی ہے تو اس کا نام انسانوں کی بستی میں سکۂ رائج الوقت کی طرح ہمیشہ چلتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی شخصیتیں نادر وکمیاب ہوتی ہیں کسی شہرت کی خاطر نہیں بلکہ بے لوث وہ اپنے عمل میں مصروف رہتے ہیں جن لوگوں نے دنیاوی شہرت کو پس پشت ڈال کر مرضیٔ مولیٰ کے مطابق زندگی کا ہر لمحہ بسر کیا ان میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفٰے رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات بڑی اہمیت کی حامل ہے یوں تو ان کے خاندان کا ہر ہر فرد اتباع رسول کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا مگر کچھ ذاتی خوبیوں کے سبب والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد قوم نے جس اعزاز سے آپ کو نوازا وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آیا میرا اپنا ذاتی مشاہدہ ہے۔ یہ کوئی ۷۲-۱۹۷۱ء کی بات ہے جن دنوں میں ضلع بستی کے ایک ادارہ میں مولوی درجات کا طالب علم تھا ۱۵ ر کلومیٹر کی دوری پر ایک بستی میں حضور مفتیٔ اعظم کی آمد ہوئی آپ کی یہ تشریف آوری سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلسہ میں ہوئی تھی میں اور دیگر کچھ احباب جنہیں مفتیٔ اعظم ہند کی زیارت کا شوق عرصہ سے دامن گیر تھا گئے مئی جون کا زمانہ گرمی کی تمازت الامان والحفیظ وارفتگیٔ شوق میں دس میل کی مسافت پیدل طے کرکے گئے وہاں کڑی دھوپ میں اس وقت پہنچے جب مفتیٔ اعظم ہند وضو فرما رہے تھے نحیف وناتواں جسم، نورانی شکل وصورت کشادہ پیشانی، دستار پُروقار، چمکتی نگاہیں کسی ایسے باکمال اہل اللہ کو میری نگاہوں نے پہلی بار دیکھا تھا پہلی زیارت کیا ہوئی میں ہمیشہ کے لئے انھیں کا ہوگیا جب بھی آپ اس علاقہ ونواحی میں تشریف لاتے ضرور میں زیارت کرکے تسکین نظر حاصل کرتا اور روح ایمان کو بالیدگی بخشتا ایمان دنوں کی میری زیارت کسی عام انسان سے کم نہ ہوتی جوں جوں علمی ترقی ہوتی رہی اور نگاہوں میں تجسس کا ملکہ پیدا ہوتا رہا تو وہ پہلی ملاقات جس میں میں نے مفتیٔ اعظم ہند کو نورانی شکل وصورت کا صرف ایک بزرگ انسان دیکھا تھا لیکن سال رحلت سے قبل بریلی شریف میں میری آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں دانش گاہ علم وفن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پہنچ چکا تھا اس وقت میری نگاہوں نے دیکھا کہ مفتیٔ اعظم ہند صرف سادہ لوح بزرگ انسان ہی نہیں بلکہ علوم وفنون کے بحر ذخار عابد شب زندہ دار، متقی وپرہیزگار اور مسلک سنیت کے علمبردار ہونے کے ساتھ ساتھ اہلسنت کے تاجدار بھی ہیں۔

مفتیٔ اعظم ہند کی تاجداری کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ان کی ذات بابرکات ان تمام معاملات میں جن کے سبب کسی مذہب کی فلاح وبقا اور نیک نامی کا انحصار ہوتا ہے یگانہ تھی علم وفضل، زہد وتقوی، رشد وہدایت سیاسی شعور وآگہی، صداقت شعاری، راست بازی اور اتباع سنت مصطفوی میں بلاشبہ وہ اپنی مثال آپ تھے ہر فن میں آپ کی ریاست اور تاجداری

مسلم تھی تصنیف وتالیف میں انھوں نے جو علم وفن کے جوہر دکھائے ہیں اس سے بھی دنیائے علم وفن میں تاجداری کا پتہ چلتا ہے، رشد و ہدایت میں آپ کی زندگی کا بیشتر لمحہ صرف ہوا ہے پھر بھی ایک درجن سے زائد کتابیں آپ کی علمی عبقریت پر شاہد عدل ہیں۔ بقول کسے

"ان کی تحریر میں ان کے والد ماجد
امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اسلوب
کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی
ہے تحقیق کا کمال اور تدقیق کا جمال
بھی فتاویٰ کی جزئیات پر عبور کا
جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی
کے تفقہ کا انداز بھی" [1]

جس کے انداز تصنیف میں امام احمد رضا جیسے زود نویس قلم کا رنگ جھلکتا ہو اس کی تصنیف وتالیف کا انداز کیا ہوگا والد جلیل ہی کی طرح آپ کا بھی قلم اصلاح عقائد اور فتویٰ نویسی سے متعلق فیصلے صادر کئے جو بجائے خود بڑی اہمیت کے حامل ہیں جس کے سبب آپ کو "مفتیٔ اعظم ہند" جیسے عظیم الشان لقب سے نوازا گیا۔ اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ جو واقعی تاجدار ہوتا ہے وہ کسی کا فراز حکومت کے گرد و غبار میں اٹنا نہیں چاہتا اس کی زندگی دنیا کی آلائشوں سے بے غبار ہوتی ہے اس کی زندگی کا ہر لمحہ اعلائے کلمۂ حق کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔

نسبندی کے رستاخیز زمانے میں بریلوی دارالافتار سے جو فتویٰ صادر ہوا تھا وہ ملک وملت کی فلاح وبہبود کا ضامن تھا قوم کی تباہی کا سبب ہر زمانے میں کچھ علمار ہی رہے ہیں اس دور میں بھی کچھ نام نہاد علمار نے نسبندی سے متعلق جو اپنا موقف صادر کیا وہ ملت اسلامیہ میں انتشار و بے چینی کا سبب بنا بعض دین فروش مفتیوں نے حکومت ہند کے من پسند جو گول مول فتویٰ صادر کیا حکومت ہند کی نشریات نے بڑے خوبصورت انداز میں ملک کے گوشے گوشے میں مختلف ذرائع ابلاغ سے پہنچا دیا جو درج ذیل خیال پر مشتمل تھا۔

"میں علمائے کرام سے درخواست
کروں گا کہ اب تک منفی پہلو پر غور
فرمایا ہے اب مثبت پہلو پر بھی
غور فرمائیں یہ مسئلہ اجتہادی ہے" [2]

اس کے برخلاف رضوی دارالافتار بریلی سے جو فتویٰ صادر ہوا وہ شریعت مطہرہ کے عین مطابق تھا حکومت ہند کے عمائدین نے لاکھ کوششیں کیں کہ اپنے موقف کی تائید میں فتویٰ جاری کرا لے مگر قربان جایئے خانوادۂ رضویہ پر اس طوفان حوادث میں جبل مستقیم بنے رہے جو کہا حق کہا حق کے علاوہ کچھ نہ کہا واضح لفظوں میں اعلان کر دیا "نسبندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے" اور یہی لکھ کر شائع بھی کیا۔ حکومت ہند کو اس سے عجیب ٹھیس لگی اور اس کی ساری فیملی پلاننگ نذر خس وخاشاک ہو گئی اس فتویٰ سے حکومت ہند کے ایوان میں بے چینی پھیل گئی مفتیٔ اعظم ہند کو گرفتار کرنے کا فیصلہ ہوا مگر وہ تاجدار اہلسنت تھے کس کی مجال تھی کہ ان کے ہاتھوں میں بیڑیاں ڈالتا پوری جمعیت اہلسنت میدان میں آجاتی اس طرح پورا ہندوستان خون میں ڈوب جاتا جیسے ہی حکومت کو اس قسم کا خطرہ لاحق ہوا مفتیٔ اعظم ہند کے خلاف سارے منصوبے کالعدم قرار دے دیے اور پھر ایک جملہ بھی غیر مناسب ان کے بارے میں استعمال نہ کر سکے۔

مفتیٔ اعظم ہند کی زندگی کا ہر لمحہ شریعت مطہرہ کے سانچہ میں ڈھلا ہوا تھا شریعت کے برخلاف انھوں نے اپنی دانست میں بچپن سے لے کر تا دم حیات کوئی کام نہیں کیا اس کے لئے انھیں کیا کچھ نہیں کرنا پڑا مگر وہ اپنے ارادے پر اٹل رہے اگر یہ فیصلہ کر لیا کہ جس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں تصویر کھنچوانا، رکھنا، بنانا سب حرام ہے اس رسول محترم کی بارگاہ میں تصویر کھنچوا کر جاؤں یہ اتباع شریعت مصطفوی کے خلاف ہے تاجدار اہلسنت کا یہ فیصلہ اتنا اٹل اور مستحکم تھا کہ اس فیصلے کے سامنے حکومت ہند نے بھی گھٹنے ٹیک دیے اور خود اپنے ہاتھوں اپنے قانون کا گلا گھونٹتے ہوئے اس نے بلا فوٹو آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کا پاسپورٹ بنانے کا حکم صادر فرما دیا اس طرح بغیر کسی گناہ کا ارتکاب کئے ہوئے زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو گئے یہ آپ کے تیسرے حج کا واقعہ ہے دو بار حج آپ نے اس وقت ادا فرمائے جب فوٹو کی شرط نہیں تھی۔

تاجدار اہلسنت مفتیٔ اعظم ہند نہ تو خود خلاف شریعت کوئی عمل کرتے اور نہ ہی کسی شخص کو کرتا ہوا دیکھنا چاہتے کوئی مسلمان خواہ ہندو یا مسلمان اگر فرمان خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اسے بھی ٹوک دیتے اور صرف ٹوکتے ہی نہیں بلکہ ہر ممکن طور پر اسے اس برے عمل سے روکنے کی کوشش

---

[1] ماہنامہ استقامت مفتیٔ اعظم ہند نمبر ص ۴۲۹ کانپور ۱۹۸۳ء

[2] ص ۴۷۳

...تے آج کہ اس پُر فتن دور میں کسی بدکردار شخص
...اس کی بدکرداری سے روکنا کس قدر جرأت اور
...پاکی کا کام ہے اس کی وضاحت کی یہاں چنداں
...ورت نہیں حضرت کے پرانے خادم ناصر میاں
...بیان ہے کہ ایک بار حضرت ٹرین میں سفر کر رہے
اتفاق سے اس ڈبے میں ملٹری کے لوگ
جو شراب پی رہے تھے حضرت اپنے برتھ
...سو کر اٹھے تو دیکھا اور منع کیا وہ نہیں مانے
...اُن کا ہیڈ تھا تو اسے بڑے زور سے ڈانٹا
...یا زمانے دار تھپڑ رسید کیا کہ شراب کی
...ی دور جا گری اور اس کا منھ گھوم گیا یہ منظر
...کر میں گھبرا گیا[1] مفتیٔ اعظم ہند یقیناً
...دار اہلسنت تھے ان کی زندگی کا یہی معمول تھا۔

ٹوک دو گر غلط کہے کوئی
روک دو گر غلط کرے کوئی

شراب یقیناً ام الخبائث ہے ہر مذہب
اس کی برائیاں موجود ہیں کوئی بھی شریف انسان
...سے پینے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اس سے
...و فساد رونما ہوتے ہیں وہ اہل علم پر
...نہیں مفتیٔ اعظم ہند کی یہ وہ خوبی ہے جو
...کے ہمعصروں میں نہیں پائی جاتی قدم قدم
...وں کو برائی سے باز رکھنا، نیکی کی تلقین کرنا اور
...ھک غیر شرعی حرکت پر روک دینا۔ ان امور سے
...زہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس تاجدار کا امر بالمعروف
...ہی عن المنکر میں کیا مقام تھا۔

تاجدار اہلسنت کی فقہی بصیرت مسلمات
...سے ہے شریعت مصطفیٰ کے خلاف انھوں
...بھی کوئی حکم صادر نہیں فرمایا ایک بار کا
...نہ ہے کہ پوری دنیائے اسلام کے مفتیان کرام
...ایک مسئلہ پر متفق تھے مگر آپ کا فتویٰ

...ہوائی جہاز جدید دنیا

سب کے برعکس تھا۔ پاکستان رویت ہلال کمیٹی
کے افراد عید و بقر عید کا چاند مشرقی و مغربی
پاکستان میں جہاز میں سوار ہو کر دیکھتے ہیں پھر
ان کی تصدیق پر حکومت کی جانب سے پورے ملک
میں رویت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ایک بار اسی
طرح ۲۹ رمضان کو رویت ہلال کمیٹی کے افراد
چاند دیکھنے ہوائی جہاز سے اڑے مشرقی پاکستان
سے مغربی پاکستان جاتے ہوئے چاند نظر آ ہی
گیا حکومت پاک نے رویت ہلال کا اعلان
عام کر دیا۔ وہاں کی سنی عوام نے اس فیصلے
کو نہ مانا اور انھوں نے تمام اسلامی ملکوں کے
مفتیان عظام سے رابطہ قائم کیا مفتیٔ اعظم ہند
کے پاس بھی استفتا آیا تمام اسلامی ممالک کے
مفتیوں نے حکومت پاکستان کی رویت ہلال کمیٹی
کی تائید کی مگر تاجدار اہلسنت مفتیٔ اعظم ہند نے
اس فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے اپنا فیصلہ
درج ذیل لفظوں میں صادر کیا۔

"چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے
کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے
وہاں شرعی شہادت پر قاضی شرع حکم دے گا
چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے کہ جو زمین سے
ملی ہوئی ہو وہاں دیکھنا چاہئے رہا جہاز سے
چاند دیکھنا یہ غلط ہے کیوں کہ چاند غروب ہوتا
ہے فنا نہیں ہوتا ہے اس لئے کہیں ۲۹ کو
اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اگر جہاز اڑا کر
دیکھنا شرط ہو تو اور بلندی پر جانے کے بعد
چاند ۲۷ اور ۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا
۲۷ اور ۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور
نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا ایسی حالت
میں جہاز سے ۲۹ کے چاند کو دیکھنا کب معتبر ہوگا۔"[2]

مفتیٔ اعظم ہند کے اس فتویٰ کا اتنا اثر
ہوا کہ حکومت نے تصدیق کے طور پر اگلے مہینے کی
۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو جہاز سے چاند دکھوایا چاند
نظر آ گیا اس طرح حکومت نے مفتیٔ اعظم کے
اس فتویٰ کی روشنی میں رویت ہلال کمیٹی توڑ
دی اور دنیا کے مفتیان کرام نے مفتیٔ اعظم ہند
کے سامنے سر نیاز خم کر کے ان کی فقہی عبقریت
دل سے تسلیم کر لی۔

اخلاق و کردار میں بھی حضور مفتیٔ اعظم ہند
اپنے والد ماجد کا عکس تھے ان کی زندگی کا ہر لمحہ
سیرت رسول کا آئینہ دار تھا بد فال نکالنے کو منع کرتے
قبرستان کی تعظیم اور سادات کا احترام دل سے کرتے
غیر اسلامی نام رکھنے اور نام بگاڑ کر بولنے کو
منع کرتے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت دھیان دیتے
ایک بار پلیٹ فارم پر مسافروں میں سے کسی نے
کہا کہ "طوفان آنے والا ہے" مفتیٔ اعظم نے سنتے
ہی فوراً منع فرمایا اور کہا کہنا ہے تو کہو کہ "فلاں
وقت طوفان جانے والا ہے"[3]

ایام طفولیت سے لے کر سفر آخرت تک وہ
زندگی کے تمام گوشوں میں یہ ثابت کر چکے تھے کہ مفتیٔ
اعظم ہند یقیناً تاجدار ہیں جس کی تصدیق
عوام و خواص ہر ایک نے آپ کے پردہ فرمانے کے
بعد اکناف عالم سے جوق در جوق لاکھوں کی
تعداد میں آ کر کی اخبار و ریڈیو کی اطلاع کے مطابق
"جلوس جنازہ میں ملکی و غیر ملکی اخبار
نویسوں، رپورٹروں کی خاصی تعداد
موجود تھی جنھوں نے اپنے تاثرات کا

---

[1] عبد النعیم عزیزی، مفتیٔ اعظم ہند ص ۱۰۶ مطبوعہ ۱۹۸۱ء
[2] ماہنامہ استقامت مفتیٔ اعظم ہند نمبر ص ۳۹۴
[3] عبد النعیم مفتیٔ اعظم ہند ص ۳،

اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ دنیا کی
تاریخ میں کسی مذہبی پیشوا کے جلوس
جنازہ میں اتنی بڑی تعداد ریکارڈ
نہیں کی گئی [1]

تقویٰ و طہارت میں حزم و احتیاط کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار آپ نے وضو فرمایا کہتھا بالکل مختصر چھنگلی کے ناخن میں لگا رہ گیا آپ نے امامت کی نماز پڑھانے کے بعد ہاتھ کی چھنگلی کو دکھاتے ہوئے فرمایا چھنگلی کے ناخن میں پانی کا کتھا لگا رہ گیا پھر سے وضو کروں گا اور پھر سے نماز ہوگی۔ اسی تقویٰ ہی کا نتیجہ تھا جس کے سبب سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں صرف آپ کی نورانی شکل و صورت دیکھ کر داخل اسلام ہو گئے اشاعت دین حق کا جو فریضہ آپ نے اپنی مجلس گفتگو، علم و فضل کے علاوہ اپنی نورانی موہنی صورت سے کیا وہ اس دور کے علماء پرجوش اور شعلہ بیان تقریروں سے نہ کر سکے اس طرح کی بیشتر مثالیں ہیں کہ لوگوں نے نورانی چہرہ دیکھا اور اس میں ایمان کی وہ تابانی نظر آئی جس سے ان کے دل و دماغ منور ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور بغیر کسی تمہید کے دست حق پرست پر اسلام لے آئے اتباع شریعت مصطفوی تاجدار اہلسنت کی زندگی کا نصب العین تھا زندہ رہے تو اسی کی روشنی میں اور جان جان آفریں کے سپرد کی تو اسی کی تعلیم دی اور مرید اور عقیدت مندوں سے یہی فرمایا

سنت مصطفےٰ کو مضبوطی سے
پکڑے رہنا اسی میں دین و دنیا
کی بھلائی ہے [2]

اشاعت دین حق کے سلسلے میں یہ تگ و دو اور جاگ دوڑ بے لوث تھی اگر آپ اس کا صلہ چاہتے تو آپ کی آواز بھی اسی طرح بے اثر رہتی جس طرح ان علماء کی تھی اور ہے جنہوں نے اشاعت دین حق کو پیشے کے طور پر اپنایا ہے۔

خدا ہمیں اور آپ کو مفتی اعظم ہند کی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ عمل بنانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم صحیح طور سے اسوۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر چل کر سعادت دارین سے مستفیض ہو سکیں۔
(آمین)

---

[1] ماہنامہ استقامت مفتی اعظم ہند نمبر ص ۵۵۱
[2] 〃 〃 〃 ص ۲۸۳

(صفحہ ۱۱۴ کا بقیہ)

فوراً تنبیہ فرماتے کہ کچہری کہو، عدالت نہیں۔ جہاں عدل نہیں اس کو عدالت کہنا جائز نہیں۔

۷۔ طوفان جاتا ہے

ہندوستان میں ایک ٹرین طوفان میل ہے اکثر لوگ اس کی آمد و رفت کا تذکرہ کرتے ہوئے مختلف طور پر اس طرح کہتے ہیں اتنے بجے طوفان آتا ہے ایک مرتبہ اسی طرح حضرت کے سامنے کسی نے ٹرین کے آنے کا وقت بتاتے ہوئے کہا اتنے بجے طوفان آتا ہے حضرت نے سن کر فرمایا یہ نہ کہو کہ طوفان آتا ہے بلکہ کہو اتنے بجے طوفان جاتا ہے (وقت بتانے کا مقصد اس سے بھی حل ہوتا ہے)۔

۸۔ مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا

ایک مرتبہ گیا (بہار) میں حضرت کی موجودگی میں ایک مولانا صاحب تقریر فرما رہے تھے دوران تقریر گیا کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کسی بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا اے گیا کے بدنصیب مسلمانو! حضرت نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا یوں کہو اے مسلمانو! مولانا صاحب نے کچھ تاویل کرنی چاہی کہ میری مراد یہ تھی وہ تھی اس پر حضرت نے پھر فرمایا کچھ نہیں۔ مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا پھر مولانا صاحب نے وہ لفظ چھوڑ دیا۔

(مولانا مبین الہدیٰ گیاوی)

۹۔ داڑھی کا بوجھ

غالباً ۱۹۷۲ء کی بات ہے۔ حضرت جمشید
(بہار) تشریف لے گئے تھے وہاں پر ایک صاح
اپنی لاعلاج بیماری کا ذکر کرتے ہوئے تعویذ
درخواست کی۔ حضرت نے تعویذ دے دیا
فرمایا کہ کوئی وزنی چیز نہ اٹھایئے گا اور آپ
کوئی وزنی چیز اٹھائیں گے۔ جب ذرا سی دا
کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس بات کا ان صاحب
پر اتنا اثر ہوا کہ پہلے تو خشخشی داڑھی رکھے ہو
تھے اس کے بعد پوری داڑھی چھوڑ لی موصوف
اب انتقال کر چکے ہیں ان کا نام تھا شرف الد

نوٹ :۔ ہر ہر واقعہ پر تبصرہ کیا جاتا
مضمون طویل ہو جاتا امید کہ قارئین اس
محظوظ ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔

مفتیٔ اعظم کی

شاعری سامانِ بخشش کے آئینے میں

پروفیسر عبد المغنی جوہر بلیاوی، جمشید پور۔ بہار

اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود اردو شاعری۔ یہ زبان اپنے ارتقائی دور میں ان بزرگ و برتر ہستیوں کے سایۂ عاطفت میں پلی جن کا مقصدِ حیات خلق اللہ کی خدمت اور دینِ حق کی اشاعت و تبلیغ تھا۔ صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے تصوف کے مسائل و نکات کو عوام الناس تک پہنچانے کے لئے جس زبان کو چنا وہ اپنی ابتدائی صورت میں اردو ہی تھی۔ حضرت فریدالدین گنج شکر، حضرت امیر خسرو، مخدوم الملک حضرت شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، حضرت حمید الدین ناگوری، حضرت گیسو دراز بندہ نواز، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور دیگر بزرگوں کی تصانیف اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ جن میں اردو کے ابتدائی نمونوں کے ساتھ کہیں کہیں حمدیہ اور نعتیہ اشعار بھی ہمیں ملتے ہیں۔ غرضیکہ انھیں بزرگوں کے طفیل وہ تمام خوبیاں جو عربی اور فارسی شاعری کی شناخت رہی ہیں، اردو کو بھی وراثت میں ملیں جن میں ایک اہم ورثہ نعتیہ شاعری کا ہے۔

نعتیہ شاعری کا سب سے روشن ستارہ حضرت حسان بن ثابت کی ذات ہے۔ حضرت حسان کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ہے۔ آپ کی خوش بخت نگاہوں نے سرکارِ دوجہاں کی ذاتِ گرامی کا ایمان کی حالت میں نظارہ کیا تھا نیز مشاہدے کی ان کیفیات سے آپ کا وجدان و شعور متاثر ہوا تھا جو عارفانہ شاعری کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ حضرت حسان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کو اپنے فن کا مرکز و محور بنایا، اور ایسے اشعار آپ کی تعریف میں پیش کئے، جنھیں حضور نے پسند فرمایا۔

یہ روایت عربی شعراء سے ہوتی ہوئی فارسی شعراء تک پہنچی، فارسی ادب میں جن شعراء نے نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، ان میں اہم شعراء سعدی، رومی، جامی، قدسی، عطار، اور خسرو ہیں۔ نعتیہ شاعری فارسی ادب تک آتے آتے ایک اچھے خاصے ذخیرۂ عشق و عرفان کی امین ہو گئی تھی، جس سے اردو شعراء کو کسبِ فیض کا موقع ملا، عربی شعراء ہوں یا فارسی شعراء، یا اردو شعراء ان میں سے اکثر نے سرکارِ دوجہاں کے سراپا، اخلاق و عادات، اطوار و کردار، اقوالِ حسنہ، معجزات، ان کے جود و سخا و اختیارات نیز قرآن کریم کی روشنی میں دوسرے انبیائے کرام کے درمیان ان کا مقام، وغیرہ کو موضوع بنایا، اور مدحتِ نبی سے اپنے دلوں کی دنیا روشن کرتے رہے۔ انھیں میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے عشقِ نبوی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی قلبی واردات کو شعری جامہ پہنایا، اور خارجیت و داخلیت کا وہ حسین امتزاج پیش کیا جس کی بدولت نعتیہ شاعری تہ دار اور لطیف احساسات سے معمور ہوئی۔ چند خوبصورت مثالیں ملاحظہ ہوں۔

"نورِ حق، جلوۂ رب، شانِ الٰہ
ہے تو بندہ مگر اللہ اللہ

حضرت صوفی منیری

وہ محو آئینہ ہے تو، آئینہ اس میں محو
دونوں کو ایک حُسن ہے حیراں کئے ہوئے
حضرت نیرا بدالی

اے ضعف مدد کر، درِ احمد پہ گرادے
دربان نہیں کہیں اٹھ، کہوں اٹھا نہیں جاتا
نامعلوم

ہمارے دردِ جگر کی کوئی دوا نہ کرے
کمی ہو عشق نبی میں کبھی، خدا نہ کرے
اعلیحضرت

مفتیٔ اعظم کے والد امام احمد رضا کے مشہور قصیدۂ معراجیہ کا آخری شعر ؎

ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبول سرکار ہے تمنا!
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

اس کا پہلا مصرعہ ان کے مقصدِ شاعری کی جانب جہاں بڑا ہی خوبصورت اشارہ کرتا ہے وہیں دوسرے مصرعہ کا یہ ٹکڑا:-

روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

ان کی شاعرانہ انکساری کا پتہ دیتا ہے۔

جہاں تک ردیف وقوافی، عروض وبلاغت، محاسنِ شعری اور صاحبِ بیان کے علم کا تعلق ہے، یہ بات سب پر واضح ہے کہ آپ کی شخصیت اس میدان میں بھی ایک مسلّم الثبوت استاد کی سی تھی۔

ان کے علاوہ مفتیٔ اعظم کے عم محترم علامہ حسن رضا خاں صاحب کی نعتیہ شاعری کا سرمایہ بھی ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ حضرت شاہ حسن، فصیح الملک داغ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تبحر علمی کے ساتھ انھیں وہ شعری مزاج عطا ہوا تھا جس میں تیکھا پن اور چبھن تھی، اور جو جذبے کی شدت سے بھرپور اور لطیف احساسات سے معمور تھا متضاد کیفیتوں سے ایسا مثبت نقش ابھارنا جو اپنے جلو میں جلوہ ہائے رنگارنگ رکھتا ہو، شاہ حسن کے کلام کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

حضرت شاہ حسن کے علاوہ مولانا کافی (جن کے مدّاح خود اعلیٰحضرت رہے ہیں) سرکار آسی، مولانا محسن کاکوروی، حضرت صوفی منیری، مولانا امیر مینائی، حضرت بیدم شاہ وارثی، جیسے بزرگوں کا کلام ان کے سامنے رہا ہوگا۔ جس سے شعوری ولاشعوری طور پر ممکن ہے، ان کا وجدان متاثر ہوا ہو۔

جہاں تک حمد کا سوال ہے، دیوانگی مقدر سنوار دیتی ہے، لیکن نعت کا میدان وہ ہے جہاں ہر قدم سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر عرفی کا خیال ہے کہ "نعتیہ شاعری" تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔

علمائے حق نے بھی اس قول کی تائید کی ہے اس لئے کہ مدحتِ سرکار کا عمل اتنا پیچیدہ ہے کہ اگر سرِ مو تجاوز کرتا ہے تو صفاتِ خداوندی سے ہمکنار ہونے لگتا ہے اور پھر شرعی گرفت کی زد پر آتا ہے۔ اور اگر کوئی ہلکی سی بھی لغزش ہوتی ہے تو شاعر توہینِ نبی کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی دنیا وآخرت دونوں تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شعرا کی بھیڑ میں چند ہی ایسے باہوش شاعر رہے ہیں، جنھوں نے اس صنف میں کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ اور اس منصب کا حق ادا کرتے ہوئے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

شاعری کی زبان جدلیاتی، اور تخ...
اظہار سے وجود میں آتی ہے، اختص...
اشارہ، اور پردہ داری اس کے اوصاف...
جب کہ نثر وضاحت اور صراحت سے پہنچ...
جاتی ہے۔ زبان کا جدلیاتی استعمال ا...
سازی وغیرہ کی ہنرمندی، کبھی کم...
عطائی زیادہ ہے۔ اور یہ چیز جذبہ کی م...
ہوتی ہے۔ اسی لئے کسی نے یہ کہا...
"وہ شخص شاعر ہو ہی نہیں سکتا جس...
عشق نہ کیا ہو۔"

مفتیٔ اعظم جیسی بزرگ شخص...
کے حصے میں یہ عشق، عشقِ رسول کی شکل...
رونما ہوا۔ اور اس کے اظہار کے لئے آ...
نعت گوئی کا سہارا لیا۔

کسی شاعر کی سب سے بڑی شنا...
کی اپنی آواز ہوتی ہے۔ آپ کی آواز ا...
شاہ حسن اور دوسرے نعت گو شعرا...
مختلف ہے۔ جہاں تک نعتیہ مواد کا...
مفتیٔ اعظم کی شخصیت، برِ صغیر...
علم وکمال کی حیثیت رکھتی تھی۔ قرآن...
تفسیر فقہ اور دیگر علوم کے علاوہ فلس...
اور عقائد دینی پر ان کی گرفت بڑی...
تھی۔ علوم مشرقیہ کے باریک سے با...
ان پر واضح تھے۔ نتیجے کے طور پر عشق...
جہاں جذبے کو مہمیز کیا، وہیں علمی...
احتیاط کو راہ دی، اور پھر ان دونو...
نے مفتیٔ اعظم کے کلام کو سادگی اور...

حسن عطا کیا، عشق مصطفےٰ سے سرشار دل کی آواز میں پاکیزگی، لطافت اور دلوں کو متوّر کر دینے والی وہ کیفیت ہے جو ایک صاحب دل بزرگ کے دل کے گداز کا پتہ دیتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حسرت دیدار دل میں ہے اور آنکھیں بہہ چلیں
تو ہی والی ہے خدایا دیدۂ خونبار کا

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا، مرہم زنگار کا

ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیونکر
فرطِ غم نے مجھے آنسو بھی گراتے نہ دیا

جو ہو قلب سونا، تو ہے یہ سہاگہ
تری یاد سے دل نکھارا کروں میں

روئے ایمان کی تابش کے لئے خشیت الٰہی اور حبّ رسول، دو لازمی جز و ہیں۔ خدائے برتر کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا قائل مسلمان تو ہوتا ہے مگر ایمان کی معراج تو بندۂ مومن کو اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اس کی نگاہ جہاں خدائے برتر کی تجلیوں کی متلاشی ہو، وہیں اس کا سینہ عشق مصطفےٰ کا گنجینہ بنا ہو۔ اور اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے رسول کے ذکر اور یاد کا امین ہو۔ صاحب حال شاعر کی یہ کیفیت اس کے قال میں ملاحظہ ہو۔

ترا ذکر لب پر، خدا دل کے اندر
یونہی زندگانی گزارا کروں میں

اور پھر یہ تمنا بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

دم واپسیں تک ترے گیت گاؤں
محمد محمد پکارا کروں میں

اور پھر منزلِ قبر کی دشواریوں کا حل دیکھیں:۔

مرا دین و ایماں، فرشتے جو پوچھیں
تمہاری ہی جانب اشارہ کروں میں

بے ساختہ سرکارِ آسی سکندر پوری کا شعر یاد آگیا۔

ایک ہستی کے سوا کچھ بھی نہ جانا ہم نے
اے نکیرین پھر اور اس کے سوا کیا کہئے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ان کے اخلاق حسنہ، اور رحمۃ للعالمین کا تو خود قرآن داعی ہے، ان کی عظمت کے معترف تمام انبیاء رہے کتنے انبیاء تو ان کی امت میں پیدا ہونے کی تمنا کی تھی۔ وہ حضرت آدم ہوں یا حضرت عیسیٰ ہر ایک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی تھی اور ان کی افضلیت کو تسلیم کیا۔ اور خود خدائے برتر انھیں وجہ تخلیق کون و مکان، بنائے زمین و آسمان اور زینت ہر دو جہاں بتاتا ہے۔ سرکار کی ان عظمتوں کا ذکر شاعر کی زبان سے سنئے۔

تو ہے رحمت، بابِ رحمت تیرا دروا ہوا
سایۂ فضلِ خدا، سایہ تری دیوار کا

جلوہ گاہِ خاص کا عالم بتائے کوئی کیا
مہرِ عالم تاب ہے ذرہ حریم ناز کا

تمہارے جلوۂ رنگیں ہی کی ساری بہاریں ہیں
بہاروں سے عیاں تم ہو، بہاروں میں نہاں تم ہو

کوچۂ پر نور کا ہر ذرہ رشکِ مہر ہے
واہ کیا کہنا ترا، مہر عجم ماہِ عرب
تیرے باغِ حسن کی رونق کا عالم کیا کہوں
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے گلزار کا

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال جس طرح تمام انبیائے کرام میں منفرد و مثالی ہے اسی طرح خدائے برتر نے انھیں امتیازی صفات سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ مفتیٔ اعظم نے دوسرے انبیاء کے درمیان ایک امتیازی فرق کی جانب انتہائی خوبصورت اشارہ کیا ہے وہ یہ کہ دوسرے تمام انبیائے کرام کو خدائے برتر نے صفاتِ حق سے نوازا ہے مگر سرکار کی ذات گرامی ذاتِ حق کی مظہر ہے۔

ہیں صفاتِ حق کے نوری، آئینے سارے نبی
ذاتِ حق کا آئینہ مہر عجم ماہِ عرب

وہ فضائل تمھیں بخشے ہیں خدا نے جن کا
آپ کے غیر میں امکان بھی آنے نہ دیا

انبیائے کرام کا ظہور، زمانے کو راہِ راست پر لانے کے لیے قدرت کی جانب سے ہوتا رہا اور انھیں وہ قوتیں بھی ملتی رہیں، جو مافوق الفطرت تھیں۔ جنھیں معجزہ کہا جاتا ہے اور جن کی بدولت وہ زمانے کی

نظروں میں برگزیدہ اور برتر ہو سکیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عیسیٰ نفسی، اور دیگر انبیاء کے کمالات سب پر عیاں ہیں۔ سرکار چونکہ سرکارِ انبیاء تھے، اس لئے آپ کے معجزات بھی بے شمار ہیں۔ چاند کا اشارے سے شق ہونا۔ ڈوبے ہوئے سورج کا لوٹنا، ابوجہل کی مٹھیوں میں کنکریوں کی شہادت، خود سرکار کا جسم بے سایہ ایک معجزہ سے کم نہیں۔ ان کمالات و معجزات کو اکثر نعت گو شعراء نے نعت کا موضوع بنایا ہے۔ مفتیٔ اعظم کے یہاں بھی اس کے چند نمونے دیکھئے۔

تمھارے حکم کا باندھا ہوا سورج پھرے الٹا
جو تم چاہو کہ شب دن ہو، ابھی سرکار ہو جائے

اشارہ پاتے ہی ڈوبا ہوا سورج بر آمد ہو
اٹھے انگلی تو مہ دو، بلکہ دو، دو، چار ہو جائے

تمھارے فیض سے لاٹھی، مثالِ شمع روشن ہو
جو تم لکڑی کو چاہو تیز تر تلوار ہو جائے

شہرہ لبِ عیسیٰ کا جس بات میں ہے مولا
تم جانِ مسیحا ہو، ٹھوکر میں ادا کرنا

نہ سایہ روح کا ہرگز، نہ سایہ نور کا ہرگز
تو سایہ کیسا اس، جانِ جہاں کے جسمِ اطہر کا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل انسانیت گمرہی کا شکار تھی، کفر و ضلالت، بربریت وسفّاکی سے انسانیت کی روح چیخ اٹھی تھی۔ سرکار کی آمد کیا ہوئی، زمانے سے بربریت و گمرہی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ دھرتی امن و آشتی کا گہوارہ بن گئی، مدت کے بچھڑے ایک ہو گئے جو بربریت وسفاکی کے پتلے تھے، وہ صرف یہ نہیں کہ اپنی غلط راہ سے ہٹ گئے، اور بری عادتوں سے باز آئے، بلکہ سرکار کی نگاہِ کرشمہ ساز نے انھیں وہ زندگی عطا کی کہ زمانے میں انسانیت کے امین بن کر ابھرے۔ مفتیٔ اعظم کا ایک سادہ سا شعر ملاحظہ ہو ؎

وہ حسیں کیا، جو فتنے اٹھا کر چلے
ہاں حسیں تم ہو، فتنے مٹا کر چلے

"حسین" کا تصور دنیا کے اکثر لوگوں کے سامنے فتنہ سامانیوں کا سبب رہا ہے۔ مگر مفتیٔ اعظم کے اس شعر نے حسن کو ایک نئی معنویت عطا کی ہے، حسین وہ کیا جو فتنہ سامانیوں کا سبب بنے، حسین تو دراصل سرکار کی ذاتِ اقدس ہے جس نے زمانے سے فتنوں کا خاتمہ کیا، اور کرب میں سسکتی ہوئی اس زمین کو امن و اخوت کا گہوارہ بنا دیا۔ حسین لفظ کا اتنا خوبصورت استعمال خود شاعر کی طہارتِ نفسی کا پتہ دیتا ہے۔

مفتیٔ اعظم کی اکثر نعتیہ غزلوں کی زمینیں سادہ اور سہل ہیں۔ مگر کچھ مشکل ردیفوں میں بھی اشعار ملتے ہیں۔ ردیفوں کی سختی کی وجہ سے شعر کی زمین سخت اور سنگلاخ ہو کر رہ گئی ہے۔ میری ناقص رائے میں ایسا اعلیٰ حضرت شاہ حسن، اور دیگر نعت گو شعراء کی مشکل زمین[illegible] کے تتبع میں ہوا ہے۔ مثلاً "گیسو" والی ردی[illegible] اس کے علاوہ "مہرِ عجم ماہِ عرب" "آنکھوں م[illegible]" "قلم کی صورت" وغیرہ مگر ان زمینوں میں بھ[illegible] مفتیٔ اعظم کا قلم اپنے مزاج کے اشعا[illegible] نکال لیتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حق کے پیارے، نور کی آنکھوں کے تارے ہو تمھ[illegible]
نورِ چشمِ انبیاء، مہرِ عجم، ماہِ عرب

کب ہوتے یہ شام و سحر کب ہوتے یہ شمس و ق[illegible]
جلوہ نہ ہوتا گر ترا، مہرِ عجم، ماہِ عرب

آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے
راہِ طیبہ میں چلوں، سر سے قدم کی صورت

کھلے ہیں دیدۂ عشاق قبر میں یوں[illegible]
ہے انتظار کسی کا ضرور آنکھوں م[illegible]

یہ دل تڑپ کے کہیں آنکھوں میں نہ آجا[illegible]
کہ پھر رہا ہے، کسی کا مزار آنکھوں[illegible]

ماہِ تاباں پہ ہیں رحمت کی گھٹائیں چھ[illegible]
روئے پُر نور پہ یا چھائے تمھارے [illegible]

اس فکری محاکمے کے بعد انداز[illegible] ایک طائرانہ نظر ضروری ہے۔ کلام کے[illegible] جزو ہیں ایک فکر، دوسرا فن، فکر[illegible] ہے کہ شاعر نے کن موضوعات کو ا[illegible]

میں جگہ دی۔ بہ الفاظِ دیگر کیا کہا۔ دوسرا فن۔ اس سے مراد ہے کہ کیسے کہا۔ یعنی نفسِ مضمون کی ادائیگی کس طرح کی۔ اس میں ماہرینِ ادبیات کے نظریات مختلف رہے ہیں۔ بعض باتوں کی معنوی خوبیوں اور فکری بلندیوں کے رسیا ہیں ان کی نظر میں اندازِ بیان جیسا بھی ہو، بات معقول اور تہدار ہو، خواہ بیان اکھرا کیوں نہ ہو۔ دوسرا گروپ پر شکوہ اندازِ بیان کا شیدائی ہے۔ شوکتِ الفاظ، خوبصورت ترکیبیں، نادر استعارات، انوکھی تشبیہیں اور لفظوں کی نشست برخاست کو ہی بیان کی معراج سمجھتا رہا ہے بات پتے کی ہو یا نہ ہو، اندازِ بیان ایسا ہو کہ سننے والے کی زبان سے بے ساختہ واہ نکل جائے۔ اس قبیل کے شعراء کے یہاں خارجیت کو راہ ملی، اور ان کی شاعری "فردوسِ دل و روح" نہ بن کر محض "فردوسِ گوش" ہوئی۔

میں اچھی شاعری کے لئے ان دونوں پہلوؤں کو ناگزیر مانتا ہوں۔ بلند فکر کو اگر اچھا قالبِ شعری عطا نہ کیا جائے تو بات کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ دوسری جانب اندازِ بیان خوبصورت ہو اور صرف بات ہی بات ہو، اور فکر غائب ہو، تو بھی کلام بے تاثیر ہو جاتا ہے۔

مفتیٔ اعظم کی اکثر غزلوں کی زمینیں سادہ اور سہل ہیں۔ نتیجے کے طور پر کبھی کبھی بیان میں "نثریت" آگئی ہے اور غنائیت کی نمایاں کمی ہو گئی ہے۔

مثلاً :-

خزانے تم کو دیے، تم کو حق نے
نہ قاسم ہی کہ مالک کر دیا ہے
تمہیں سے پاتے ہیں سب اپنے مطلب
ہر اک کے واسطے یہ در کھلا ہے

میں در در کیوں پھروں، دُر دُر سنوں کیوں
مرے سرور مرا کیا سر پھرا ہے!
رہے پیشِ نظر وہ روئے انور
ترستی آنکھوں کی یہ التجا ہے

مندرجہ بالا شعروں میں ان شعروں کی سی کیفیت نہیں پیدا ہو سکی ہے۔

منھ تکا ہی کرے ہے جس تس کا
حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
(میرؔ)

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
(اعلیٰ حضرت)

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
(غالبؔ)

سارے عالم میں تیری خوشبو ہے
اے مرے رشکِ گل کہاں تو ہے
(سرکارِ آسی سکندرپوری)

ان کی لفظیات "DICTION" میں وہ شان و شوکت نہیں، جو ہمیں اعلیٰ حضرت، مولانا محسن کاکوروی، شاہ حسن وغیرہ کے یہاں ملتی ہے اس کے علاوہ مظاہرِ فطرت، مثلاً شبنم، خورشید، ابر، ہوا، سبزہ، لالہ، گل، دریا، موج، مہتاب، چاندنی، جگنو وغیرہ سے جو ایک فعال شاعر "CREATION" کا کام لیتا ہے اور اپنی شاعری کی ایک دلکش فضا تیار کرتا ہے وہ بھی یہاں برائے نام ہے۔ تشبیہ و استعارات کی کمی کے سبب کلام سادہ اور کہیں کہیں STATEMENT بن کر رہ گیا ہے ایسا کیوں کر ہوا؟

اس کی جستجو کرتے وقت میری نگاہ "سامانِ بخشش" کے مقدمے پر جاتی ہے۔ اور یہ عبارت میری نظروں کے سامنے آتی ہے۔

"سیدی حضور مفتیٔ اعظم ہند کی شاعری بھی ایسی ہے۔ جو ابتدا تا انتہا توحیدِ ربانی اور فضائلِ محامد سید المرسلین میں ڈوبی ہوئی ہے اور اسے تو میں اپنے آقا کا فیض اور اپنے مرشدِ برحق کی کرامت ہی کہوں گا کہ ایک ایسا انسان جو شب و روز سفر میں گھرا ہے، گھر پر ہے تو افتا کی ذمہ داری اور اس کے علاوہ دیگر اہم اور دینی ضرورتیں، آخر کب اور کیسے ان کو سکون کا وقت میسر آیا، جس سے آج ہم ان کی نعتیہ شاعری کا ایک دیوان دیکھ رہے ہیں۔

دار الافتا کی ذمہ داریوں نیز دوسرے دینی امور کی مصروفیات کے علاوہ میری نگاہ ان روحانی مشاغل و عوامی مصروفیات کی جانب بھی ہے جن کے سبب شاید انھیں وہ موقع میسر نہ آ سکا جو میدانِ شاعری میں جگر کو خون کرنے اور مشق بہم پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ ان کے نغمات ایک عارف باللہ کے دل کی آوازیں ہیں۔ جو عشق میں ڈوبی ہوئی ہیں اور جن کا مقصود و مدعا صرف ثنائے سرکار و رضائے مصطفےٰ ہے۔

مفتی اعظم کی
سبق آموز باتیں

مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

۱۔ سردار جی

ایک بار حضرت رام پور سے بریلی شریف کار سے تشریف لے جا رہے تھے کسی نے دوران گفتگو کسی پنجابی کو سردار جی کہہ دیا تو حضرت نے سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ سردار تو بس ایک ہی ہیں۔ سکھ کہو، پنجابی کہو۔ (غلام یزدانی رامپوری)

۲۔ نام حبیب احمد اور شکل

بریلی میں ایک جگہ حضرت دعوت کے لئے تشریف لے گئے جیسے ہی حضرت بیٹھے ایک صاحب کوٹ پتلون پہنے ہوئے سامنے آئے جن کی داڑھی صاف تھی۔ مصافحہ کے لئے آگے بڑھے حضرت نے مصافحہ فرمایا اس کے ساتھ ہی معلوم کیا۔ نام کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا حضور حبیب احمد حضرت نے برجستہ فرمایا نام حبیب احمد اور شکل یہ "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (مولانا حسن علی میلسی)

۳۔ راحت جان، مصیبت جان

ایک بار حضور کی بارگاہ میں ایک عورت تعویذ کے لئے آئی تھی۔ تو وہ نقاب میں تھی مگر نقاب اتنا اونچا تھا کہ اس کا لباس اندر سے دکھائی دیتا تھا حضرت نے اس پر سخت ناگواری کا اظہار فرمایا۔ پھر تعویذ کے لئے نام دریافت فرمایا تو عورت نے اپنا نام بتایا۔ راحت جان۔ حضرت نے فرمایا نام پوچھو تو راحت آرام جان اور ہیں مصیبت جان (مولانا مبین الہدیٰ نورانی)

۴۔ گھروں میں برکت تلاش کرتے ہیں

الہ آباد میں ایک صاحب تعویذ لینے کے لئے حضرت کی خدمت میں آئے۔ حضرت نے جب ان کی طرف تعویذ بڑھایا تو انھوں نے لینے کے لئے بایاں ہاتھ بڑھایا یہ دیکھ کر حضرت سخت برہم ہوئے اور فرمانے لگے۔

یہ کیا آفت آگئی ہے کہ لوگ گلا کھلا رکھتے ہیں۔ ٹوپی سر پر نہیں رکھتے (ان کی طرف دیکھ کر مزید فرمایا) بایاں ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ بس صبح و شام داڑھی منڈوانا اور بس صبح و شام داڑھی صاف کرانا ان کا معمول بن گیا ہے اور اپنے گھروں میں برکت تلاش کرتے ہیں بے برکتی کی شکایت کرتے ہیں۔

اس کے بعد تعویذ دے کر فرمایا ہر نماز کے بعد تعویذ پڑھو اللہ برکت دے گا۔ اس تنبیہ کا اثر تھا کہ اس کے بعد ان صاحب نے داڑھی بھی رکھ لی اور نماز بھی پڑھنے لگے (بروایت جناب راز الہ آبادی)

۵۔ سرکار

کوٹہ کے ایک صاحب بڑے گھن گرج کے ساتھ تقریر کر رہے تھے دوران تقریر انڈیا گورنمنٹ کی تعریف میں کہنے لگے ہماری سرکار! حضرت مفتی اعظم قبلہ علیہ الرحمۃ اسٹیج پر موجود تھے فوراً ٹوکتے ہوئے فرمایا گورنمنٹ کہو سرکار تو بس ایک ہی ہے مدینے کی سرکار۔

۶۔ منصف اور عدالت

ایک مرتبہ کسی شخص نے آج کی موجودہ کچہریوں کے جج کو حضرت کے سامنے منصف کہہ دیا حضرت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا منصف نہیں غیر منصف کہو جو انصاف نہ کرے اس کو منصف کہنا کیسے ہوگا۔ اسی طرح حضرت کے سامنے اگر آج کی کچہریوں کو عدالت کہا جاتا تو

(بقیہ صفحہ ۱۰۸ پر)

مبارکپور سے بریلی شریف تک

یٰس اختر مصباحی

بنارس سے بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء تقریباً گیارہ بجے الجامعۃ الاشرفیہ میں بذریعہ ٹیلی فون یہ وحشت ناک اور روح فرسا خبر موصول ہوئی کہ گزشتہ شب ایک بجکر چالیس منٹ پر حضور مفتی اعظم ہند اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون!

وما کان قیسٌ ہلکہٗ ہلکُ واحدٍ
ولکنّہ بنیانُ قومٍ تہدّما۔

یہ خبر صاعقہ رنج و الم بن کر ٹوٹی جامعہ کے در و دیوار اداس ہو گئے اور نیاز مند اساتذہ و طلبار کی آنکھیں سیل رواں بن گئیں۔ قصبہ مبارکپور میں اس دل گداز حادثہ کی اطلاع ملتے ہی عقیدتمند اشکبار ہو گئے۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا اور ساری فضا سوگوار ہو گئی۔

جامعہ میں فوراً قرآن خوانی کا اعلان ہوا اور اساتذہ و طلبار عزیزی ہال میں جمع ہو گئے۔ قرآن خوانی کے بعد شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی روح مبارکہ کو ٹوٹے ہوئے دل اور بھیگی ہوئی پلکوں کے ساتھ ایصال ثواب کیا گیا۔

نائب مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی کی رقت انگیز دعا سے دلوں کے اضطراب و بے چینی کا ایک عجیب عالم تھا۔ حاضرین پر اس وقت ایسی کیفیت طاری تھی جس کا احساس قلب و روح تو کر سکتے ہیں مگر الفاظ دنیا اس کی تعبیر سے قاصر ہے۔

اسی مجلس میں یہ اعلان ہوا کہ تمام طلبار اپنے سارے کام چھوڑ کر قرآن حکیم کی مسلسل تلاوت کریں۔ سنیچر کے روز جامع مسجد میں بھی قرآن خوانی ہوگی۔ آپ سب لوگ صبح آٹھ بجے تک وہاں پہنچ جائیں۔

یہاں سے اٹھنے کے بعد مولانا سید شمیم گوہر الہ آبادی نے مجھ سے بیان کیا کہ "سہ شنبہ کی صبح کو تقریباً چار بجے جب کہ میں گہری نیند سو رہا تھا۔ یہ خواب نظر آیا کہ حضرت صدر الشریعہ (مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت) علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا ہے بہت مجمع ہے جس میں علمار و طلبار اور ہر طرح کے عوام و خواص شریک ہیں۔ نماز جنازہ کے بعد جنازہ قبر میں رکھا گیا اور مٹی دی گئی۔ اور اس کے بعد میں نے اذان دینا شروع کیا۔ خواب ہی میں آواز اتنی بلند ہوئی کہ میری آنکھ کھل گئی اور اس کے بعد میں اٹھ بیٹھا۔ فوراً ہی کمرے سے باہر نکل کر برآمدے میں دیکھا کہ کسی نے میری آواز تو نہیں سنی۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ اس کے بعد میں واپس آ کر چارپائی پر بیٹھا۔ کچھ دیر کے بعد مؤذن نے فجر کی اذان دی"

میں نے کہا ــــ "اس کی تعبیر یہی المناک حادثہ ہے جس سے آج ہم آپ دوچار ہو رہے ہیں۔ یعنی حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ جو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے بعد فقہ و افتار کے میدان میں بے مثال شخصیت اور جلیل القدر حیثیت کے حامل تھے آج ہم ان کے وجودِ مسعود اور ظاہری فیض سے محروم ہو گئے"۔

پھر سید صاحب نے اسی روز کی اپنی سرگزشت سنائی کہ "قرآن خوانی کے بعد جب حضرت مفتی صاحب قبلہ ایصال ثواب کے لیے دعا مانگ رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے تو اچانک مجھے خوشبو محسوس ہوئی جو بالکل کافور جیسی تھی۔ میرا خیال معاً حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی طرف اس طرح گیا کہ میری ساری توجہ انھیں کی طرف مرکوز ہو گئی۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ اسی دوران پھر دوبارہ خوشبو کا ایک

جھونکا آیا۔ میرے بدن میں ارتعاش پیدا ہوا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ جس کا اثر اس وقت تک رہا جب تک کہ دعا ختم نہ ہو گئی۔"

چونکہ مصدقہ اطلاع مل چکی تھی کہ تجہیز و تکفین نماز جمعہ کے بعد ہوگی۔ اس لیے رات میں تقریباً ساڑھے سات بجے حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اور حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی کی قیادت میں بیشتر اساتذہ کرام، طلبائے اشرفیہ اور قصبہ مبارکپور کے ارادت مندوں کا قافلہ بریلی شریف کے لیے روانہ ہوا۔ اعظم گڑھ بس اسٹیشن پر خیرآباد۔ محمد آباد۔ جین پور۔ گھوسی، ادری وغیرہ قصبہ جات کے سینکڑوں حضرات ملے جنھیں اشرفیہ کی جانب سے اس جانکاہ حادثہ کی خبر دی جا چکی تھی۔

متعدد بسوں کے ذریعہ یہ قافلہ اعظم گڑھ سے شاہ گنج (ضلع جون پور) ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ چونکہ بی۔ بی۔ سی۔ لندن، آل انڈیا ریڈیو دہلی۔ لکھنؤ۔ گورکھپور وغیرہ اور پاکستان ریڈیو کے ذریعہ ہر طرف خبر پھیل چکی تھی اس لیے یہاں کافی بھیڑ ہو چکی تھی۔ یہ قافلہ اعظم گڑھ سے سوا دس بجے روانہ ہو کر سوا گیارہ بجے شاہ گنج پہنچا تھا۔ کچھ سوتے کچھ جاگتے گھنٹوں کے جانگسل انتظار کے بعد سیالدہ ایکسپریس آیا۔ تو جس کو جہاں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی جگہ ملی ڈبے میں گھس گیا۔ اور کچھ دیر بعد ٹرین نے بانگ رحیل دے کر اگلی منزل کے لیے قدم بڑھا دیئے۔ لکھنؤ پہنچتے پہنچتے دیوانوں کا ہجوم اتنا بڑھ گیا کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی جوں جوں منزل قریب ہوتی جا رہی تھی دلوں کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ خدا خدا کر کے بریلی کا وہ اسٹیشن آیا جہاں ہزاروں غمزدوں کے چہرے اور ان کی پرنور داڑھیاں آنسوؤں سے تر نظر آئیں۔ ہر شخص اپنی جگہ مبہوت۔ دم بخود اور دل گرفتہ تھا اور زبانِ حال سے ایک دوسرے کو اپنی بے کسی اور بے بسی کی داستان سنا رہا تھا۔ سب ایک دوسرے کا منھ دیکھتے ہوئے اپنی چھاتی پہ یتیمی کا داغ لیے قدم آگے بڑھا رہے تھے۔ اور رہنمائی تھی حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب قبلہ سجادہ نشیں سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ کی۔ اور علامہ ارشد القادری صاحب بھی اشکبار آنکھوں کے ساتھ مجھے یہیں نظر آئے جو پٹنہ سے لکھنؤ پہنچ کر سیالدہ ایکسپریس ہی سے یہاں آئے تھے۔

نوری مسجد (بریلی سٹی اسٹیشن) تک

پہنچتے پہنچتے معلوم ہوا کہ جنازہ اسلامیہ کالج کے لیے چل چکا ہے۔ جہاں نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ کچھ دور پہنچے تو دیکھا کہ انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے اور گھوڑسوار پولیس نظم و ضبط قائم کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آئی۔ ہم لوگ بھیڑ کے بیچ میں کسی طرح نو محلہ مسجد (متصل اسلامیہ کالج) پہنچے جہاں وضو کر کے نماز جمعہ پڑھی گئی۔ اور قاضی عبد الرحیم صاحب و مولانا بہار المصطفےٰ قادری کے حجرے میں سامان رکھ کر تیز قدم بڑھاتے ہوئے میدان پہنچے۔ اس وسیع و عریض میدان میں پہنچ کر ہم لوگ سکتے میں آ گئے کہ جدھر نگاہ اٹھی آدمی ہی آدمی نظر آئے۔ اس تاریخی میدان کا سینہ تنگ ہو گیا تو لوگ چھتوں اور دیواروں پہ چڑھ گئے۔ ہزاروں ہزار کی تعداد میں عورتیں بھی چھتوں پہ نظر آئیں۔

ایک کنارے سے بچتے بچاتے حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب، مفتی محمد شریف الحق صاحب، علامہ ارشد القادری، علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا نصیر الدین مصباحی، سید شمیم گوہر الہ آبادی، راقم سطور کسی طرح اس جگہ کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوئے جہاں جنازہ رکھا ہوا تھا۔ تین بجکر کچھ منٹ پر حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب قبلہ سجادہ نشیں سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ کی صدائے تکبیر گونجی تو فضا کی لرزش چھین لی۔ لیکن مجمع اتنا عظیم تھا کہ پھر بھی مکمل طور پر سکوت قائم نہ ہو سکا۔

نماز ختم ہوتے ہی کاندھا دینے والوں کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ رضاکاروں کی جان پر بن آئی۔ "خاکسارانِ حق" کے دستے پوری تندہی اور جاں سپاری کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ لیکن بڑی مشکل سے اس صورت حال پر قابو پایا جا سکا۔ اس طرح کہ اسٹیشن ویگن سے یہاں سے آخری قیام گاہ کے لیے جنازہ رخصت ہوا۔ عقیدتمندوں کی فداکاری و جاں نثاری قابل دید تھی۔ جذب و کشش کا ایک ایمان افروز منظر تھا۔ راستے بھر چھتوں سے پھولوں کی بارش کی گئی۔ ہر طبقۂ فکر اور ہر مذہب و ملت کے لوگ خراج عقیدت پیش کر رہے تھے۔ شوق و وارفتگی کا ایک عجیب و دلکش اور دلنواز سماں تھا۔ ذوق فدائیت اپنے پورے شباب پر تھا۔ اور نیازمند و عقیدت کیش اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے کے لیے مضطرب اور بے چین تھے۔ دلوں کے جذبات کا تلاطم ناقابل

بیان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے محسن و مربی اور مرشد برحق کے قدموں پہ قربان ہوا جا رہا تھا۔

اس عظیم الشان ہجوم کے بارے میں

عام طور پر بریلی کے باشندوں کی زبان پر یہ تبصرہ تھا کہ "اس سے پہلے کبھی چشم فلک نے اس سرزمین پہ ایسا مجمع نہ دیکھا ہوگا"۔ ایک تعلیم یافتہ سن رسیدہ بزرگ سے میں نے خود سنا وہ فرمار ہے تھے کہ "میں نے یہاں بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔ مذہبی و سیاسی اجتماعات دیکھے ہیں۔ جن سے وقت کے اکابر علماء و فضلاء اور رہنمایان قوم نے خطاب کیا ہے۔ ابوالکلام آزاد، محمد علی جناح اور مسٹر گاندھی کی آمد اور ان کی تقریروں کے وقت کا اژدہام دیکھا ہے لیکن ایسا تاریخی مجمع میری زندگی میں کبھی میری نظر سے نہیں گزرا"۔ ایک ہندو لیڈر کو دوسرے ہندو لیڈر سے گفتگو کرتے ہوئے سنا "بھئی کمال کی پبلک تھی" عام ہندوؤں کا تبصرہ تھا کہ "ہم لوگ جانتے تو تھے کہ بڑے مولوی صاحب مسلمانوں کے بڑے پیشوا اور دھارمک گرو ہیں لیکن اب یہ معلوم ہوا کہ یہ آل ورلڈ لیول کے آدمی ہیں۔ جدھر دیکھو دیش بدیش کے آدمی ہی آدمی "۔

اژدہام کی وجہ سے جنازہ کا مستقل ساتھ دینے کی ہمت نہ پڑ سکی تھی۔ اس لئے بہت سے لوگ ادھر ادھر منتشر ہوکر دوسری سڑکوں سے جانے لگے۔ ہم لوگ کئی آدمی تو محلہ مسجد ہی میں رک گئے۔ اور یہ طے ہوا کہ بھیڑ چھٹنے کے بعد پہنچ کر مٹی دی جائے گی۔

قرآن کی روشنی

• اے لوگو! اللہ کا رسول پیغام حق لے کر تمہارے پاس آیا ہے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم اس پر سچائی کے ساتھ دل سے ایمان لے آؤ (نساء ۱۷۰)

• ایمان والو اللہ پر اس کے رسول پر اور قرآن پر ایمان لاؤ جو شخص اللہ، رسول اور قرآن کا انکار و نافرمانی کرتا ہے وہ دور کی گمراہی میں ہے (نساء ۱۳۶)

• اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (انفال ۱)

• وہ شخص بڑا ہی کامیاب ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے (احزاب ۷۱)

• وہ لوگ اللہ کا انعام پانے والوں میں سے ہیں جو خدا اور رسول کی اطاعت کرتے رہیں (نساء ۶۹)

کہا جاتا ہے کہ ـــ "حضرت کی پیشانی مبارک نم تھی اور اس پر پسینے کے قطرات چمک رہے تھے" حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ولایت و بزرگی اور بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کی کھلی دلیل تھی جس کا حاضرین نے چشم سر سے مشاہدہ کیا۔ بیشتر موجود اشخاص نے اطمینان کے ساتھ یہ کرامت دیکھی اور اس کا ہر طرف اسی روز چرچا بھی ہوا۔

مولانا بہار المصطفےٰ صاحب قادری اعظمی نے بیان فرمایا کہ ادھر ایک ہفتہ سے حضرت کا یہ معمول بن گیا تھا کہ حضرت گیارہ بجے کے بعد رات میں لوگوں سے چلے جانے کو کہتے اور اپنے کمرے میں صرف تنہا رہتے۔ دروازہ کے پاس کچھ لوگ احتیاطاً رہتے۔ اندر سے اس طرح کی آوازیں آتیں کہ "جاؤ تمھیں مرید کیا" جاؤ تمہارا کام ہوگیا"۔ مرید کرتے وقت جو دعائیں ہوتی ہیں اور جو وظائف پڑھے جاتے وہ سب سننے میں آتے۔

علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری نے اسی درمیان کی ایک مجلس میں فرمایا کہ ممبئی میں حضرت کے وصال کی خبر ملتے ہی لوگ مضطرب ہوگئے اور جلد از جلد بریلی شریف پہنچنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ صرف اس ہوائی جہاز میں جس سے میں بمبئی سے دلی آیا۔ چالیس آدمی بریلی شریف آنے والے تھے۔ اور اس کے بعد تو پھر سیٹوں کا ملنا مشکل ہوگیا۔ انتظار اور کافی تگ و دو کے بعد کتنوں کو ٹکٹ نہ مل سکا اور انھیں محروم ہی رہ جانا پڑا۔

یہاں سے اٹھنے کے بعد جس کو جیسے اور جب موقع ملا خانقاہ عالیہ رضویہ کی طرف چل پڑا۔ ہم لوگ چند آدمی آٹھ بجے وہاں پہنچے۔ اور مٹی دے کر فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی گئی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے پہلوئے مبارک میں آپ کی قبر شریف تھی مٹی بار بار کے استعمال سے نہایت نرم و گداز اور ملائم ہوچکی تھی اور گویا مٹی پر مٹی دی جارہی تھی۔ کئی لوگوں کو دیکھا کہ گلاب کے پھولوں کی پنکھڑیاں اور قبر مبارک کی تھوڑی سی خاک تبرکاً اپنے ساتھ لے کر نکلتے۔ بمبئی کے ایک مخلص اور معتمد مرید کو اپنے دوست سے (وہاں سے نکلنے کے بعد) یہ بات کرتے سنا کہ "حضرت کے قبر اطہر کی تھوڑی سی مٹی میں نے رکھ لی ہے۔ گھر والوں کو وصیت کر جاؤں گا کہ مرنے کے بعد دفن کرنے سے پہلے اسے میرے چہرے اور جسم پر چھڑک دیں"۔

دوسرے روز شنبہ کو بھی آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا کیونکہ پہلی اطلاع لوگوں کو یہی ملی تھی کہ شنبہ کو تجہیز و تکفین ہے۔ خصوصی کاروں، بسوں اور ٹرینوں سے لوگ چلے آرہے تھے مگر یہاں پہنچ کر اور راستے میں

ہی تجہیز و تکفین ہو جانے کی خبر سے ان کے دل پژمردہ ہو گئے تھے۔ اور حسرت حرماں نصیبی کی کیفیتیں ان کے چہروں سے صاف عیاں تھیں۔ آنے والے عقیدت مند وفور رنج والم سے بے تاب تھے اور ہجراں نصیب دل اپنے مرشد و مربی اور شیخ طریقت کی بارگاہ میں پہنچ کر اپنے آنسوؤں کی نذر اور عقیدت کی سوغات پیش کر رہے تھے۔

اللہ اللہ! خانقاہ عالیہ رضویہ کی یہ وہ مقدس سرزمین ہے جہاں امام اہلسنّت مقتدائے دین وملّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، ان کے فرزند جلیل حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا قادری اور برادر زادۂ اعلیٰ حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی وغیرہم جیسی عظیم ہستیاں اور اب حضور مفتیٔ اعظم ہند بھی آسودۂ خاک ہیں کہ اس سرزمین کو دیکھ کر آسمان بھی رشک کرے۔

یہاں پہنچ کر تو روح کو غذا اور قلب کو طمانیت کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ جانے کتنے انسان دین و ایمان جیسی لازوال نعمت سے بہرور ہوتے ہیں۔ سچ ہے کہ اپنی قدر قیمت، جمال و رعنائی اور طلعت و زیبائی میں ایک مرد مومن اور عاشق رسول کی نگاہ میں بقعۂ ارض بہشت بریں کا ایک ٹکڑا اور عظمت و رفعت میں ہمسر اوج ثریا ہے ؎

چپے چپے میں ہے یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

یکشنبہ کو حضرت سید مختار اشرف صاحب قبلہ سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ اور حضرت مولانا سید ظہیر احمد زیدی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی صدارت میں تعزیتی اجلاس ہوا۔ جس میں حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی۔ حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب قادری۔ حضرت مولانا اختر رضا خاں ازہری، حضرت مولانا ریحان رضا خاں بریلوی وغیرہم اکابر علمائے اہلسنّت نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کی حیات و خدمات پر رقت انگیز تقریریں فرمائیں۔

حضرت مولانا رحمانی میاں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ "انتقال کی شب میں جب کہ لوگ حضرت کی خدمت میں مصروف تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ کیا یہاں کوئی سید صاحب موجود ہیں؟" لوگوں نے کہا جی حضور! (سید محمد حسین صاحب افریقی) موجود ہیں۔ یہ سنتے ہی ضعف و نقاہت کے باوجود اٹھنے کے لئے بے چین ہو گئے اس وقت آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ کمزوری اتنی تھی کہ اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ لوگوں نے حضرت کو پکڑ لیا اور درخواست کی کہ حضور کمزوری بہت زیادہ ہے آپ اس وقت نہ اٹھیں حضرت نے سید صاحب کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آپ خدمت کر کے مجھے گنہگار نہ بنائیں آپ میرے لئے دعائے خیر فرمائیں اور بس"!

اسی اجلاس میں حضرت کے خادم خاص مولانا عبد الحمید (مرٹز برگ ساؤتھ افریقہ) نے گلوگیر آواز میں بیان کیا کہ "انتقال کی شب کا یہ واقعہ ہے کہ ڈاکٹروں کی اجازت کے باوجود حضرت کچھ کھانا تناول نہیں فرما رہے تھے۔ لوگ درخواست اور اصرار کرتے رہے لیکن آپ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں میں نے کہا کہ حضور تھوڑا سا کھا لیں۔ اس سے نماز کی طاقت آجائے گی۔ حضرت نے کہا کہ ٹھیک ہے نماز کی طاقت آجائے گی تو میں کھا لوں گا۔"

اس اجلاس میں شرکت کے بعد شام کو مبارک پور کے لئے واپسی ہوئی۔ آنے والے کئی حضرات مختلف جگہوں کے لئے پہلے روانہ ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی و دیگر مختلف علماء و طلباء کے ساتھ دوشنبہ کو لکھنؤ پہنچے اور یہاں سے بذریعہ بس اعظم گڑھ اور مبارکپور سبھی لوگ پہنچ آئے۔ میں چند گھنٹوں کے لئے لکھنؤ رک گیا اور ایک ضرورت سے فرنگی محل پہنچا۔ جناب مولانا مفتی محمد حبیب الحلیم صاحب فرنگی محل سے ملاقات ہوئی۔ یہاں سے پھر قیصر باغ گیا اور قومی آواز (روزنامہ) کے ایڈیٹر جناب عشرت علی صدیقی صاحب سے ملاقات کی اور انھیں توجہ دلائی کہ آپ خبریں اور تعزیت نامے نمایاں انداز سے شائع کریں اور عرس چہلم کے موقع پر بھی اس کا خصوصی خیال رکھیں۔ موصوف سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ یہاں سے سہ شنبہ کی صبح کو مبارکپور پہنچا اور پھر اپنی تدریسی خدمات میں مصروف ہو گیا۔

اب میں سوچتا ہوں کہ کیا بلا کی کشش تھی مرشد برحق حضور مفتیٔ اعظم ہند کے اندر کہ دینی، علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، ہر طرح کی بے شمار شخصیتیں بریلی شریف کی طرف پروانہ وار دوڑ پڑیں۔ اسکول اور کالج بند ہو گئے، ہر طرح کی انجمنوں، تنظیموں اور اداروں نے تعزیتی جلسے کئے اور اپنے اپنے رنج و غم کا اظہار کیا۔ ہند و پاک، بنگلہ دیش اور نیپال کے علاوہ ایشیاء کے مختلف ممالک اور افریقہ و یورپ تک لاکھوں کروڑوں مسلمانوں میں ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ دسیوں ممالک کے سفراء نے بریلی شریف پہنچ کر تعزیت کی۔ خلق خدا نے

وہ غم منایا اور آپ کے جنازہ مبارک میں ہزاروں ہزار انسانوں کا وہ زبردست اژدہام ہوا کہ اس کی نظیر تاریخ ہند و پاک میں شاذ و نادر ہی ملے گی۔

اس دنیا ہی میں آپ کو وہ عظمت و رفعت ملی کہ سلاطین زمانہ کو بھی رشک آئے کہ ان کی حکومت جسموں تک محدود رہتی ہے اور یہ محبوبانِ بارگاہ دلوں پر راج کرتے ہیں اور ان کی غلامی پر ایک زمانہ فخر کرتا ہے۔ اور ان کی خدمت اپنے لئے سعادتِ دارین سمجھتا ہے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

الوداع ! اے مقتدائے قوم و ملت! کہ تیرے مبارک لمحاتِ زندگی تاریخ ملت اسلامیۂ ہند کی قیمتی امانت اور متاع عزیز ہیں جن کی اقتدار اور اتباع میں اس کی ارجمندی و فیروزمندی ہے۔

الوداع ! اے آبروئے فضل و کمال! کہ تیرے تبحرِ علم و فن۔ ذکاوت و ذہانت۔ اور بصارت و بصیرت کی سچی داستانوں کی گونج اربابِ علم و دانش اور اصحاب فکر و نظر کی محفلوں میں سنائی دیتی رہے گی اور وہ اس کی صدائے بازگشت سے اپنے مستقبل کی راہیں متعین کر کے اس پہ اپنا قدم بڑھاتے رہیں گے۔

الوداع ! اے صدر نشین بزم اہلسنت! کہ تیری دین داری و پاکبازی، شرافت و نجابت، اور خلوص و صداقت نے وقت کی تمام اہم گتھیاں سلجھائیں اور تیری ذات مہر منیر کی طرح اس بزم عشاق کو روشن و منور کرتی رہی۔

الوداع ! اے مفتئ اعظم ہند!

کہ کروڑوں فرزندانِ توحید و رسالت کے دلوں میں تیری عقیدت و محبت کے چراغ جھلملا رہے ہیں۔ انھیں روز و شب تیری یاد آئے گی اور مرغ بسمل کی طرح تڑپائے گی اور تیری مقدس صورت ہماری نگاہوں میں پھر کر ہمیں خون کے آنسو رلاتی رہے گی۔

سلام قبول ہو ایک گدائے بیکس اور فقیرِ بے نوا کا! جس کے پاس اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ اپنے ٹوٹے ہوئے دل کا آبگینہ تیرے قدموں پہ ڈال دے اور بس ؎

کچھ پاس نہیں ہے میرے، کیا نذر کروں میں تجھ کو
اک ٹوٹا ہوا دل ہے اور گوشۂ تنہائی

کیلیفورنیا یونیورسٹی امریکہ میں امام احمد رضا پر ریسرچ

مسز اوشا سانیال۔ (ولادت ۱۹۵۵ء پیرس۔ فرانس) کی ابتدائی تعلیم شملہ اور دلی میں ہوئی۔ بی۔ اے دلی یونیورسٹی سے ۱۹۷۶ء میں ایم۔ اے کینٹربری انگلینڈ سے ۱۹۷۱ء میں اور ایم فل کولمبیا یونیورسٹی امریکہ سے ۱۹۸۵ء میں کیا۔ ۱۹۸۵ء ہی میں پروفیسر راف کی نگرانی میں "مولانا احمد رضا بریلوی اور تحریک اہلسنت و جماعت" (۱۸۷۰ء سے ۱۹۲۱ء تک) کے موضوع پر ریسرچ شروع کیا۔ اور ۱۹۹۰ء میں اسے مکمل کر کے کولمبیا یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

ریسرچ کے لئے دوبار پاکستان کا دورہ کیا۔ ٹھٹھہ، کراچی، اسلام آباد، لاہور کا سفر کیا۔ پروفیسر مسعود احمد، خواجہ رضی حیدر۔ وغیرہما سے خصوصی رہنمائی حاصل کی۔

اسی سلسلے میں دوبار انڈیا کا بھی سفر کیا۔ دہلی، بریلی، بدایوں، مرادآباد، رامپور، پٹنہ پہنچکر وہاں کی لائبریریوں سے مدد لی۔ اور دلّی میں تقریباً پانچ ماہ قیام کر کے مولانا یٰسین اختر مصباحی سے استفادہ کیا۔

غیر مطبوعہ مقالہ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے جو جلد ہی منظر عام پر آجائے گا۔ اور اس کے بعد اردو ایڈیشن بھی مارکیٹ میں آجائے گا۔

مسز اوشا سانیال اس وقت ویسٹرن واشنگٹن یونیورسٹی میں لکچرر ہیں۔

بیسویں صدی میں علمائے اہلسنت کی تحریری خدمات

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، جامعہ ہمدرد نئی دہلی ۶۲

ہندوستان میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ یہاں مسلمانوں کی آمد سے ہی شروع ہو چکا تھا جسے جس فن میں مہارت تھی یا جسے جس سے لگاؤ تھا اس نے اس فن میں اپنی جولانیٔ فکر کا مظاہرہ کیا لیکن سب سے پہلے ہندوستان کی کس سرزمین سے آفتاب علم کی کرن پھوٹی اس کے بارے میں مولانا عبدالحئی نے لکھا ہے۔

"سب سے پہلے سندھ اور ملتان کے ریگستانوں میں علم کے ذرّے چمکے اور ان کی جگمگاہٹ اتنی بڑھی کہ رفتہ رفتہ سارے ہندوستان میں اس کی روشنی پھیل گئی۔"[1]

اس روشنی کی بدولت ہندوستان کے گوشے گوشے سے اہل علم کی ایک ایسی جماعت ابھر کر سامنے آئی جس نے ہند و بیرون ہند کے تمام دانشوروں سے اپنی علمی صلاحیت کا لوہا منوایا علمائے خیرآباد، علمائے جون پور، علمائے فرنگی محل، علمائے بریلی اور علمائے بدایوں وغیرہ کے دم قدم سے ہندوستان کی علمی دنیا میں ہمیشہ سرگرمی رہی مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے آج وہی مقامات شہر خموشاں بنے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں اسلام کی کرن تو زمانۂ نبوت سے ہی آ چکی تھی چنانچہ اس زمانے کی تعمیر شدہ مسجد جو راجہ پیرومل کی مسجد کے نام سے مشہور ہے کیرالا کے کنگنور شہر جو کرد چین کے پاس ہے۔ کے قریب کسی شہر میں ہے یہ راجہ پیرومل غالباً وہی شخص ہے جس نے ہندوستان سے چل کر آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی اور تحائف پیش کیے تھے اسی علاقے میں کسی جلیل القدر صحابی غالباً مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کی تربت انور کا بھی ذکر ملتا ہے۔

درج بالا عبارت سے ہندوستان میں اسلام کی آمد اور اس کی تفصیلات سے ذکر مقصود نہیں بلکہ اس سے صرف اس ملک میں اسلام کی نشر و اشاعت کی ابتدا مقصود ہے یہ طے ہے کہ جو عرب قوم فاتح ہو کر ہندوستان کے ساحل سمندر کے راستے سے آئی ان میں اہل علم کی ایک بڑی تعداد تھی جنھوں نے آ کر علمی نشریہ کا اہم فریضہ انجام دیا اس زمانے میں اسلامی علوم وفنون کی نشرواشاعت کا کتنا کام ہوا اس کی تاریخ پردۂ خفا میں ہے ان ادوار کے کسی مصنف یا کسی تصنیف کا ذکر بھی کتب تواریخ میں نہیں ملتا البتہ ساتویں صدی ہجری میں بعض مصنفین کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے جس سے یہ کہا جاسکتا ہے ہندوستان میں علوم وفنون کی نشرواشاعت کی باضابطہ تاریخ اسی صدی سے سمجھنی چاہیے، اور پھر یہ باضابطہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلسل آج تک اسی جذبہ ولگن کے ساتھ جاری ہے اس علمی نشریہ کے ارتقائی مدارج کیا ہیں اس کے بارے میں "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کے مصنف رقم طراز ہیں۔

"ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد سب سے پہلا علمی مرکز ملتان ہوا ہے اور وہاں سے علماء کی ایک بڑی تعداد نکلی جب غزنوی عہد

---

[1] عبدالحئی الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند (اردو) ص ۹

سلطنت میں لاہور دارالسلطنت ہوا تو علمی مرکز ملتان سے لاہور منتقل ہو گیا پھر جب غوریوں نے دہلی کو فتح کیا اور اسے دارالسلطنت بنایا تب دہلی علماء کا مرجع بن گئی اور اصحاب فضل و کمال تمام علاقوں سے کھینچ کر دہلی میں جمع ہو گئے اور وہاں انھوں نے درس و افادہ کی مسند بچھادی دہلی کو علمی مرکزیت مغل حکومت کے آخری عہد تک حاصل رہی۔[1]

ملتان کی علمی مرکزیت سے لے کر مغل حکومت کی علمی سرگرمیوں تک مصنفین و مولفین کسی ایک خاص مکتبۂ فکر کی نمائندگی نہیں کر رہے تھے بلکہ اس علمی چہل پہل میں ہر مذہب کے علماء برابر کے شریک تھے ہر جماعت کے علماء نے کتنا کام کیا اس پر کئی جلدوں میں ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے سردست ہم اس مقالہ میں ہندوستان کے ان تمام مصنفین کی تصنیفات کا اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں جنھیں بیسویں صدی یعنی ۱۹۰۰ء/۱۳۱۸ھ کے بعد کا کچھ زمانہ ملا ہو اور مذہب اہلسنت و جماعت پر کاربند رہے ہوں حالانکہ یہ موضوع بھی تفصیلی کتاب کا مقتضی ہے جسے ہم یہاں چند صفحات میں سمیٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بیسویں صدی کے ہندوستان میں علمائے اہلسنت نے کتنا علمی کارنامہ انجام دیا ہے اس کی وضاحت بآسانی ممکن نہیں اردو عربی فارسی زبان میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں خواہ وہ مطبوعہ ہوں یا غیر مطبوعہ ان کی تعداد مختصر نہیں مگر اس مختصر سے مقالہ میں انھیں کتابوں کو جگہ دی گئی ہے جو ضخامت اور معیار کے لحاظ سے قابل قدر رہی ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ جسے میں معیاری سمجھ رہا ہوں اسے قارئین اور دیگر ارباب بصیرت غیر معیاری سمجھیں اس فہرست کے علاوہ یقیناً بہت سی کتابیں ایسی رہ گئی ہوں گی جن کے مطالعہ اور زیارت کا راقم السطور کو شرف حاصل نہ ہوا ہوگا اور بہت سے رسالے، کتابچے جن پر لفظ کتاب کا اطلاق جائز نہیں فہرست میں شامل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اگرچہ یہاں میں نے مقالے کو طوالت سے بچانے کے لئے سرسری اور سطحی تصانیف کو فہرست میں شامل نہیں کیا ہے اس موضوع سے متعلق ایک ضخیم کتاب "بیسویں صدی میں ہندوستانی علماء کا علمی کارنامہ" کے عنوان سے زیر ترتیب ہے جس میں اس صدی کے تمام مصنفین کی معیاری و سطحی کتابوں پر تبصرہ ہوگا اور ان کی رطب و یابس سے بھی بحث ہوگی اس ضمن میں ایک پروجیکٹ کئی ہزار کا حکومت ہند کے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن میں داخل کر چکا ہوں جس کی منظوری کے بعد باضابطہ کام شروع ہو جائے گا۔

اسلامی علوم و فنون کی نشر و اشاعت کے اس وقت دو طریقے رائج ہیں ایک تحریری دوسرا تدریسی۔ تدریس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اسے ایک منظم نصاب کے تحت پڑھایا جاتا ہے جس میں مدرسہ کے ارباب حل و عقد کو حذف و اضافہ حق ہوتا ہے ایسے منظم نصاب کو ہم "درس نظامی" کہتے ہیں جو آج سے برسوں پہلے مولانا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) نے مرتب کیا تھا درس کے ساتھ نظامی کا انتساب ایک روایت کے مطابق انھیں کی طرف ہے دوسرا وہ نصاب جو دینی مدارس پر حکومت ہند کے محکمہ تعلیم کے توسط سے مسلط کیا جاتا ہے اس نصاب میں اراکین کو ترمیم و تنسیخ کا کوئی حق نہیں ہوتا تاوقتیکہ محکمہ تعلیم کا کوئی ذمہ دار اس میں ترمیم نہ کرے ایسے نصاب کو "درس عالیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ درس نظامیہ میں ایک طویل مدت تعلیم حاصل کرنے کے بعد طالب علم ایک سند لے کر گھر آتا ہے جسے کہیں سند الفضیلت، کہیں سند الفراغ اور کہیں سند التکمیل کہا جاتا ہے اس کے برخلاف درس عالیہ میں مدارج ہیں ہر درجہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد طالب علم کو ایک سند دی جاتی ہے جسے ہم مولوی، عالم، فاضل، منشی اور کامل کہتے ہیں۔

نصاب کوئی ہو مقصود اس سے علم کی نشر و اشاعت اور ترویج و ارتقاء ہے زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر ضروری تھا کہ نصاب تعلیم سے متعلق بحث کی جائے اور اس کی کمیوں کو دور کر کے زمانہ کے جدید تقاضوں کے دوش بدوش کیا جائے مگر اوروں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے مجلہ دراسات دینیہ علی گڑھ ۸۴-۱۹۸۳ء میں "رائج الوقت نصاب دینیات" (چند اصطلاحی تجاویز) کے عنوان سے

---

[1] عبدالحی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند (اردو) ص ۳۳ اعظم گڑھ ۱۹۷۰ء

حیات نو اعظم گڑھ ۱۹۸۶ء میں تعلیم کے سلسلے میں بنیادی نقطۂ نظر کے عنوان سے ماہنامہ تہذیب الاخلاق علی گڑھ مئی ۱۹۸۶ء میں "مدارس میں سائنسی تعلیم کی ترویج کی راہ میں دشواریاں" کے عنوان سے اور "درس نظامی کے جدید تقاضے" کے عنوان سے تہذیب الاخلاق علی گڑھ ۱۹۸۶ء اور ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور ۱۹۸۶ء میں ایک ضخیم مقالہ کئی قسطوں میں شائع ہو چکا ہے اس لئے مناسب سمجھا کہ اپنے علماء کے علمی کارناموں پر کچھ لکھ کر اپنے لئے توشۂ آخرت تیار کیا جائے اور ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی آسان ہو سکے کہ موجودہ صدی جو چند سالوں میں اپنا سو سالہ سفر طے کر کے اختتام کو پہنچ رہی ہے اس پورے صدی میں ہماری جماعت کے پلیٹ فارم سے کتنی کتابیں منصہ شہود پر آئیں اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس صدی کی سب سے زیادہ قد آور شخصیت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت حضرت علامہ الشاہ امام احمد رضا بریلوی (م ۱۹۲۱ء) کی ہے جنھوں نے مختلف میدانوں میں علوم و فنون کے سمندر بہائے ہیں افسوس صرف اس بات کا ہے کہ وہ تو لکھ کر چلے گئے لیکن ہم اپنی مصروفیات کے سبب قوم تک انھیں نہ پہنچا سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر کتابیں تو زمانہ کے دست برد کا شکار ہو گئیں اور جو موجود ہیں وہ بھی تختۂ بلقیس کی طرح کئی محلات کے اندر محفوظ ہیں جس پر کئی قفل پڑے ہوئے ہیں اور جو بدقت تمام دستیاب ہیں وہ بھی کرم خوردگی کی وجہ سے استفادہ کے لائق نہیں ہیں کاش ہماری جماعت کے علماء وعظ و تقریر کی سرگرمیوں سے کچھ وقت نکال کر اس کی اشاعت کی طرف توجہ فرماتے یا اپنے نذرانوں کا کچھ فی صد امام احمد رضا فنڈ میں ڈال کر ان کتابوں کو زیور طبع سے آراستہ کرانے کا بندوبست کراتے مگر

"اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

امام اہلسنت مولانا احمد رضا قادری فاضل بریلوی جن کی بدولت اس پر فتن موجودہ صدی میں مسلک حق سے آشنائی ہوئی یہ ان کا احسان عظیم ہے کہ انھوں نے اس لازوال دولت سے ہمیں مالا مال کیا اور اس کی تائید میں سینکڑوں تصانیف کا انبار چھوڑ کر دشمنان حق کے بیچ سربلندی عطا فرمائی۔ ان علمی خزانوں کو منظر عام پر لانے کے لئے نذرانوں سے کچھ فی صد متعین کرنے کے بجائے حسب استطاعت دولتوں کے دہانے کھول دینے چاہئیں اگر برا نہ مانیں تو عرض کر دوں کہ فاضل بریلوی سے ہماری عقیدت و محبت صرف اور صرف اسی حد تک رہ گئی ہے گویا

تجھ سے زینت نہیں ہے گھر کے لئے
رکھ لیا ہے نجر گجر کے لئے

آپ یقین جانئے کہ امام احمد رضا بریلوی (اللہ انھیں غریق رحمت کرے) جتنا کام تنہا کر گئے اس کی مثال بیسویں صدی کے تمام علمائے اہلسنت مل کر پیش نہ کر سکے۔ ان سب کے ہوتے ہوئے امام احمد رضا کی قلمی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ایک اسکالر نے کہا کہ وہ کل ۲۹ کتابوں کے مصنف تھے اگر ان کی تمام کتابیں بند کوٹھری سے نکل کر زیور طبع سے آراستہ ہو کے منظر عام پر آتیں اور کتب خانوں اور لائبریریوں کی زینت بنتیں تو شاید کوئی عام قاری بھی اس قسم کا تصور نہیں قائم کرتا جیسا کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک اسکالر نے قائم کیا اگرچہ علی گڑھ ہی میں شعبۂ اسلامیات کی جانب سے منعقدہ ایک آل انڈیا سیمینار میں "علوم اسلامیہ میں ضلع بستی کا حصہ" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا اور یہ باور کرایا کہ اس صدی ہی میں نہیں بلکہ گزشتہ دو صدی ہجری ۱۲۰۰ھ و ۱۳۰۰ھ کے اندر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی جیسا متبحر جامع عالم نظر نہیں آتا انھیں ایک مستند روایت کے مطابق ۵۹ علوم پر دسترس اور مہارت حاصل تھی ان کی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں اور بعض ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں ان کی ۱۴۸ کتابوں کی ایک مختصر فہرست خود راقم السطور کے پاس موجود ہے[1] اگرچہ خاکسار نے وقتی طور پر انھیں خاموش کر دیا مگر تابہ کے؟ یہ خوش فہمی کب تک! اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ان کتابوں کو ہم اہل علم کے سامنے پیش کر کے ان کے علم و فضل کا اعتراف غیروں سے کرائیں کسی نے سچ کہا ہے کہ مصنف اپنی تصانیف سے پہچانا جاتا ہے آج ہم جتنا ان کے فضل و کمال، علم و فن اور ان کی عبقریت پر لکھ رہے ہیں کمال تو یہ ہے کہ "الفضل ما شهدت به الاعداء" کے تحت غیر بھی ان کے علم و فضل کا اعتراف کر کے انھیں اپنا موضوع ق

---

[1] مجلہ علوم اسلامیہ ص ۱۴۵ جلد ۱۳ ۱۹۸۶ء

بنانے پر مجبور ہو جائیں مگر یہ ممکن اس وقت ہے جب وہ پہلے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تمام تصانیف سے آشنا ہوں اور یہ ممکن اس وقت ہے کہ جب وہ پہلے زیورِ طبع سے آراستہ ہوں۔

ہندوستانی مصنفین کی فہرست میں جہاں کتابوں کا اندراج ہے وہاں فاضل بریلوی کی تمام تصنیفات کو شامل نہ کرنے کے بجائے مقالہ کو طوالت سے بچانے کے لئے چند ہی اہم کتابوں کو شامل کیا ہے اور جتنی کتابیں ان کی شخصیت پر لکھی گئی ہیں ان میں بھی اہم مصنفات ہی شامل فہرست ہیں۔

اس مقالہ میں بیسویں صدی کے تمام مصنفین جو اہلسنت وجماعت سے تعلق رکھتے ان کی تمام اہم تصانیف کا احاطہ کرنے کی حتی المقدور مکمل کوشش کی گئی ہے پھر بھی ممکن ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ کچھ مصنفین کی کتابیں ایسی رہ گئی ہوں گی جن تک میری رسائی تلاش و جستجو کے بعد بھی نہ ہو سکی ہو بہر حال میرا یہ مقالہ صرف اور صرف مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے چراغ سے چراغ جلنے کی ریت بہت پرانی ہے ممکن ہے کہ ہمارے دوسرے اصحاب قلم مزید کوشش کر کے اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں اس سے پہلے کہ خاکسار بیسویں صدی کے اصحاب قلم کی نگارشات کو آپ کے سامنے پیش کرے ان علوم وفنون کا پس منظر بیان کر دے جسے انھوں نے قابل اعتنا سمجھا اور اشہب قلم کے لئے جولان گاہ منتخب کی۔ دو چند کو چھوڑ کر تمام ہندوستانی مصنفین نے قرآنیات، حدیث، فقہیات، ادب، عقائد و کلام اور رد و مناظرہ سے متعلق کتابیں لکھیں اس طرح ان علمی بحثوں کو سہولت کی خاطر تین حصوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔

(۱) علوم نقلیہ، (۲) علوم ادبیہ (۳) علوم عقلیہ

علوم نقلیہ: میں تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ عقائد و کلام اور

علوم ادبیہ: میں نثر و نظم صرف، نحو، بلاغت وعروض اور

علوم عقلیہ: میں منطق فلسفہ اور دیگر عقلی و تجرباتی علوم کو شامل کیا جا سکتا ہے۔

آغاز گفتگو میں ہی یہ باور کر لینا چاہئے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کی اساس قرآن کریم ہے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت سے اس کی توضیح کی اسی طرح تفسیر کا علم ظہور میں آیا اور چونکہ قرآن سمجھنے کا قابل اعتماد ذریعہ خود مہبط وحی جناب رسول اللہ کے ارشادات، فرمودات، اور آپ کا اسوہ تھا اس لئے اکابر امت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو اکٹھا کرنا شروع کیا اس طرح احادیث کا ذخیرہ سامنے آیا۔ دنیا کی کسی قوم نے اپنے ہادی و رہنما کے اقوال و افعال کے ساتھ اس درجہ اعتنا نہیں برتا جتنا کہ امت مسلمہ نے لہٰذا اس سرمایہ سعادت (حدیث) کی روز افزوں مقبولیت سے اہل غرض طبقہ میں لالچ پیدا ہو گیا کہ کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے چنانچہ انھوں نے من گھڑت حدیثیں وضع کر کے اس میں خلط ملط کر دیں جس سے ایک خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی جس کا تدارک ضروری ہو گیا لہٰذا قوی حدیث کو ضعیف سے حقیقی کو وضعی سے ممتاز کرنے کے لئے جو علم وجود میں آیا اسے اصول حدیث کہا جانے لگا۔

نزول قرآن کا بڑا مقصد بندوں کے لئے ایک ضابطہ حیات کی فراہمی تھا جس پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنی دنیا و آخرت کو کامیاب بنا سکیں اس کے لئے ”سمجھداری“ ”تفقہ“ کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی جانے والی خیر مطلق ہے۔

ومن یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین

اللہ جسے بھلائی دینا چاہتا ہے اسے دین میں تفقہ (بصیرت تامہ) عطا فرماتا ہے۔

اسی مناسبت سے اس ضابطہ حیات کے دو جز ہیں ایک عملی زندگی سے متعلق اور دوسرا ذہنی و فکری سرگرمیوں سے متعلق ثانی الذکر کی جلالت قدر کے پیش نظر اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا گیا جو بعد میں بعض تاریخی اسباب کی بنا پر پہلے علم التوحید والصفات کے نام سے اور آخر کار بڑی رد و تردید کے بعد کلام کے نام سے تبدیل کیا گیا۔

اس کے بعد عملی زندگی سے متعلق ضابطہ حیات کا علم صرف فقہ کے نام سے موسوم ہوا بعد میں فقہ سے اس جز کی جو متوفیوں کے ورثا میں ان کے ترکہ کی تقسیم سے متعلق ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر ”فرائض“ کے نام سے ایک مستقل حیثیت تسلیم کر لی گئی۔

اس طرح قرآن کریم اور حدیث نبوی

علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مسائل
فقہیہ کے استنباط کے لئے ایک مستقل علم کی
ضرورت دامن گیر ہوئی۔

اس طرح مندرجہ ذیل علوم دینیہ اپنے اپنے
وقت میں وجود میں آئے۔

۱۔ تفسیر۔ ۲۔ حدیث۔ ۳۔ اصول حدیث۔
۴۔ فقہ۔ ۵۔ فرائض۔ اصول فقہ۔ ۷۔ عقائد و کلام۔

علوم ادبیہ!

قرآن و حدیث کے حقیقی معانی و مفاہیم کے
درک کے لئے عربی زبان کی ساخت سے واقفیت
ناگزیر تھی جیسی کہ قرآن کریم کو صحیح اعراب کے ساتھ
پڑھنے کے لئے اس زبان کے اصول و قواعد کا
جاننا ناگزیر تھا۔ اس ضرورت سے عہدہ برآ ہونے
کے لئے "نحو" کا علم وجود میں آیا۔

بعد میں قواعد زبان عربی کا وہ جز جو مختلف
صیغوں کی گردان (تصریف) سے متعلق تھا نیز
دوسرے متعلقہ مباحث پر مشتمل تھا "صرف"
کے نام سے پڑھا جانے لگا۔

پھر چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
بڑا معجزہ قرآن کریم ہے اور قرآن کریم وجوہ اعجاز
میں سب سے اہم اس کی فصاحت و بلاغت ہے
جس تک پہنچنے کی خود فصحائے عرب جرأت
نہ کر سکے اس حقیقت کو کما حقہ سمجھنے کے لئے نفس
فصاحت و بلاغت کے بنیادی اور ثانوی اصول
و قواعد کا جاننا ضروری تھا یہ فرض علم بلاغت
نے انجام دیا۔

زبان سے کما حقہ واقفیت حاصل کرنے
کے لئے عربوں کے ادبی سرمایہ کا مطالعہ ناگزیر
چنانچہ حسب تصریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ
اور بروایت دیگر حضرت ابن عباس "الشعر
دیوان العرب" اس لئے نظم و نثر عربی
کی تعلیم عربی دانی کی شرط اولیں قرار پائی۔

عربوں کی شعر گوئی کے مخصوص اوزان و بحور
تھے ان کے علم کا نام عروض ہے اور اس طرح مندرجہ ذیل
علوم علوم ادبیہ کے اجزا کی حیثیت سے اپنی اپنی
نوبت میں ظہور پذیر ہوئے۔

۱۔ نثر عربی (محاضرات) ۲۔ نظم عربی ۳۔ صرف
۴۔ نحو۔ ۵۔ بلاغت ۶۔ عروض

(ج) علوم عقلیہ (یا علوم حکمیہ)

اسلامی تعلیم جو کتاب و حکمت و سنت"
کی تعلیم سے شروع ہوئی تھی بتدریج ترقی کرتے
کرتے مذکور الصدر علوم دینیہ و ادبیہ کے
مختلف شعبوں سمیت مدارس کے نصاب
درس و تدریس کا موضوع بن گئی مگر کچھ علوم اور
بھی اہم تھے جو اندر ہی اندر اپنے شائقین پیدا
کرتے رہے۔ ان کا مجموعی نام فلسفہ تھا
جو بعد میں "حکمت" "علوم عقلیہ" "علوم حکمیہ"
"معقولات" وغیرہ کے نام سے موسوم ہوا
چونکہ ان کا بیشتر حصہ اسلامی تعلیمات کے ساتھ
دست بگریباں تھا اس لئے ذمہ داران امت
نے شروع ہی سے اس پر قدغن لگائی تھی مگر
بمصداق "الانسان حریص علی ما منع"
یہ خفیہ طور پر اپنے طلاب میں فروغ پاتا رہا اس
کی تفصیل سے بیشتر خود اس فلسفہ کے اسلامی فکر
میں متعارف ہونے کی اجمالی کیفیت سے
واقف ہونا بہتر ہوگا۔

اسلام کے پیش کردہ نظام اقدار میں
حکمت کو خیر کثیر یا خیر اعلیٰ کا مقام حاصل
ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے۔

"ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی
خیراً کثیراً"

جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر (سب سے
بڑی نیکی) عطا ہوئی۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
تعارف قرآن کریم "معلم کتاب و حکمت" کے
عنوان سے کرتا ہے اور اس معلم کتاب و حکمت
نے حکمت کو مرد مومن کی متاع گم گشتہ قرار دیا
اور اسے مامور کیا کہ جہاں پائے اسے لے لے۔

بیسویں صدی سے قبل جو کام اسلامی
علوم میں ہوا اس صدی میں اس کا عشر عشیر بھی
نہیں ہوا ہمارے سامنے اس کی دو وجہیں
ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ نصاب تعلیم کی کشمکش
میں رہ کر لوگ اس طرح مصروف رہے کہ
تصنیفی امور کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ دوسری
وجہ یہ ہے کہ علماء اس کی طرف متوجہ ہوئے ہوں۔
مگر کسی سبب وہ اپنی کاوشات منظر عام
پر نہ لا سکے ہوں بہر حال جو صورت حال اس
وقت ہے اس کے پیش نظر یہی کہنا پڑتا ہے کہ
اسلامی علوم کا جو سرمایہ متقدمین علماء کے توسط
سے ہم تک پہنچا تھا وہی نسلاً بعد نسل مختلف
صورتوں میں ہم پھیلا رہے ہیں۔ یہاں یہ بات
بھی قابل غور ہے کہ اس صدی میں علماء نے
زیادہ کتابیں یا اردو زبان میں لکھیں یا کسی
اجنبی زبان کی کتاب کو سامنے رکھ کر اردو زبان

میں منتقل کر دیئے کچھ حلقوں میں تو یہ کام اس قدر تیزی کے ساتھ ہوا کہ شاید ہی کوئی نصابی کتاب ایسی بچی ہو جس کا اردو میں ترجمہ نہ ہوا ہو بہر حال اگرچہ یہ ایک مستحسن امر ہے مگر اسی کے ساتھ معیار تعلیم میں فروتری کا اندیشہ ہے۔

"کاغذ کے پھول لاکھ اڑے گل نہ ہو سکے"

جب اصل کتابوں کی ترجمہ نگاری کا رواج ہوا تو ہر وہ شخص جو کچھ بھی عربی و فارسی زبان سے واقف تھا اپنے کو اس کا اہل سمجھنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ متن و ترجمے دونوں آپس میں کہیں کہیں دست بگریباں نظر آنے لگے مگر پھر بھی وہ اپنے کو مترجم و مصنف کہلانا حاصل زندگی سمجھتے رہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اس طویل گفتگو کے بعد ذیل میں ان علوم و فنون کی مختصر تعریف اور اغراض و مقاصد کے ساتھ علمائے اہلسنت کی کاوشات کا اجمالی خاکہ دیا جا رہا ہے۔

تفسیر! (قرآنیات)

تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن کے معنی سے بحد شرعی بحث کی جائے۔ قواعد نحو یہ اور عربیہ کی مطابقت کے ساتھ اس علم کے جاننے کے لئے علوم عربیہ، اصول کلام، اصول فقہ اور جدل و مناظرہ اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے علوم کا جاننا ضروری ہے۔

اس علم کا مقصد معانی نظم قرآن کا بحد شرعی جاننا ہے اس علم کا فائدہ ہے کہ انسان کو ٹھیک طور پر احکام شرعیہ کو قرآن کریم سے جاننے کی قدرت حاصل ہوتی ہے اور قرآن کریم میں جو قصص و نصائح ہیں ان سے وہ اثر پذیر ہو۔ قرآن سے جن مکارم و اخلاق کی دعوت دی جاتی ہے ان پر ہر انسان عمل کرے ان کے علاوہ بہت سے مقاصد ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔

اس موضوع پر عرب اور ہندوستانی مفسرین نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کی تعداد کم نہیں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کے موضوع پر جو کتابیں بیسویں صدی میں لکھی گئیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ حاشیہ تفسیر مدارک — مولانا وصی احمد محدث سورتی (م ۱۹۱۶ء)
۲۔ حاشیہ بیضاوی — مولانا وصی احمد محدث سورتی (م ۱۹۱۶ء)
۳۔ حاشیہ جلالین — مولانا وصی احمد محدث سورتی (م ۱۹۱۶ء)
۴۔ الاکلیل (تفسیر قرآن) — مولانا عبدالحق الہ آبادی (م ۱۳۳۳ھ)
۵۔ تفسیر قرآن مجید (قلمی) — مولانا احمد حسن کان پوری (۱۳۲۲ھ)
۶۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی — مولانا احمد رضا بریلوی (م ۱۳۴۰ھ)
۷۔ حاشیہ الدر المنثور — مولانا احمد رضا بریلوی (۱۳۴۰ھ)
۸۔ حاشیہ الاتقان فی علوم القرآن — مولانا احمد رضا بریلوی ۱۳۴۰ھ
۹۔ حاشیہ تفسیر خازن — مولانا احمد رضا بریلوی (م ۱۳۴۰ھ)
۱۰۔ حاشیہ معالم التنزیل — مولانا احمد رضا بریلوی
۱۱۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن — مولانا احمد رضا بریلوی (م ۱۳۴۰ھ)
۱۲۔ الزلال الانقی عن بحر سفینۃ اتقی — مولانا احمد رضا بریلوی
۱۳۔ تفسیر خزائن العرفان — مولانا نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ)
۱۴۔ تفسیر قرآن مجید — مولانا سلامت اللہ رام پوری (م ۱۳۳۸ھ)
۱۵۔ معارف القرآن (ترجمہ قرآن) — مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی (م ۱۳۸۳ھ)
۱۶۔ نور کی تفسیر — مولانا محبوب علی لکھنوی (م ۱۳۸۵ھ)
۱۷۔ تفسیر قادری — مولانا عزیر احمد قادری بدایونی
۱۸۔ تفسیر نعیمی (اشرف التفاسیر) — مولانا احمد یار خاں گجراتی (م ۱۳۹۱ھ)
۱۹۔ علم القرآن لترجمۃ الفرقان — مولانا احمد یار خاں گجراتی (م ۱۳۹۱ھ)
۲۰۔ درس القرآن — مولانا احمد یار خاں گجراتی (م ۱۳۹۱ھ)
۲۱۔ تفسیر سورۂ بقرہ — مولانا رفاقت حسین مظفر پوری (متوفی)
۲۲۔ مسائل القرآن — مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی (م ۱۹۸۶ء)
۲۳۔ عجائب القرآن — مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی (م ۱۹۸۶ء)
۲۴۔ غرائب القرآن — مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی (م ۱۹۸۶ء)

۲۵۔ معارف القرآن مولانا جلال الدین احمد امجدی

۲۶۔ فضائل القرآن مولانا افتخار احمد قادری

۲۷۔ تدوین قرآن مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

۲۸۔ جواہر القرآن مولانا قدرت اللہ رضوی بستوی

۲۹۔ تفسیر ابن عباس (ترجمہ) مولانا عبد المقتدر بدایونی

حدیث!

علم حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال جانے جائیں۔ اس علم کی غرض وغایت دنیاوی واخروی سعادت کی تحصیل ہے۔

ہندوستان میں اس فن کی باضابطہ اشاعت بیسویں صدی علیسوی سے ہوتی ہے شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان حدیث کی نشر و اشاعت میں مشہور ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستان میں درس حدیث کی مسند انھوں نے ہی بچھائی تعلیم بھی دی اور کتابیں بھی لکھیں بیسویں صدی میں ہندوستانی علماء اس بابرکت علم کی نشر و اشاعت اور تصنیف وتالیف سے محروم نہیں رہے جن علماء نے حدیث کی تالیف اور تخریج وترتیب کا فریضہ انجام دیا ان میں علمائے اہلسنت کی تعداد اس قدر ہے۔

۱۔ حاشیہ شرح معانی الآثار مولانا وصی احمد محدث سورتی

۲۔ تعلیقات سنن مولانا وصی احمد محدث سورتی

۳۔ تعلیقات شروح اربعہ ترمذی شریف مولانا وصی احمد محدث سورتی

۴۔ شرح السنن ابی داؤد (قلمی) مولانا وصی احمد محدث سورتی

۵۔ شرح مشکوٰۃ المصابیح مولانا وصی احمد محدث سورتی

۶۔ حاشیہ بخاری شریف مولانا احمد رضا بریلوی

۷۔ حاشیہ مسلم شریف 〃 〃 〃

۸۔ حاشیہ ترمذی شریف 〃 〃 〃

۹۔ حاشیہ نسائی شریف 〃 〃 〃

۱۰۔ حاشیہ ابن ماجہ شریف 〃 〃 〃

۱۱۔ حاشیہ طحاوی شریف 〃 〃 〃

۱۲۔ حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر 〃 〃 〃

۱۳۔ النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب مولانا احمد رضا بریلوی

۱۴۔ البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص مولانا احمد رضا بریلوی

۱۵۔ الہاد الکاف لاحادیث الضعاف مولانا احمد رضا بریلوی

۱۶۔ شرح ترمذی مولانا احمد حسن کانپوری

۱۷۔ حاشیہ جامع الترمذی مولانا سید برکات احمد ٹونکی (م ۱۳۴۷ھ)

۱۸۔ الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری مولانا ظفر الدین قادری (م ۱۹۶۲ء)

۱۹۔ الآثار المحمدیہ والآثار المصطفیٰ مولانا عبد الباقی فرنگی محلی

۲۰۔ نعیم الباری فی انشراح البخاری مولانا احمد یار خاں گجراتی

۲۱۔ بشیر القاری فی شرح البخاری مولانا غلام جیلانی میرٹھی (م ۱۹۷۸ء)

۲۲۔ الروض الجنان مولانا ابو المظفر سید شریف قادری

۲۳۔ معارف الحدیث مولانا عبد العزیز حافظ ملت مرادآبادی (م ۱۹۷۶ء)

۲۴۔ حاشیہ شرح معانی الآثار مولانا امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ)

۲۵۔ جواہر الحدیث مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی

۲۶۔ تفہیم الحدیث شرح مشکوٰۃ شریف مولانا سید محمد مدنی کچھوچھوی

۲۷۔ انوار الحدیث مولانا جلال الدین احمد امجدی

۲۸۔ مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح مولانا احمد یار خاں گجراتی

۲۹۔ نزہۃ القاری شرح البخاری مفتی شریف الحق امجدی

فقہیات!

وہ علم ہے جس میں تفصیلی دلائل کے ذریعہ احکام شرعیہ فرعیہ کے استنباط سے بحث کی جائے اس علم کا فائدہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا اور غرض وغایت اعمال شرعیہ پر عمل کرنے کا انسان کے اندر ملکہ پیدا ہونا ہے۔

ہندوستانی علماء نے اس موضوع پر بھرپور جولانی طبع کا مظاہرہ کیا ہے اپنی فکر عالی کو کتابی شکل دینے کے علاوہ متقدمین علماء کی کتابوں کے شروح وحواشی لکھے اور اس کے علاوہ فتاوی لکھے جو ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح قدیم ہندوستان میں اس موضوع پر کافی کتابیں لکھی گئیں ٹھیک اسی طرح بیسویں صدی میں بھی علماء نے اس فن کو کافی رواج دیا تفصیل ذیل

...ری جاری ہے۔

۱۔ التعلیق المجلیٰ لما فی منیۃ المصلی
مولانا وصی احمد محدث سورتی

۲۔ حاشیہ ہدایہ اخیرین
مولانا احمد رضا فاضل بریلوی

۳۔ حاشیہ کتاب الخراج مولانا احمد رضا بریلوی
فاضل بریلوی

۴۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ
مولانا احمد رضا فاضل بریلوی

۵۔ حاشیہ فتاوی عالمگیری
مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی

۶۔ حاشیہ جامع الرموز مولانا احمد رضا
فاضل بریلوی

۷۔ حاشیہ بحر الرائق مولانا احمد رضا
فاضل بریلوی

۸۔ حاشیہ عقود الدرر۔ مولانا احمد رضا
فاضل بریلوی

۹۔ حاشیہ فتاوی خیریہ مولانا احمد رضا
فاضل بریلوی

۱۰۔ جد الممتار حاشیہ رد المحتار
مولانا احمد رضا فاضل بریلوی

۱۱۔ شفاء السائل بتحقیق المسائل
مولانا عبد القادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ)

۱۲۔ التعلیقات علی الدر المختار
مولانا عبد الحق الہ آبادی (م ۱۳۳۳ھ)

۱۳۔ بہار شریعت ۱۷ حصے
مولانا امجد علی اعظمی

۱۴۔ بہار شریعت ۱۸ واں حصہ
مولانا وقار الدین و مولانا عبد المصطفیٰ ازہری

۱۵۔ بہار شریعت ۱۹ واں حصہ
مولانا سید ظہیر احمد زیدی

۱۶۔ فتاوی امجدیہ دو جلدیں
مولانا امجد علی اعظمی

۱۷۔ مجموعہ فتاوی مولانا نعیم الدین مراد آبادی

۱۸۔ فتاوی افریقہ مولانا احمد رضا بریلوی

۱۹۔ الحج مولانا سید سلیمان اشرف بہاری
(م ۱۳۵۲ھ)

۲۰۔ القول الاظہر فی عدم جواز الصلوٰۃ باقتداء
لاوڈ اسپیکر مولانا حشمت علی
لکھنوی (م ۱۳۸۰ھ)

۲۱۔ ذوی الافہام علی حکم التبلیغ خلف الامام
مولانا حشمت علی لکھنوی (م ۱۳۸۰ھ)

۲۲۔ قانون شریعت دو جلدیں
مولانا قاضی شمس الدین جعفری

۲۳۔ نظام شریعت مولانا غلام جیلانی میرٹھی

۲۴۔ عرفان شریعت مولانا

۲۵۔ فرامین شریعت مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی

۲۶۔ گلزار شریعت مولانا نسیم بستوی

۲۷۔ گلستان شریعت ؍ ؍ ؍

۲۸۔ نظام شریعت ؍ ؍ ؍

۲۹۔ رہبر شریعت مولانا جمیل احمد انصاری بستوی

۳۰۔ جنتی زیور مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی

۳۱۔ سنی بہشتی زیور مولانا خلیل احمد برکاتی

۳۲۔ شافعی بہشتی زیور مولانا عصمت عبد القادر،
مولانا غلام غوث بہار الدین

۳۳۔ الغاز الفقہیہ مولانا جلال الدین احمد امجدی

۳۴۔ حقیقۃ الفقہ مولانا انوار اللہ حیدر آبادی

۳۵۔ نکاح اور طلاق مولانا محمد خلیل احمد برکاتی

۳۶۔ احکام نکاح مولانا محمد ابراہیم فریدی
سمستی پوری

۳۷۔ اسلامی اخلاق و آداب
مولانا امجد علی اعظمی

۳۸۔ اذان خطبہ کہاں ہو مولانا عبد الحق
رضوی گونڈوی

۳۹۔ حج و زیارت مولانا جلال الدین احمد امجدی

۴۰۔ حج و زیارت مولانا اسلم بستوی

۴۱۔ حج و زیارت مولانا قدرت اللہ
رضوی بستوی

۴۲۔ ٹی وی اور ویڈیو کا آپریشن
مولانا اختر رضا ازہری

۴۳۔ ٹی وی کی تحقیق مولانا خواجہ مظفر حسین

۴۴۔ ویڈیو ٹی وی کا شرعی استعمال مولانا سید محمد مدنی

۴۵۔ مجموعہ فتاوی مولانا حامد رضا بریلوی۔
(م ۱۳۶۲ھ)

۴۶۔ فتاوی مصطفویہ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی
(م ۱۹۸۱ء)

۴۷۔ اسلام اور شادی مولانا وارث جمال بستوی

۴۸۔ اسلامی قانون مولانا ابو الکلام احسن القادری

۴۹۔ فتاوی مظہری مفتی مظہر اللہ دہلوی

۵۰۔ الرای السدید فی نصب المنبر لصلوٰۃ
الجمعۃ والعید
مولانا عبد القیوم علی گڑھ

۵۱۔ التحقیق المعلی (سود کی حرمت کا بیان)
مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی

عقائد وکلام!

کلام وہ علم ہے جس میں عقائد دینیہ کا اثبات دلائل عقلیہ ونقلیہ سے کیا جائے اور اس سلسلے میں جو شبہات وارد ہوں ان کو دفع کیا جائے اس علم کا موضوع وہ معلومات ہیں جن کا تعلق قریب یا بعید عقائد دینیہ سے ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس علم کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بعض اہل علم نے اس کا موضوع نفس موجود کو بتلایا ہے۔ اس علم کے مسائل وہ تمام احکام جو ان معلومات سے متعلق ہوں جن کا تعلق عقائد دینیہ اور ان کے اثبات سے ہے۔

اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں البتہ بیسویں صدی کے علماء بطور خاص علمائے اہلسنت نے اس موضوع کو شاید درخور اعتنا نہیں سمجھا اسی لئے قلم نہیں اٹھایا علماء کی وہ چند کتابیں جنھیں ہم اس بحث میں شامل کر سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ ضوء النہایہ فی اعلاء الحمد والہدایہ — مولانا احمد رضا بریلوی
۲۔ السعی المشکور — مولانا احمد رضا بریلوی
۳۔ حاشیہ خیالی — 〃 〃 〃
۴۔ حاشیہ شرح عقائد عضدیہ — 〃 〃 〃
۵۔ حاشیہ شرح مواقف — 〃 〃 〃
۶۔ خالص الاعتقاد — 〃 〃 〃
۷۔ سبحٰن السبوح — 〃 〃 〃
۸۔ حقیقۃ الشفاعۃ — مولانا عبد القادر بدایونی
۹۔ احسن الکلام — 〃 〃 〃
۱۰۔ حسام المسلول علی منکر علم الرسول — مولانا ظفر الدین قادری
۱۱۔ تنویر السراج فی ذکر المعراج — مولانا ظفر الدین قادری
۱۲۔ کتاب العقائد — مولانا نعیم الدین مرادآبادی
۱۳۔ الکلمۃ العلیا — 〃 〃
۱۴۔ عجالۃ الراکب فی امتناع کذب الواجب — مولانا عبد اللہ ٹونکی (م ۱۳۳۹ھ)
۱۵۔ حق الیقین — مولانا عبد الصمد سہسوانی
۱۶۔ سوط الرحمٰن علی ظہر الشیطان — مولانا عبد القادر حیدرآبادی
۱۷۔ تنزیہہ الرحمٰن — مولانا احمد حسن کانپوری
۱۸۔ الصمصام القاضب علی المفتری علی اللہ الکاذب — مولانا برکات احمد ٹونکی
۱۹۔ الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین وسید الرسل — مولانا سراج الحق دہلوی (م ۱۳۳۶ھ)
۲۰۔ العسل المصفیٰ فی عقائد ارباب سنۃ المصطفیٰ — شاہ ابو الحسین نوری
۲۱۔ سر الغیب — مولانا محمد کامل نعمانی ولید پوری (م ۱۳۲۲ھ)
۲۲۔ پنجہ نور — مولانا محمد کامل نعمانی ولید پوری (م ۱۳۲۲ھ)
۲۳۔ معراج نامہ — مولانا محمد کامل نعمانی ولید پوری (م ۱۳۲۲ھ)
۲۴۔ فیصلہ حق و باطل — مولانا محمد اجمل سنبھلی
۲۵۔ الوسیلۃ السنیہ — مولانا محمد شفیع اعظمی
۲۶۔ اختیار نبوت — مولانا حبیب الرحمٰن بہاری
۲۷۔ ناموس رسالت — مولانا وصی احمد اعظمی
۲۸۔ الفیضان — مولانا بشیر احمد نعیمی گونڈوی
۲۹۔ انوار درود وسلام — 〃 〃
۳۰۔ ختم نبوت نمبر — المیزان کچھوچھہ

تاریخ وتذکرہ اور سیرت وسوانح

ملکوں اور قوموں کے احوال وحالات ان کے رسوم وعادات اور کاروبار وپیشے اور ان کے انساب ووفیات کے جاننے کا نام تاریخ ہے۔

اس علم کا موضوع وہ اسلاف ہیں جو زمانہ ماضی میں اپنے زمانوں میں اہمیت وعظمت کے مالک تھے مثلاً انبیاء کرام، اولیائے عظام علماء، حکماء اور سلاطین وغیرہ۔

اس علم کی غرض وغایت گزرے ہوئے حالات وواقعات کی معرفت وجانکاری حاصل کرنا ہے۔

اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ انسان گزرے ہوئے حالات وواقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرے اور انقلابات زمانہ سے انسان کو تجربات حاصل ہوں تاکہ گزشتہ زمانہ کے جو حالات وواقعات انسان کے لئے مضر ... ان سے بچیں اور جو حالات وواقعات انسان کیلئے نفع بخش ثابت ہوں ان سے استفادہ ...

اس موضوع پر چھوٹی بڑی لکھی جانے والی تمام کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے ... ذیل میں بیسویں صدی میں لکھی جانے والی انھیں کتابوں کو شمار کرایا جا رہا ہے جو مصادر و مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ نطق الہلال بارخ ولادۃ الحبیب والو... — مولانا احمد رضا بریلوی

۲۔ سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ
مولانا احمد رضا بریلوی
۳۔ حاشیۃ الفوائد البہیۃ مولانا احمد رضا بریلوی
۴۔ حاشیہ کشف الظنون " " "
۵۔ حاشیہ مقدمۂ ابن خلدون " " "
۶۔ حاشیہ عصر الشادر " " "
۷۔ حاشیہ خلاصۃ الوفا " " "
۸۔ آثار الاول حق علمائے فرنگی محل
مولانا عبد الباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ)
۹۔ سیرۃ الشیخ یوسف النبہانی
مولانا محمد علی حسین مدنی (م ۱۳۷۴ھ)
۱۰۔ مناقب ابی حنیفہ مولانا انوار اللہ حیدرآبادی
۱۱۔ سرور القلوب بذکر المحبوب
مولانا نقی علی بریلوی
۱۲۔ تاریخ بدایوں مولانا عبد القادر بدایونی
۱۳۔ حیات اعلیٰ حضرت مولانا ظفر الدین قادری
۱۴۔ خیر الانبیاء مولانا عتیق الرحمٰن بستوی
۱۵۔ ریاض الشہداء مولانا محمد اجمل سنبھلی
۱۶۔ سیرۃ اعظم حسین مولانا محمد علی حسین مدنی
۱۷۔ سیرۃ المصطفیٰ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی
۱۸۔ اولیائے رجال الحدیث " " "
۱۹۔ مشائخ نقشبندیہ " " "
۲۰۔ باغی ہندوستان مولانا عبد الشاہد شروانی (م ۱۹۸۴ء)
۲۱۔ اشرف السیر (اول) نامکمل
مولانا شریف الحق امجدی
۲۲۔ حنفی اولیاء مولانا مفتی عبد المنان اعظمی

۲۳۔ سوانح کربلا مولانا نعیم الدین مرادآبادی
۲۴۔ تاریخ کربلا مولانا صفدر علی قادری
۲۵۔ نقش کربلا مولانا ارشد القادری
۲۶۔ ہند کے راجہ سوانح خواجہ
مولانا مشتاق احمد نظامی
۲۷۔ سوانح غوث و خواجہ
مولانا بدر الدین احمد قادری
۲۸۔ سوانح اعلیٰ حضرت
مولانا بدر الدین احمد قادری
۲۹۔ خیر البیان فی مولد سید الانس والجان
مولانا زید ابو الحسن فاروقی
۳۰۔ مفید المطالب مولانا محمد ابراہیم فریدی
۳۱۔ فضائل من اسمہ احمد و محمد (تحقیق)
مولانا پروفیسر مختار الدین احمد
۳۲۔ طبقات الشافعیہ لابن قاضی شہبہ (تحقیق)
مولانا ڈاکٹر عبد العلیم خاں
۳۳۔ جمال الدین اسنوی اور اس کی طبقات
مولانا ڈاکٹر عبد العلیم خاں
۳۴۔ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات
مولانا یٰسین اختر مصباحی
۳۵۔ امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں
مولانا یٰسین اختر مصباحی
۳۶۔ امام احمد رضا اور تصوف
مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
۳۷۔ محدث دہلوی مولانا عارف اللہ قادری
۳۸۔ بے نقاب چہرے مولانا سید رکن الدین اصدق
۳۹۔ سید الہند (تذکرۃ الولی)
مولانا سید فضل الحق (بنگال)

۴۰۔ حیات شیخ المشائخ
مولانا صابر القادری نسیم بستوی
۴۱۔ فقیہ اسلام ڈاکٹر حسن رضا خاں (بہار)
۴۲۔ تذکرۂ غازی مولانا بدر القادری مصباحی
۴۳۔ تذکرۂ حافظ ملت مولانا محمد احمد مبارکپوری
۴۴۔ تذکرۂ علمائے اہلسنت مولانا محمود احمد رضوی
۴۵۔ تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ
مولانا عبد المجتبیٰ رضوی
۴۶۔ الکاس الساقی (مناقب غوث اعظم)
مولانا عاشق الرحمٰن حبیبی
۴۷۔ مفتی اعظم ہند مولانا عبد النعیم عزیزی
۴۸۔ مفتی اعظم ہند سید محمد ریاست علی
۴۹۔ سیرت امام اعظم مولانا قدرت اللہ بستوی
۵۰۔ محمود غزنوی تاریخ کے آئینے میں
مولانا وارث جمال بستوی
۵۱۔ اشرفیہ کا ماضی اور حال
مولانا بدر القادری مصباحی
۵۲۔ مظہر جمال مولانا سید شاہد علی رام پوری
۵۳۔ کتاب المقفیٰ الکبیر للمقریزی (تحقیق)
(مولانا) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (بستی)
۵۴۔ مصری مورخین۔ ایک تنقیدی مطالعہ
(مولانا) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (بستی)
۵۵۔ تذکرۂ علمائے بستی (مولانا) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (بستی)
۵۶۔ متنبی۔ ایک تحقیقی مطالعہ
(مولانا) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (بستی)

۵۷۔ مولانا حشمت علی اور تحریک پاکستان
(مولانا) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (بستی)

۵۸۔ امام احمد رضا نمبر — المیزان بمبئی

۵۹۔ امام احمد رضا نمبر — قاری دہلی

۶۰۔ امام اہلسنّت نمبر — حجاز جدید دہلی

۶۱۔ شیر بیشۂ اہلسنت نمبر — پاسبان الٰہ آباد

۶۲۔ محدث اعظم نمبر — المیزان بمبئی
پاسبان الٰہ آباد

۶۳۔ حافظ ملت نمبر — اشرفیہ مبارکپور

۶۴۔ مفتی اعظم ہند نمبر — استقامت کانپور

۶۵۔ سیدنا محمد عربی نمبر — ؍ ؍

۶۶۔ مجدد نمبر — تجلیات ناگپور

۶۷۔ مجاہد ملت نمبر — نوائے حبیب کلکتہ

۶۸۔ سوانح محبوب الٰہی — مولانا عبد الاحد قادری (م ۱۳۹۶ھ)

۶۹ سوانح حیات اعلیٰ حضرت بریلوی
مولانا عبد الاحد قادری (م ۱۳۹۶ھ)

۷۰۔ تاریخ اسلام — مولانا قاری احمد پیلی بھیتی (م ۱۳۹۶ھ)

۷۱۔ تاریخ انبیاء — ؍ ؍

۷۲۔ تاریخ مصطفیٰ — ؍ ؍

۷۳۔ تاریخ خلفائے راشدین — ؍ ؍

۷۴۔ گنبد خضرا — مولانا یٰس اختر مصباحی

عربی ادب!

ادب ایسا علم ہے جس کے ذریعہ کلام عرب کی لفظی اور خطی غلطیوں سے محفوظ رہا جا سکے اس علم کے اندر نحو، صرف، اشتقاق، تاریخ، نظم، نثر، عروض، معانی بیان جیسی بارہ قسمیں شامل ہیں جنھیں مجموعی طور پر علوم ادبیہ کہا جاتا ہے۔
اس موضوع پر نہ جانے کتنی کتابیں لکھی گئیں مگر نسبتاً اور ادوار کے اعتبار سے بیسویں صدی میں اس علم کی طرف علماء کی توجہ کم رہی پھر علمائے اہلسنّت کے پلیٹ فارم سے درج ذیل کتابیں منصہ شہود پر آگئیں۔

۱۔ حاشیہ مقامات حریری — مولانا وصی احمد محدث سورتی

۲۔ صنائع بدیعہ — مولانا احمد رضا بریلوی

۳۔ الزمزمۃ القمریۃ — ؍ ؍

۴۔ حاشیہ صراح — ؍ ؍

۵۔ حاشیہ تاج العروس — ؍ ؍

۶۔ شرح مقالہ مذاقیہ — ؍ ؍

۷۔ المصدر والافعال — ؍ ؍

۸۔ تبلیغ الکلام الی مدرۃ الکمال — ؍ ؍

۹۔ المبین — مولانا سید سلیمان اشرف

۱۰۔ البشیر الناجیہ فی شرح الکافیہ
مولانا غلام جیلانی میرٹھی

۱۱۔ البشیر الکامل فی شرح شرح مأتہ عامل
مولانا غلام جیلانی میرٹھی

۱۲۔ علم النحو — مولانا عتیق الرحمٰن بستوی

۱۳۔ الحماسۃ البصریۃ (تحقیق)
مولانا پروفیسر مختار الدین احمد

۱۴۔ المختار من الشعر الدمینۃ
مولانا پروفیسر مختار الدین احمد

۱۵۔ فیض الادب — مولانا بدر الدین احمد رضوی

۱۶۔ عروس الادب — ؍ ؍

۱۷۔ تلخیص الادب — ؍ ؍

۱۸۔ المدیح النبوی — مولانا یٰس اختر مصباحی

۱۹۔ الادب الجمیل — مولانا افتخار احمد قادری

۲۰۔ دروس البلاغۃ مع معین العروض
مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

۲۱۔ حاشیہ المجتبیٰ — مولانا قدرت اللہ رضوی

۲۲۔ صلوٰۃ الافعال — مولانا رضوان احمد شریفی

۲۳۔ معلم الترکیب — ؍ ؍

۲۴۔ نصرۃ الادب ترجمہ نزہۃ الادب
ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

منطق وفلسفہ!

منطق نام ہے ان قواعد کلیہ کا جن کی پابندی سے ذہن نظر وفکر میں غلطی سے بچا رہتا ہے اس علم کا موضوع وہ معلوم تصورات وتصدیقات ہیں جن سے مجہول تصورات وتصدیقات حاصل ہوں اس علم کی غرض جیسا کہ تعریف سے ظاہر ہے ذہن انسانی کا فکر ونظر کی غلطی سے بچنا اور اس علم کا نفع علوم عقلیہ کو صحیح طور سے حاصل کرنا ہے۔
اس علم کے ۹ بنیادی اصول ہیں اس کا موسس اور مدون ارسطو ہے اسی وجہ سے اسے معلم اول کہا جاتا ہے۔
فلسفہ (حکمت) اس علم کا نام ہے جس میں موجودات کے صحیح احوال سے بقدر طاقت بشری بحث کی جائے اس علم کا موضوع موجودات حقیقیہ ہے خواہ ذہنی ہوں یا خارجی اس علم کی غرض وغایت دنیا میں انسان کا اخلاق وفضائل سے آراستہ ہونا اور آخرت میں فوز وسعادت حاصل کرنا ہے۔
ایک زمانہ میں معقولات سے لوگوں کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا منطق وفلسفہ کی کتابیں

لوگ دھوم سے پڑھتے اور پڑھاتے تھے بیسویں صدی میں علماء کا رجحان اس فن کی طرف نسبتاً کم رہا جن لوگوں نے اس موضوع پر طبع رسا کے جوہر دکھائے وہ یہ ہیں۔

۱۔ الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ — مولانا احمد رضا بریلوی
۲۔ فوز مبین در رد حرکت زمین — مولانا احمد رضا بریلوی
۳۔ مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید — مولانا احمد رضا بریلوی
۴۔ حاشیہ ملا جلال میر زاہد — مولانا احمد رضا بریلوی
۵۔ حاشیہ شمس بازغہ — " " "
۶۔ حاشیہ اصول طبعی — " " "
۷۔ تعلیقات المفتی شرح مسلم — مولانا عبد اللہ ٹونکی
۸۔ شرح قاضی مبارک — مولانا ظہور حسین رام پوری (م ۱۳۴۲ھ)
۹۔ حاشیہ افق المبین — مولانا ظہور حسین رام پوری (م ۱۳۴۲ھ)
۱۰۔ حاشیہ میر زاہد — مولانا ظہور حسین رام پوری (م ۱۳۴۲ھ)
۱۱۔ شرح حمد اللہ — مولانا احمد حسن کانپوری
۱۲۔ امام الکلام فی تحقیق الاجسام — مولانا برکات احمد ٹونکی
۱۳۔ کتاب العقل — مولانا انوار اللہ حیدر آبادی
۱۴۔ اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان — مولانا برکات احمد ٹونکی
۱۵۔ حاشیہ ملا جلال — مولانا حامد رضا بریلوی
۱۶۔ ہدایۃ الحکمۃ — مولانا افضل حسین مونگیری
۱۷۔ ہدایۃ المنطق — " "
۱۸۔ مفتاح التہذیب — " "
۱۹۔ حاشیہ ملا حسن — مولانا عتیق الرحمن بستوی
۲۰۔ تعلیقات شرح ملا حسن — مولانا وصی احمد محدث سورتی
۲۱۔ حاشیہ میبذی — " "
۲۲۔ حل قطبی — مولانا مہر الدین امرتسری
۲۳۔ قواعد النظر — مولانا قاضی شمس الدین جعفری
۲۴۔ فیض المنطق — مولانا بدر الدین احمد رضوی
۲۵۔ تعلیم المنطق (مرقات کا خلاصہ) — مولانا محمد ابراہیم فریدی
۲۶۔ فیض الحکمۃ — مولانا احمد القادری
۲۷۔ شرح مرقات — مولانا نظام الدین گورکھپوری

رد ومناظرہ!

مناظرہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ دو مباحثوں کے درمیان انداز گفتگو کی کیفیت سے متعلق بحث کی جائے اس علم کا موضوع وہ دلائل ہیں جن کے ذریعہ مدعی اپنے موقف کا ثبوت فراہم کرے اس علم کا مقصد آداب مناظرہ کے ملکہ کا حصول ہے تاکہ بحث میں کہیں جھول نہ پیدا ہونے پائے اور مناظر اپنے ما فی الضمیر کو بخوبی ادا کر سکے بعض اہل علم نے اس کو منطق ہی کی طرح ایک علم تصور کیا ہے۔

بیسویں صدی میں علماء کے درمیان بحث ومباحثے بھی ہوئے اور قلمی جنگیں بھی ہوئیں بعض علماء نے رد ومناظرہ میں اپنی پوری زندگی صرف کر دی۔ وہ علماء جنھوں نے اس صدی میں رد ومناظرہ سے متعلق کار ہائے نمایاں انجام دیئے وہ یہ ہیں۔

۱۔ الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ — مولانا احمد رضا بریلوی
۲۔ النیر الشہابی علی تدلیس الوہابی — مولانا احمد رضا بریلوی
۳۔ اظہار الحق الجلی — مولانا احمد رضا بریلوی
۴۔ ایقان الارواح لدیارہم بعد الرواح — مولانا احمد رضا بریلوی
۵۔ الاسئلۃ الفاضلۃ علی الطوائف الباطلۃ — مولانا احمد رضا بریلوی
۶۔ کیفر کفر آریہ — مولانا احمد رضا بریلوی
۷۔ افادۃ الافہام (رد قادیانی) — مولانا انوار اللہ حیدر آبادی
۸۔ سیف الاسلام المسلول — مولانا عبد القادر بدایونی
۹۔ قطع الحجۃ (رد ندوہ) — مولانا ابو سعید رحمانی (م ۱۳۳۹ھ)
۱۰۔ صدقۃ جاریۃ فی رد آریہ — مولانا برکات احمد ٹونکی
۱۱۔ سیف المسلول علی من یمانع القیام بمولد الرسول — مولانا حبیب علی علوی (م ۱۳۳۰ھ)
۱۲۔ ہدایت الاسلام (رد روافض) — مولانا عبد القادر بدایونی
۱۳۔ رد وہابیہ — مولانا خیر الدین دہلوی
۱۴۔ قادیانی مذہب — مولانا الیاس برنی

۱۵۔ انتصار الحق — مولانا ارشاد حسین رامپوری
۱۶۔ ارغام الشیاطین فی تردید مسئلۃ الشیاطین
مولانا عبد الصمد سہوانی
۱۷۔ نصر المسلمین علی احزاب المبتدعین
مولانا عبد الصمد سہوانی
۱۸۔ رد قادیانی — مولانا عبد العلیم میرٹھی
۱۹۔ نزہۃ الفواد عن سواد الاعتقاد
مولانا عادل کانپوری
۲۰۔ صواعق الملکوت علی استاذ شلتوت المصری
مولانا محمد علی حسین مدنی
۲۱۔ رد تجدید و احیاء دین
مولانا محمد علی حسین مدنی
۲۲۔ الصارم الربانی علی اسراف القادیانی
مولانا حامد رضا بریلوی
۲۳۔ الطیب البیان رد تقویۃ الایمان
مولانا نعیم الدین مرادآبادی
۲۴۔ التحقیقات لدفع التلبیسات
مولانا نعیم الدین مرادآبادی
۲۵۔ اسواط العذاب — مولانا نعیم الدین مرادآبادی
۲۶۔ راد المہند — مولانا حشمت علی لکھنوی
۲۷۔ قہر واجد دیان بر ہمشیر بسط البنان
مولانا حشمت علی لکھنوی
۲۸۔ الانوار الغیبیہ — مولانا حشمت علی لکھنوی
۲۹۔ فیض شہ دو عالم — ″ ″
۳۰۔ وقعات السنان — مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی
۳۱۔ الموت الاحمر — ″ ″
۳۲۔ ادخال السنان — ″ ″
۳۳۔ جاء الحق — مولانا احمد یار خاں گجراتی

۳۴۔ رحمت خدا بوسیلہ اولیاء — مولانا احمد یار خاں گجراتی
۳۵۔ اجمل انوار الرضا — مولانا حشمت علی لکھنوی
۳۶۔ ستر باادب سوالات دینیہ ایمانیہ
مولانا حشمت علی لکھنوی
۳۷۔ رد شہاب ثاقب — مولانا محمد اجمل سنبھلی
۳۸۔ فیصلہ حق و باطل — ″ ″
۳۹۔ اختلافات کا منصفانہ جائزہ
مولانا شریف الحق امجدی
۴۰۔ التحقیقات — مولانا شریف الحق امجدی
۴۱۔ اشک رواں — ″ ″
۴۲۔ خون کے آنسو — مولانا مشتاق احمد نظامی
۴۳۔ قہر آسمان — ″ ″
۴۴۔ زلزلہ — مولانا ارشد القادری
۴۵۔ زیر و زبر — ″ ″
۴۶۔ المصباح الجدید — مولانا عبد العزیز مرادآبادی
۴۷۔ العذاب الشدید — مولانا محمد محبوب مبارکپوری
۴۸۔ درۂ سلطانی علی فاضل رحمانی
مولانا عتیق الرحمن بستوی
۴۹۔ مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان
مولانا زید ابو الحسن فاروقی
۵۰۔ دفاع کنز الایمان
مولانا اختر رضا خاں ازہری
۵۱۔ افضل المرسلین (رد عیسائیت)
مولانا مبین الدین امروہوی (م سنہ ۱۹۸۸ء)
۵۲۔ دلائل اہلسنت — مولانا شبیر احمد نعیمی پورنوی
۵۳۔ مناظرہ ادری — مرتبہ مولانا محمد طیب دانا پوری

۵۴۔ مناظرہ پنجاب — مرتبہ مولانا سید فرزند علی
۵۵۔ مناظرہ ملتان — ″ قاضی علی محمد تبلیغی
۵۶۔ معرکہ حق و باطل — ″ مولانا محمد یونس نعیمی
۵۷۔ محققانہ فیصلہ — ″ محمد جلال الدین احمد امجدی
۵۸۔ صارم الحق القاتل (مناظرہ بہرڈیہہ)
محمد ثنار الدین قادری
۵۹۔ عجائب انگشتان — مولانا غلام محمد ناگپوری
۶۰۔ اسلام کا نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس
مولانا سید محمد مدنی
۶۱۔ اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب
مولانا سید محمد مدنی
۶۲۔ خوابوں کی بارات — مولانا قاری منصور علی
۶۳۔ قامع الواہیات فی جامع الجزئیات
مولانا امجد علی اعظمی
۶۴۔ تنبیہ الوہابیین — مولانا عبد العلی آسی (سنہ ۱۹۰۹ء)
۶۵۔ حسام المسلول علی منکر علم الرسول
مولانا ظفر الدین قادری
۶۶۔ قادیانی فتنہ کا ارتداد
مولانا قاری احمد پیلی بھیتی

یہ ان تمام علمائے اہلسنت کی تصانیف کا مختصر تعارف ہے جن تک مجھ خاکسار، کم سواد کی رسائی ہو سکی ہے ظاہر ہے کہ ایسے کچھ اور بھی ارباب علم و فضل ہوں گے جن کی نگارشات نہ تو منظر عام پر آسکی ہیں اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہو سکا ہے مختصر یہ کہ اس مقالہ میں انھیں علماء اور ان کی تصانیف کا ذکر ہے بدقت تمام جن کا مجھے علم ہو سکا ہے

"فیضانِ سنت" پر ایک نظر

سید عارف علی رضوی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور پیاری سنتیں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ اور دین و عقبیٰ میں کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ ہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ مقدسہ اور ان کی سنتوں کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں عملی جامہ پہنائیں۔ لیکن افسوس امت مسلمہ جن حالات سے دوچار ہے وہ کوئی چھپی بات نہیں۔ امت مسلمہ میں زبردست بگاڑ دینی، تعلیمی سماجی تہذیبی واخلاقی پستی کا بنیادی سبب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کی پاکیزہ زندگی سے انحراف، فرنگی تہذیب سے وابستگی اور غیر اسلامی عادات واطوار کو اپنی زندگیوں میں شامل کرنے کا نتیجہ ہے۔

دعوتِ اسلامی پاکستان کے روح رواں حضرت مولانا محمد الیاس قادری صاحب کی ساڑھے بارہ سو صفحات پر مشتمل زیر تبصرہ کتاب "فیضانِ سنت" محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرور بے شمار سنتوں کا عظیم ذخیرہ ہے۔

"فیضانِ سنت" ایک عاشقِ رسول اور سنت رسول کے ایک داعی کا تڑپا دینے والا دعوتی اندازِ تحریر ہے جو عوام وخواص اور مبلغین سب کے لئے گراں قدر تحفہ اور عظیم سرمایہ ہے۔ جس میں سفر وحضر، گفت وشنید، نشست وبرخاست، تعلقات ومعاملات، عبادات وریاضات غرض کہ زندگی سے متعلق تمام چھوٹی بڑی بے شمار سنتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ جو بالکل عام فہم اور سادہ زبان میں ایک عاشق رسول کے دردِ دل اور جذبۂ احیاءِ سنت کی آئینہ دار ہے۔

"فیضان سنت" کو بلاشبہ مولانا الیاس قادری صاحب کا ایک تاریخ ساز کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو ہر انسان کے لئے ایک جامع اور مکمل دستور العمل ہے۔ جو سنت رسول کی اشاعت اور اپنی زندگی کو اسلامی خطوط سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ایک رہنما کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

عصر حاضر میں جب کہ نئی تہذیب کی نئی روشنی اسلامی گھرانوں میں بھی سرایت کر چکی ہے نتیجۃً اسلامی اقدار وروایات کو پامال کیا جا رہا ہے۔ فیشن پرست اور مغرب زدہ دور میں اسلامی بہنوں اور بھائیوں کو "فیضان سنت" کا مطالعہ اور اس پر عمل وقت کی شدید ترین ضرورت ہے۔ اور اس کے فروغ واشاعت میں حصہ لینا ہمارا دینی وملی فریضہ ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ محبت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ہم فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان کی سنتوں پر بھی سچے دل سے عمل پیرا ہو کر اپنی ذات کو آئینہ شریعت بنائیں تاکہ اس دور میں بھی ہم اپنے اسلاف کرام کی طرح اسلامی شان اور عزت ووقار کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکیں۔ اور "فیضانِ سنت" کا بھی مسلمانوں سے یہی مطالبہ ہے۔

"فیضان سنت" کی ضخامت، عمدہ کتابت اور نفیس طباعت کے اعتبار سے گرانی کے اس دور میں بھی اس کا ہدیہ (۹۰ روپے) کوئی زیادہ نہیں۔ فیضان سنت جیسی غیر معمولی افادیت اور جامعیت کی حامل اس ضخیم وعظیم کتاب کی اشاعت پر مولف وناشر دونوں ملتِ اسلامیہ کی جانب سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اسے خرید کر ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

سید عارف علی رضوی

صدر رضا لائبریری۔ کلیان

پیش کش:۔ عبداللہ ربانی قادری آستانۂ ربانی۔ ڈاکٹر انصاری چوک کلیان

عشقِ رسول کا فیضان

محمد حسین بہرائچی

ایک دیوانۂ رسول، عاشق مصطفیٰ قصبہ مہراجگنج ضلع بہرائچ میں رہتے تھے جن کا اسم گرامی محمد مصطفیٰ تھا ان کا انتقال ۲ر شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۸ر اپریل ۱۹۹۰ء بروز سنیچر بوقت دن کے ایک بجکر چالیس منٹ پر ہوگیا۔ آپ شیر بیشۂ اہلسنت حضرت علامہ مفتی حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان سے بیعت تھے۔ قصبہ کے لوگ احتراماً نام نہیں لیتے تھے بلکہ باباصاحب کہتے تھے۔

آپ کے ہر روز کا معمول پانچ پارہ تلاوت قرآن عظیم اور پچاس ہزار درود شریف اور مکمل دلائل الخیرات شریف کا ختم کرنا تھا۔ اللہ کے نیک وصالح بندے کا ذریعہ معاش تجارت وکاشت کاری تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے جس شخص کی زندگی عشق رسول سے خالی ہو اس کی زندگی بے سود ہے اور تلقین کیا کرتے تھے کہ کثرت سے درود شریف پڑھنے سے اللہ کے محبوب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق حاصل ہوتا ہے۔

مرحوم کے تین صاحبزادے حضرت مولانا مفتی شیر محمد صاحب، حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہرائچی شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ بنارس، حضرت مولانا رئیس کوثر صاحب اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

مولانا رئیس کوثر صاحب نے ۳ر ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۷ر جون ۱۹۹۰ء پختہ مزار بنانے کا کام ایک مسلمان راج مستری نثار احمد کو سپرد کیا۔ راج مستری نے اوپر کی مٹی ہٹانی شروع کی یہاں تک کہ تختے نظر آنے لگے۔ راج مستری کے دل میں خیال گزرا کہ دو مہینہ انتقال کئے ہوگئے مگر بدبو نہیں آرہی ہے آخر ایسا کیوں؟ اس نے از خود تھوڑا تختہ ہٹا کر اندر دیکھا تو ایمان افروز منظر دیکھا۔

راج مستری نثار احمد نے مولانا رئیس کوثر صاحب کو بلا کر کہا کہ باباصاحب کی قبر کے اندر کا عجیب منظر دیکھا ہے یعنی کفن تک خراب نہیں ہوا ہے باباصاحب آرام سے لیٹے ہیں۔

اس کے بعد یہ خبر پورے قصبہ میں آگ کی طرح پھیل گئی اتنا اژدہام کثیر ہوگیا کہ قابو کرنا مشکل ہوگیا یہاں تک کہ عوام نے ایک تختہ ہٹا دیا ہزاروں مسلمانوں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا کہ کفن پر کہیں داغ ودھبہ تک نہیں ہے بدن کا خراب ہونا تو بہت دور کی بات ہے کفن میلا بھی نہیں ہوا۔ ہر مسلمان کی زبان پر تھا کہ عشقِ مصطفیٰ کا فیضان اسی کو کہتے ہیں۔

ماہنامہ حجاز جدید دہلی

نذرِ امام احمد رضا فاضل بریلوی

ھادی رضا۔ مودارودی پرتاپ گڑھ

اک مسلسل کشمکش ہے درمیان خیر و شر
پھر سکونِ زیست ہوجانے کو ہے زیر و زبر
اٹھ رہا ہے نجد کی وادی سے پھر اک تازہ شر
رحمت عالم نے جس کی ہم کو دے دی ہے خبر
ضابطوں کی اک نئی تشریح کیوں درکار ہے
پر فریب جستجو ہے جس میں کچھ اسرار ہے
پرخطر ظاہر میں ہے باطن میں بھی پرخار ہے
ابتدا سے انتہا تک راہ ناہموار ہے
پردۂ خاور سے چمکی وہ شعاعِ آفتاب
اور سیہ بختی کا چہرہ ہورہا ہے بے نقاب
پھر رضا کی روح سے ہوتا ہے شاعر ہم کلام
تہنیت کا لے کے نذرانہ بصد ہا اہتمام
عشقِ نبوی پر کئی جانب سے جب یلغار تھی
مستقل تحریر تیری برسرپیکار تھی
نجدیت کے قصر کو تو نے تہ و بالا کیا
پھر بلالی روح کا دنیا کو متوالا کیا
عشق کی تمہید کا سہرا تمہارے سر رہا
دین کی تجدید کا سہرا تمہارے سر رہا
سرزمین ہند کا ہے گوہر نایاب تو
سرزمین عشق کا ہے بلبل بے تاب تو

حضرت علامہ محمد ثناء اللہ محدث امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان

منیر احمد شمسی مدرسہ بحر العلوم۔ مئوناتھ بھنجن۔ یو۔ پی

اسم گرامی:۔ محمد ثناء اللہ بن حاجی محمد شرف اللہ ساکن قاضی دامو نپورہ۔ مئوناتھ بھنجن۔ یو۔ پی

تاریخ پیدائش:۔ ۲؍ جولائی ۱۹۱۰ء

تعلیمی سلسلہ از ابتدا تا انتہا:۔ مدرسہ اسلامیہ دار العلوم مئوناتھ بھنجن۔

فراغت:۔ ۱۹۳۵ء

بسلسلہ تبلیغ رنگون:۔ ۱۹۳۶ء

درس حدیث:۔ از حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ۔ مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ (بریلی شریف) ۱۹۳۶ء/ ۱۹۳۹ء

سلسلۂ درس و تدریس

نمبر	ادارہ	از	تا	عہدہ
۱	دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ	۱۹۳۹ء	۱۹۴۷ء	نائب شیخ الحدیث
۲	بحر العلوم مئو کا سنگ بنیاد و تدریس	۱۹۴۸ء	۱۹۵۱ء	شیخ الحدیث
۳	منظر اسلام بریلی شریف	۱۹۵۲ء	۱۹۶۱ء	〃
۴	دار العلوم شاہ عالم احمد آباد۔ گجرات	۱۹۶۲ء	۱۹۶۳ء	〃
۵	بحر العلوم لطیفیہ کٹیہار۔ بہار	۱۹۶۴ء	۱۹۶۶ء	〃
۶	مدرسہ علیمیہ انوار العلوم سرکا نہی شریف	۱۹۶۷ء	۱۹۶۹ء	〃
۷	بحر العلوم مئوناتھ بھنجن	۱۹۶۹ء	۱۹۷۲ء	〃
۸	منظر اسلام بریلی شریف	۱۹۷۳ء	۱۹۷۵ء	〃
۹	جامعہ فاروقیہ بنارس	۱۹۷۶ء	۱۹۷۸ء	〃
۱۰	منظر حق ٹانڈہ ضلع فیض آباد	۱۹۷۹ء	۱۹۸۳ء	〃
۱۱	بحر العلوم مئو تاحیات	۱۹۸۴ء	۱۹۹۰ء	〃

مدت علالت:۔ ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۰ء

رحلت:۔ ۱۵؍ اگست ۱۹۹۰ء بوقت ۹؍ بجے شب بروز چہارشنبہ

نماز جنازہ:۔ بوقت ۲½ بجے دن بروز جمعرات بمقام کچہری باغ مئوناتھ بھنجن

امامت کے فرائض:۔ حضرت علامہ مولانا محمد شفیع اعظمی قاضی شریعت مبارکپور ضلع اعظم گڑھ

نماز جنازہ میں شرکت:۔ ہزاروں افراد نے شرکت فرمائی۔ ان کی رحلت کی خبر سنتے ہی مئو اور قرب وجوار میں سناٹا چھا گیا اور تمام تعلیمی ادارے بند کر دیے گئے۔

تدفین:۔ اپنی آبائی زمین جو مدرسہ بحر العلوم کے پچھمی جانب واقع ہے اس میں سپرد خاک کیا گیا۔

پسماندگان:۔ ایک بھائی۔ ایک بیوہ۔ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں جو شادی شدہ ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولانا سعید احمد عرف منظر القادری جو بحر العلوم میں تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں اور چھوٹے صاحبزادے مولانا منیر احمد شمسی جن کے اوپر مدرسہ بحر العلوم کی نظامت کا بار ہے دونوں حضرات اپنے اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ نیز حضور محدث صاحب علیہ الرحمۃ نے ادارہ سے متعلق اپنے سارے اختیارات و فرائض اور جامع مسجد شیخ مرچی (واقع قاضی ٹولہ مئوناتھ بھنجن) کی امامت و خطابت کی ذمہ داری بھی اپنے چھوٹے صاحبزادے جناب مولانا منیر احمد شمسی کے سپرد کر دی ہے۔

بیعت:۔ ۱۔ صدر الشریعہ شاہ مولانا امجد علی علیہ الرحمۃ مصنف بہار شریعت

خلافت:۔ حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا قادری نوری علیہ الرحمۃ بریلی شریف

۲۔ حضور محدث اعظم ہند حضرت شاہ سید محمد صاحب علیہ الرحمۃ کچھوچھہ شریف

۳۔ شاہ محمد ایوب تیغی علیہ الرحمۃ نولی شریف غازی پور

۴۔ حضور صدر الشریعہ شاہ مولانا امجد علی علیہ الرحمۃ اعظمی مصنف بہار شریعت

لقب:۔ ۱۹۵۲ء میں شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند نے محدث کے لقب سے ملقب فرمایا۔

تصنیفات:۔ (۱) مصباح الاحناف (۲) تجلی شعبان (۳) محاسن امام اعظم زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔

غیر مطبوعہ تصنیفات:۔ جو محدث صاحب کے وصال کے بعد دستیاب ہوئی ہیں۔

(۱) عربی ادب (۲) اصول حدیث وتفسیر (۳) علم نجوم (۴) فتاویٰ محدث اور کچھ متفرق مضامین مختلف علوم وفنون کے دستیاب ہوئے ہیں انشاء اللہ جلد ہی انہیں شائع کیا جائے گا۔

مشہور ومعروف تلامذہ:۔

۱۔ مفتی محمد شریف الحق امجدی نائب مفتی اعظم ہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

۲۔ مولانا محمد شفیع اعظمی قاضی شریعت مبارکپور اعظم گڑھ

۳۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ سابق ناظم دار العلوم اشرفیہ مبارکپور

۴۔ حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی ضلع مئوناتھ بھنجن۔ یو۔ پی

۵۔ حضرت علامہ مظفر حسن ظفر ادیبی سابق استاذ ادب ومعقولات (اشرفیہ مبارکپور)

۶۔ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی شیخ الحدیث مدرسہ قادریہ۔ بدایوں

۷۔ حضرت علامہ محمد اسلم مفتی مظفر پور (جامعہ قادریہ مقصود پور)

۸۔ علامہ خواجہ محمد بلال شیخ معقولات (بہار)

۹۔ مولانا محمد اعظم ٹانڈوی نائب مفتی اعظم ہند دار الافتاء بریلی شریف

۱۰۔ مولانا مجیب اشرف اعظمی بانی جامعہ امجدیہ ناگپور

۱۱۔ مولانا علی احمد جنید القادری سجادہ نشین خانقاہ تیغیہ علیمیہ سرکاہی شریف مظفر پور (بہار)

۱۲۔ مولانا غلام محمد یحییٰ سجادہ نشین خانقاہ ایوبیہ نولی شریف (غازی پور)

۱۳۔ مولانا محمد سلطان احمد سابق صدر مدرس فیض العلوم محمد آباد گوہنہ (مئو)

۱۴۔ مولانا ابو اللیث منظری صدر مدرس چشمہ رحمت غازی پور

۱۵۔ مولانا ابوذر صاحب مانی سابق انسپکٹر عربی مدارس (اترپردیش)

۱۶۔ مولانا انوار احمد نظامی ناظم دار العلوم غریب نواز (الہ آباد)

۱۷۔ مولانا قمر عالم مظفر پوری صدر مدرس جبل پور

۱۸۔ مولانا محمد سعید احمد عرف مظہر القادری صدر المدرسین مدرسہ حنفیہ اہلسنت بحر العلوم مئو

۱۹۔ مولانا منیر احمد صاحب شمسی ناظم اعلیٰ مدرسہ حنفیہ اہلسنت بحر العلوم مئو

۲۰۔ استاذ القراء حضرت مولانا قاری رحمت اللہ (ادروی)

۲۱۔ مولانا بدر عالم مدرس بحر العلوم مئو

۲۲۔ مولانا تحریر احمد نوری

۲۳۔ مولانا شمس الہدیٰ

۲۴۔ خواجہ منیر احمد رامپوری سرپرست الجامعۃ الاسلامیہ (بارہ بنکی)

۲۵۔ قاری بدر الدین احمد غازی پور

۲۶۔ مفتی ظفر علی نعمانی مہتمم مدرسہ امجدیہ کراچی (پاکستان)

مولانا علی احمد سیوانی کے والد ماجد کا انتقال

اہلسنت کے مذہبی اسٹیجوں کے معروف اناؤنسر مولانا سید علی احمد سیوانی مصباحی کے والد ماجد حضرت مولانا سید جلیل احمد سجادہ نشین خانقاہ حیدریہ خلیلیہ محلہ حیدر نگر حسن پورہ ضلع سیوان۔ بہار کا بروز سنیچر بتاریخ ۲۵ر اگست ۱۹۹۰ء بعد نماز مغرب انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ادارۂ حجاز حضرت مولانا علی احمد سیوانی اور ان کے جملہ اہل خانہ کو صبر وشکر کی تلقین کرتے ہوئے اپنے سبھی قارئین سے عرض گزار ہے کہ وہ مولانا موصوف کے والد مرحوم کے حق میں دعائے رحمت ومغفرت کریں۔

ادارۂ حجاز

جزیرۃ العرب کے حالیہ بحران کے سلسلے میں ہندوستان کے

ممتاز علماء وقائدین اور مسلم تنظیموں کی متفقہ تجاویز

عرس رضوی بریلی شریف منعقدہ ۱۶؍ ستمبر ۱۹۹۰ء جس میں ہندو۔ پاک کے مشاہیر علماء ومشائخ کرام نے شرکت کی۔ اس کی خصوصی نشست و اجلاسِ عام میں غور وفکر کے بعد سبھی حاضرین وسامعین اس نتیجہ تک پہنچے کہ خلیج عرب کے حالیہ بحران میں جس عاقبت نا اندیشی کے ساتھ حکومت سعودی عرب نے امریکی فوج کو دعوت دی ہے وہ کتاب وسنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اور حجاز مقدس کا احترام وتقدس اب سنگین خطرات سے دو چار ہو چکا ہے۔

خصوصی نشست واجلاسِ عام میں مندرجہ ذیل تجاویز اتفاق رائے کے ساتھ پاس ہوئیں۔

جزیرۃ العرب کے اندر پیدا ہونے والے سنگین حالات کی وجہ سے سارا عالم اسلام جس اضطراب وبے چینی کا شکار ہے۔ اس کے ازالہ کے لئے ہم سبھی عرب ممالک سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ضد اور نفسانیت کی راہ چھوڑ کر حق واعتدال کا راستہ اپنائیں اور اخلاص وسنجیدگی کے ساتھ ہماری ان تجاویز پر عمل کریں۔

۱۔ امریکی افواج کو سعودی عرب نے اپنی سرزمین پر دعوت دینے کا جو افسوسناک اقدام کیا ہے اس کی شدید مذمت کے ساتھ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ امریکی ومغربی افواج کو سعودی عرب سے فوراً واپس کیا جائے اور حجاز مقدس کی حرمت وعظمت کا تحفظ کیا جائے۔

رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب۔ یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے باہر نکالو۔

اور قرآن حکیم کا حکم ہے۔ ”اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا مددگار نہ بناؤ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اور جو ان کو مددگار بنائے گا وہ انہیں میں سے ہے“ (ترجمہ آیت)

۱۹۲۵ء میں سلطان عبد العزیز بن سعود کی جانب سے اہل حجاز اور عالم اسلام سے کئے جانے والے تحریری وعدہ کی تکمیل کے لئے موجودہ سعودی حکومت سرزمین حجاز کے امور ومعاملات کو اہل حجاز کے حوالہ کر دے تاکہ حرمین شریفین کے مذہبی مسائل کی نگرانی کا فریضہ عالم اسلام کا مشترکہ بورڈ انجام دے سکے۔

اسی طرح اقوام متحدہ اور امریکی حکومت، اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈال کر اس سے مقبوضہ عرب علاقوں کو خالی کرائے تاکہ کویت کا موجودہ بحران ختم ہو سکے۔

اور عرب ممالک افہام وتفہیم کے ذریعہ اپنے مسائل کا حل نکالیں۔ امریکی ومغربی اقوام وممالک کو اپنے مسائل میں دخیل نہ بنائیں۔

۳۔ کویت اور عراق کو غیر مشروط طور پر غذا ودوا کی فراہمی کا سلسلہ جاری کیا جائے۔

حضرت مولانا اختر رضا ازہری	جانشین مفتی اعظم ہند - بریلی شریف
حضرت مولانا ضیاء المصطفےٰ قادری	شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ
حضرت مولانا سید حامد اشرف جیلانی	دار العلوم محمدیہ - بمبئی
حضرت مولانا ارشد القادری	صدر کل ہند مسلم پرسنل لار کانفرنس
حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی	چیرمین آل انڈیا بابری مسجد ایکشن کمیٹی
حضرت مفتی اشفاق حسین نعیمی	دار العلوم اسحاقیہ جودھپور - راجستھان
مفتی مجیب اشرف	دار العلوم امجدیہ ناگپور - مہاراشٹر
مفتی عزیز الرحمٰن	شاہ عالم - احمد آباد - گجرات
مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی	مدرسہ قادریہ بدایوں - یو - پی
مولانا محمد احمد شاہدی	امیر خاکسارانِ حق - کانپور - یو - پی
مولانا عبید اللہ خاں اعظمی - ایم پی	سکریٹری جنرل کل ہند مسلم پرسنل لار کانفرنس ممبر حج کمیٹی اتر پردیش
مولانا محمد ادریس بستوی	نائب صدر مسلم پرسنل لار کانفرنس
مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی	مدیر اعلیٰ ماہنامہ حجاز جدید دہلی
مولانا سید کلیم اشرف	ولیعہد سجادہ نشین - جائس - رائے بریلی - یو - پی
مفتی حبیب یار خاں	دار العلوم نوری - اندور - مدھیہ پردیش
مولانا علی احمد سیوانی	حسن پورہ - سیوان - بہار
قاری ابو الحسن	دار العلوم وارثیہ - لکھنؤ
مولانا غلام یٰسین	قاضی شہر بنارس
مفتی عبد المنان کلیمی	جامعہ اکرم العلوم مراد آباد
قاضی محمد علی مصباحی	ہبلی - کرناٹک

جاری کردہ

فتح احمد بستوی مصباحی

مدیر معاون ماہنامہ ”حجاز جدید“ ۸۸، اسٹریٹ نمبر ۱۴ - ذاکر نگر - نئی دہلی ۲۵

دینی وتبلیغی سرگرمیاں

(ادارہ)

جشن فاروقی۔ بنارس

الجامعۃ الفاروقیہ وارانسی میں زیر اہتمام انجمن فیض رضا ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ کو خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یاد میں قرآن خوانی ہوئی ۸ بجے دن کو جامعہ کے وسیع ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت مولانا سید اصغر امام قادری مصباحی صاحب نے فرمائی۔

حضرت مولانا محمد حسین صاحب قبلہ شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ نے فاروق اعظم کا سیرت پر ایک پُرمغز خطاب فرمایا اور دعوت فکر و عمل دی۔ پھر صدر جلسہ رونق افروز ہوئے۔ اور ایک نصیحت آمیز تقریر فرمائی پھر آپ نے تقریر و مقالہ نگاری میں حصہ لینے والے طلبار کو انعامات سے نوازا۔

عزیز احمد مظفر پوری
جامعہ فاروقیہ۔ بنارس

جشن مفتی اعظم۔ چتر ادرگ

مورخہ ۴ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۹۰ء بروز جمعہ بعد نماز عشا مدرسہ اہلسنت رضائے مصطفےٰ چتر ادرگ (کرناٹک) کے زیر اہتمام صد سالہ جشن حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ منعقد کیا گیا۔ اور اسی خوشی و مسرت کے موقع پر مدرسہ مذکورہ کی طرف سے سنیت کو فروغ دینے کے لئے "رضائے مصطفیٰ دینی کتب و کیسٹس سرکلینگ لائبریری" کا افتتاح کیا گیا۔

اراکین مدرسہ اہلسنت رضائے مصطفیٰ
بہار پیٹ۔ چتر ادرگ (کرناٹک)

عرس علیمی۔ جمداشاہی

مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۹۰ء کو مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا عبدالعلیم صاحب قبلہ صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی کا عرس مدرسہ کے وسیع دریفیض گراؤنڈ میں زیر صدارت حضرت مولانا الحاج عبداللہ خاں عزیزی شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی منایا گیا۔ دن میں قرآن خوانی ہوئی رات میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس میں قاری محمد طیش صاحب و مولوی وقار احمد صاحب نے منقبت کے چند اشعار پڑھے اور مولانا کمال اختر صاحب شیخ الادب نے ابتدائی تقریر کی خصوصی مقرر حضرت مولانا امام الدین صاحب نے حضرت مبلغ اسلام کی سوانح عمری پر روشنی ڈالی جلسہ کے آخر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ایک بصیرت افروز تقریر کی اور جلسہ رات کے ڈیڑھ بجے سلام و دعا پر ختم ہوا۔

منتظمین جلسہ شبان کمیٹی جماعت خامسہ
دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی

عرس مبارک ابراؤں شریف

عارف باللہ شعیب الاولیار حضرت

سید شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ قدس سرہٗ
بانی دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف
کی بارگاہ میں ۲۲ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق
۱۴ اگست ۱۹۹۰ء کو کیف آور نور ونکہت کی
فضاؤں میں خراج عقیدت وتحسین پیش کیا
جائے گا جس میں ملک وبیرون ملک کے ہزاروں
اہل ارادت وعقیدت شرکت کریں گے۔

اس موقع پر مشہور ترین دانش گاہ دارالعلوم
فیض الرسول کے جلسۂ دستار فضیلت کی تقریب
اپنی روایتی شان وشوکت کے ساتھ منائی
جائے گی۔ جس میں ملک کے مایۂ ناز علماء ومشائخ
کرام دارالعلوم سے فارغ ہونے والے درجنوں
طلباء کو جبہ ودستار سے نوازیں گے۔

جمال احمد خاں رضوی
براؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر۔ یو۔پی

عرس چہلم شریف! دین پور ضلع مرادآباد

حضرت مفتی محمد عبدالرب حبیبی علیہ الرحمہ
کو حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے صرف چھ سال
کی عمر میں اپنی آغوش تربیت میں لے کر پروان
چڑھایا۔ زیور علم سے آراستہ کیا مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ،
جامعہ ازہر (مصر) بھیج کر مزید علوم دینیہ سے
مزین فرمایا۔ سفر وحضر میں ساتھ رکھ کر شریعت
وطریقت کے اسرار ورموز سکھائے۔ ساتھ لے کر
بارگاہ غوثیت میں حاضر ہوئے علماء کی
مقدس جماعت کے سامنے آپ کو "مقبول جیلانی"
کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ اپنے وقت کے بے مثال
عالم، باعمل شیخ طریقت ومعرفت اپنی خلافت
ونیابت اور تحریک خاکساران حق کی امارت کی عظیم
ذمہ داری اپنے لائق فرزند عالم شریعت حضرت
مولانا غلام جیلانی صاحب پی ایچ ڈی کو
سپرد فرما کر مورخہ ۲ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ مطابق
۲۷ فروری ۱۹۹۰ء رات ۱۱ بجکر ۱۱ منٹ پر
اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ
وانا الیہ راجعون۔

آپ ہی کی وصیت کے مطابق آپ کو خاکی
کفن پہنا کر پا پیادہ شان وشوکت کے ساتھ آپ
کے آبائی وطن دین نگر پور ضلع مرادآباد (یو۔پی)
میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کا عرس چہلم شریف
بتاریخ ۳؍۴ جون ۱۹۹۰ء کو اپنی شان وعظمت
کے ساتھ قصبہ دین نگر پور ضلع مرادآباد میں
منایا گیا۔ ۳ جون کو نعتیہ مشاعرہ جس میں ملک
بھر سے آئے ہوئے شعراء کرام نے نعت ومنقبت
کے گلدستے پیش کئے۔ ۴ جون کو ملک بھر سے
آئے ہوئے علماء ومشائخ کی تقاریر سے محفل
نورانی رہی ساتھ ہی ساتھ امیر تحریک کے
عرس چہلم کے موقع سے جناب مولانا ابرار عالم
صاحب ناظم النظام ہند نے آل انڈیا تحریک
خاکساران حق کی کل ہند ریلی طلب کی اور کل ہند
کیمپ لگایا جس میں ہندوستان بھر کی یونٹوں
نے شرکت کی۔ ۴ جون بروز پیر دس بجے دن تحریک
کی مجلس مشاورت ہوئی جس میں اتفاق رائے
سے امیر موصوف کے تحریری مقرر کردہ نائب امیر
حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب کو امیر
تسلیم کیا اور تمام یونٹوں نے تحریری تائید کی
اور امیر محترم کے ساتھ حلف وفاداری اٹھایا۔

محمد ابرار عالم قادری
دین نگر پور ضلع مرادآباد۔ یو۔پی

مشن کا جلسہ! بدایوں

۳ جون ۱۹۹۰ء بعد نماز عشاء بمقام مسجد
میراں جی صاحب۔ بدایوں میں ورلڈ اسلامک مشن
بدایوں شاخ کی جانب سے ایک جلسہ کا انعقاد
کیا گیا۔ جس میں مشن کے مرکزی جنرل سکریٹری
جناب مجیدالرحمن انصاری صاحب
نے بھی شرکت کی۔ جلسہ کی صدارت مولانا
عبدالمصطفےٰ صدیقی رودولوی صاحب نے فرمائی۔

تلاوت کلام پاک کے بعد پہلی تقریر
مولانا شہادت علی صاحب نے فرمائی
دوسری تقریر میں مشن کے مرکزی جنرل سکریٹری
نے دنیا کے دیگر مذاہب کی کتابوں میں
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اور اسلام
کا مفصل تذکرہ فرمایا۔

آخری اور اہم تقریر مولانا عبدالمصطفےٰ صدیقی
صاحب کی تھی جس میں انھوں نے عقائد
کے ساتھ ساتھ ایک بہترین اصلاحی تقریر بھی
فرمائی۔

صلوٰۃ وسلام اور دعا پر جلسہ ختم ہوا۔
مشن کی یو۔پی شاخ کے جنرل سکریٹری سید
ظفر امام قادری صاحب نے آخر میں حاضرین
محفل کا شکریہ ادا کیا اور حاضرین کی ناشتہ
سے ضیافت کی گئی۔

سید محمد ظفر امام قادری
ورلڈ اسلامک مشن۔ میراں جی چوکی۔ بدایوں

تعارف مدارس اسلامیہ امرزاپور

تمام معیاری سنی مدارس اسلامیہ کے صدر، سکریٹری، اور صدر مدرس حضرات سے گزارش ہے کہ اولین فرصت میں اپنے مدرسہ کا نام و مکمل پتہ، سن تاسیس، نصاب تعلیم عمارت کی تصویر، مدرسہ کی اجمالی تاریخ، بانیٔ مدرسہ کا مختصر تعارف، اور ان تمام شخصیتوں کا تعارف جنھوں نے آپ کے ادارے کو معتبر ادارہ، اور مثالی درس گاہ بنانے میں پیہم جدوجہد کی ہو۔ اور ادارہ سے متعلق دیگر معلوماتی اور ضروری باتیں زیادہ سے زیادہ فل اسکیپ سائز کے ۶/۷ صفحات پر مشتمل مضمون درج ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں ہم آپ کے شکریہ کے ساتھ شامل کتاب کرلیں گے۔

پتہ:۔ فرحت صابری اندولوی
جامعہ رضویہ معراج العلوم قصبہ اہرورہ
ضلع مرزا پور۔ یو۔پی

تعمیر مسجد کے لئے تعاون اگوا

سرزمین داورلیم مرگاؤں۔ گوا۔ میں ایک نئی مسجد کی تعمیر کا کام عمل میں آیا مسجد کا نام سنی محمدی مسجد رکھا گیا ہے۔ ۲۹ر شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ سے مسجد کا افتتاح بھی ہوچکا ہے۔ خطابت وامامت کے فرائض مولانا انجم جمالی صاحب مظفرپوری انجام دے رہے ہیں۔ ہنوز تعمیری کام بہت باقی ہیں۔ اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

ماہنامہ حجاز جدید دہلی

منجانب:۔ حاجی محمد سعید عبدالغفار
سنی محمدی مسجد داورلیم مرگاؤں۔ گوا

مشن کے دفتر کی منتقلی

صوبہ اترپردیش میں ورلڈ اسلامک مشن کی سرگرمیوں کو تیز کرنے کے لئے جناب مولانا عبدالمصطفیٰ صدیقی رودولوی کی صوبائی شاخ کا صدر اور جناب سید محمد ظفر امام قادری صاحب بدایوں کو جنرل سکریٹری نامزد کیا جاتا ہے۔

آپ حضرات جلد ہی مشن کی صوبائی شاخ کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کا انتخاب کرکے مطلع فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ موجودہ حالات کے پیش نظر مشن کے حق میں اب یو۔پی صوبائی شاخ کا مرکزی دفتر لکھنؤ سے بدایوں منتقل کیا جارہا ہے۔

مجیدالرحمٰن انصاری

عرس مفتی مشرف احمد نقشبندی دہلی

حسب اعلان ومعمول، حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مشرف احمد صاحب قدس سرہ نقشبندی مجددی قادری چشتی سابق جدی شاہی امام وسجادہ نشین خانقاہ مسعودیہ مظہریہ مسجد شاہی فتحپوری دہلی کے نویں سالانہ عرس کی نورانی محفل درگاہ مظہریہ اندرون مسجد فتحپوری حضرت ممدوح کے خلف اکبر وجانشین حضرت مولانا مفتی محمد میاں صاحب ثمر نقشبندی مجددی قادری چشتی سجادہ نشین خانقاہ مسعودیہ مظہریہ و درگاہ وصدر انجمن خدام مظہری مسجد شاہی فتحپوری کے زیر سرپرستی واہتمام منعقد ہوئی۔

مقامی وبیرونی علمائے کرام، مشائخ وصوفیائے عظام، شعراء اور نعت خواں حضرات کے علاوہ بیشمار مسلم وغیر مسلم عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ حضرت مولانا یٰسین اختر صاحب مصباحی، ایڈیٹر حجاز جدید نئی دہلی، حضرت مولانا سید عبداللہ صاحب بخاری شاہی امام جامع مسجد دہلی، حضرت علامہ سید اخلاق حسین صاحب نقشبندی نظامی نئی دہلی، حضرت صوفی جمال احمد صاحب قادری بمبئی، حضرت صوفی حکیم محمد عاقل خاں صاحب مظہری چشتی دھامپور کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ـــــ ختم قرآن پاک وحلقہ درود پاک کے بعد حضرت سجادہ نشین صاحب مدظلہ نے اپنے دست مبارک سے چادر پوشی وگل پاشی فرمائی۔ اس کے بعد قاری نصیرالدین صاحب رضوی نوری کی تلاوت قرآن کریم سے محفل کا آغاز ہوا۔ قل شریف کے بعد نعت ومنقبت کا سلسلہ رہا جناب قاری شفیق احمد صاحب نے شجرہ خوانی کی اور صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرات اہل بیت کرام وشہدائے کربلا کی بارگاہ میں خصوصی نذرانۂ عقیدت وثواب پیش کیا گیا اور حضرت صاحب سجادہ کی دعا کے بعد تبرک لنگر تقسیم کیا گیا۔ اور قبل ظہر یہ محفل مسجد فتحپوری کی بلڈنگ جیون بخش ہال، طعام ماحضر میں شرکت کے لئے منتقل ہوئی جہاں تقریباً ۲ بجے تک طعام کا سلسلہ رہا۔

محمد عاشقین مظہری، نائب صدر انجمن خدام مظہری مسجد شاہی فتحپوری دہلی (رجسٹرڈ)

مظلومین بھاگلپور کیلئے انجمن تحفظ اہلسنّت کی نمایاں خدمات

محمد حسین بہرائچی

انجمن تحفظ اہلسنّت بنارس

ایک اہم اور ذمّہ دار انجمن ہے۔ یہ انجمن دین ومذہب وقرآن اور ناموس رسول کے تحفظ کے لئے ہمیشہ سرگرم رہی۔ انجمن کا نصب العین یہ ہے کہ اگر کوئی بھی شر پسند وفتنہ پرور اسلام وقرآن اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرے تو منھ توڑ جواب دے کر دین واسلام کا نکھرتا ہوا چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرے۔

انجمن تحفظ اہلسنّت کا قیام اس وقت ہوا جب سعودیہ اور اس کے زیر اثر بعض خلیجی حکومتوں نے امام اہلسنّت حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے ترجمہ قرآن کنز الایمان پر پابندی عائد کی۔ انجمن نے شہر بنارس میں تاریخی جلوس بطور احتجاج نکالا اور حکومت وقت کو مسلمانوں کے غم وغصہ سے مطلع کیا۔

کچھ دنوں کے بعد بدنام زمانہ دھنپتی پانڈے کی کتاب مذھبیہ کا لین عرب سلنے آئی جس میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملے کئے گئے ہیں تو اس کے خلاف انجمن اہلسنّت نے سخت احتجاج کیا اور ایک بہت بڑا احتجاجی جلوس کچہری میں نکالا۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ اتنا بڑا جلوس مسلمانوں کا شہر بنارس میں کبھی نہیں نکلا۔ انجمن دھنپتی پانڈے کی کتاب کے خلاف اس وقت تک احتجاج کرتی رہی اور خاموش نہیں بیٹھی جب تک یو۔پی حکومت سے اس کتاب پر پابندی عائد نہ کرالی۔

پھر چند دنوں کے بعد دو کتاب (۱) حضرت محمد جیون ریوم کاریہ (۲) بھارت کا اتہاس کیے بعد دیگرے منظر عام پر آگئیں ان دونوں میں مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخیاں کی گئی ہیں۔ انجمن تحفظ اہلسنّت کے وفد (مولانا محمد حسین صاحب بہرائچی ومولانا سید اصغر امام قادری اور جناب عبدالعظیم) مذکورہ دونوں کتابوں کے خلاف بطورِ احتجاج شہر بنارس کی انتظامیہ کے ذمّہ دار افسران سے مل کر میمورنڈم دیا اور مطالبہ کیا کہ اس طرح کی کتابوں کے خلاف سخت قدم اٹھائے جائیں اور مصنّف ومولف کو گرفتار کر کے سخت سزا دی جائے پھر سی آئی ڈی رپورٹ لگوا کے چھاپے ڈالے۔

اور جب مسلم پرسنل لا کی صورت مسخ کرنے کی کوشش کی گئی تو بنارس میں اسی انجمن نے محلّہ محلّہ احتجاجی اجلاس کر کے اپنی آواز گورنمنٹ تک پہنچائی اور صدر جمہوریہ ووزیر اعظم وچیف منسٹر ودیگر وزرا وارکان حکومت کے پاس اس وقت تک میمورنڈم کا سلسلہ جاری رکھا جب تک پارلیمنٹ میں مسلم پرسنل لا بل پاس نہ کرلیا گیا۔

اور فروری میں جب بنارس کی جامع مسجد گیان باپی کے سلسلہ میں ہندو بریگیڈ نے مفسدانہ عزائم کا اعلان کیا تو انجمن تحفظ اہلسنّت شرپسندوں کے خلاف کمربستہ ہوگئی اور انجمن کی جانب سے حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہرائچی شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ بنارس نے دندان شکن جواب دیا اور انتظامیہ سے مل کر صورت حال سے آگاہ کیا اور کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر گیان باپی مسجد پر کسی

طرح کی آنچ آئی تو اس کے ذمہ دار آپ حضرات ہو لگے۔ اور اگر اس سلسلہ میں فتنہ و فساد اور خوں ریزی ہوئی تو اس کی ذمہ داری بھی آپ ہی حضرات کی ہوں گی۔ ڈی۔ ایم اور سینئر ایس پی نے اطمینان دلایا کہ مسجد کی حفاظت کی جائے گی۔ خدا کے فضل سے گیان باپی مسجد ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہی۔

علاوہ ازیں جب ہندوستان کا بدترین فساد بھاگل پور میں ہوا اور اخبارات و ریڈیو میں شہدار کی داستان خونچکاں و زخمیوں کی آہ و بکا اور عورتوں کی آبرو ریزی کی غم بھری حقیقت آنی شروع ہوئی تو انجمن کا ہر فرد کرب و بے چینی میں مبتلا ہو گیا مظلومین و تباہ و برباد مسلمانوں نے جب کیمپوں سے اپنے لخت جگر و دل کے (جو جامعہ فاروقیہ میں پڑھتے تھے) آپ بیتی لکھنی شروع کی تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تب انجمن تحفظ اہلسنت نے اہل بنارس کو مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے آواز دی تو پورا شہر ایثار و قربانی کا نمونہ بن گیا۔ آناً فاناً چار لاکھ روپے اور ایک ٹرک کپڑا (جو تقریباً پانچ لاکھ روپے کا تھا) انجمن کے دفتر میں اکٹھا ہو گیا اس کے ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو انجمن کا ایک ذمہ دار وفد حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہرائچی شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ بنارس کی قیادت میں بھاگل پور روانہ ہوا وفد میں مولانا سید اصغر امام صاحب قادری پرنسپل جامعہ فاروقیہ اور جناب شاہد مسعود و قاری ظہیر اکرم صاحب و دیگر احباب شریک تھے مولانا سید اصغر امام صاحب کی تجویز پر قائد وفد مولانا محمد حسین صاحب بہرائچی و شرکار وفد نے بنارس سے بھاگل پور روانہ ہونے کے قبل یہ طے کر لیا تھا کہ یکمشت رقم کسی تنظیم یا شخص کو ہرگز نہ سپرد کریں گے بلکہ ہر مظلوم کے ہاتھ میں رقم و کپڑے دے کر نام و پتہ لکھ کر دستخط یا انگوٹھا نشان لیا جائے گا خدا کے فضل سے انجمن اپنے منصوبہ میں کامیاب رہی انجمن کے وفد نے ۱۳۲ گاؤں و شہر کے تباہ محلّوں کے مظلوموں تک براہ راست پہنچ کر حالات معلوم کئے اور عطیات نقد و کپڑے کی شکل میں پیش کیا۔ مظلومین بھاگل پور نے انجمن تحفظ اہلسنت کے وفد سے رہائش کے لئے زمین کا مطالبہ کیا تو ارکان وفد نے پوری فراخدلی سے زمین دینے کا وعدہ کر لیا اس کے بعد وفد بنارس واپس آگیا۔

الحمد للہ سہ رکنی وفد (حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہرائچی و جناب شاہد مسعود صاحب اور قاری ظہیر اکرم صاحب) دوبارہ بھاگل پور ۳۰ر مئی ۱۹۹۰ء کو روانہ ہوا بھاگل پور پہنچ کر وفد نے لوگوں سے حالات معلوم کئے تو بتایا گیا کہ آج بھی مظلومین کی بڑی تعداد اپنے اپنے رشتہ داروں کے یہاں پناہ لئے ہوئے ہے سہ رکنی وفد نے ۸ر جون ۱۹۹۰ء کو بنام انجمن تحفظ اہلسنت ریوڑی تالاب بنارس تین بیگھہ زمین اندرون شہر محلہ شاہ جنگی کے پاس دو لاکھ چالیس ہزار روپے علاوہ کورٹ خرچ باز آبادکاری کے لئے رجسٹری کرائی۔

پھر معززین شہر و علمار کی ایک میٹنگ طلب کی۔ میٹنگ کی صدارت حضرت مولانا سید اشتیاق عالم صاحب ولیعہد خانقاہ شہباز یہ نے کی۔ افتتاحیہ تقریر مولانا محمد حسین صاحب بہرائچی نے رقت انگیز انداز میں کی۔ کہ محترم حاضرین آپ کے شہر و مضافات میں خونی فساد ہوا۔ ملک کے گوشہ گوشہ سے اہل ایمان ریلیف لے کر بھاگل پور پہنچے او[ر] انجمن تحفظ اہلسنت بنارس کا وفد بھی چار لاکھ روپے اور ایک ٹرک کپڑا لے کر پہنچا تھا انجمن کے وفد نے گاؤں گاؤں کا دورہ کر کے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس بدترین فساد میں غربا رہی کثرت سے تباہ و برباد ہوئے ہیں اور اہل ثروت طبقہ برائے نام برباد ہوا اب سوال یہ ہے کہ مظلومین کے لئے امداد و[...] لے کر ملک کے گوشہ گوشہ سے مسلمان پہنچے م[گر] اہل بھاگل پور نے کیا کیا؟ لہٰذا آپ حض[رات] کو مجتمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انجمن تحف[ظ] اہلسنت کی ایک ذیلی کمیٹی بھاگل پور میں بنا[ئی] جائے اور اس ذیلی کمیٹی کے ذمہ تین بیگھہ [زمین] پر تعمیری کام اور نگہداشت کرنا رہے اور [اس] ذیلی کمیٹی کا ہر فرد مساوی درجہ کا ہوگا می[ٹنگ] طلب کرنے اور ہدایات دینے اور تعمیری کا[م کے] لئے لائحۂ عمل مرتب کرنے کا اختیار حضر[ت] مولانا سید اشتیاق عالم صاحب خانقاہ شہباز[یہ] مولانا محمد حسین صاحب بہرائچی نے حاضر[ین] سے پوچھا کیا آپ حضرات ذیلی کمیٹی اور تعمیری کام [کو] جامہ پہنانے کو تیار ہیں؟ تمام حاضرین نے بیک زب[ان] ہم لوگ تیار ہیں اس کے بعد ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی ا[ور] معاہدہ بھی ہوا۔ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ بہت جل[د] کام شروع ہو جائے گا۔

ہماری تنظیم ــــ ہمارا کام

مولانا ظہور احمد اشرفی، باسنی۔ ناگور۔ راجستھان

نام تنظیم | سنی تبلیغی جماعت۔ مقام باسنی۔ ناگور۔ راجستھان

مقصد | اشاعت تعلیم دین و فروغ سنیت!

طریقۂ کار | ۱۔ قیام مدارس بہ دیہات ۲۔ تنظیم الائمہ ۳۔ تنظیم المدارس ۴۔ نشر و اشاعت

۱۔ قیام مدارس بہ دیہات کے منصوبہ کے تحت اس وقت تک جماعت کی طرف سے چھوٹے چھوٹے گاؤں کے ستر مدرسوں اور ستر مسجدوں میں مستند علمائے کرام کو متعین کیا جاچکا ہے جن کا ماہانہ وظیفہ جماعت کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے اس منصوبہ کے تحت دیہات میں ہندوانہ ماحول میں پروان چڑھ کر اسی تہذیب میں ڈھل جانے والے ان پڑھ مسلمانوں کو تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ دین سے آشنا کر کے جہالت کی دلدل سے نکال کر اسلامی رنگ میں رنگنے کا کام بڑی تندہی سے انجام دیا جا رہا ہے۔

ان مدارس میں تقریباً چار ہزار بچے پہلے جو صرف بکریاں چرانے اور کھیتوں کی رکھوالی پر وقف تھے اب تعلیم دین سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ جہاں بغیر نماز جنازہ مردے دفن کئے جاتے تھے اب ان کے امام نماز جنازہ پڑھانے کے لئے دور دور تک پہنچ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ۔ ۔ راجستھان میں پھیلے ہوئے مدارس کے انتظام و انصرام نظم و ضبط اور دین سے بے بہرہ مسلمانوں کو بیدار کرنے بلکہ از سر نو مسلمان بنانے کے لئے بڑی ہی جانسوزی اور عرق ریزی سے کام کیا جا رہا ہے۔

۲۔ تنظیم المدارس: اس منصوبہ کا مقصد ابتدائی دینی تعلیم اب ت سے لے کر فارسی کی پہلی کتاب تک تعلیم دینا ہے۔ اس کے لئے ایک پنج سالہ خالص دینی نصاب ترتیب دیا گیا ہے جو مطلوبہ نشانہ تک پہنچانے کے لئے ایک کامیاب کوشش ثابت ہوا ہے۔ یہ نصاب مدارس میں صرف ایک وقت پڑھانے کے حساب سے ترتیب دیا گیا ہے دوسرے وقت میں بچوں کو اسکولوں میں بھجوانا لازمی ہے۔ باقاعدہ تعلیم کے خواہش مند حضرات ایک خط لکھ کر ہمارا نصاب منگوا سکتے ہیں۔

۳۔ تنظیم الائمہ: اس منصوبہ کا مقصد شروع میں قصبوں اور دیہات میں جم کر مسلسل تبلیغ کرنا ہے۔ لہٰذا منسلک ائمہ کرام پر لازمی ہے کہ وہ روزانہ ایک وقت عصر، عشا، یا فجر کے بعد صرف دس منٹ کتاب پڑھ کر سنائیں جس سے مسائل کی تعلیم اور عقائد کی اصلاح ہوتی رہے اور ہماری مسجدیں اور بستیاں غیروں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہیں۔

نیز ائمہ کرام پر لازم ہے کہ وہ "تحریک صلوٰۃ" کے اصولوں پر نماز کی تبلیغ کرتے رہیں۔

اصول تحریک صلوٰۃ: ترتیب دے کر پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

۴۔ نشر و اشاعت: ضروری مسائل و عقائد کی اشاعت کے لئے ہزاروں کی تعداد میں ہندی اردو میں پمفلٹ اور کتابچے چھپوا کر مفت تقسیم کئے جاتے ہیں خصوصاً اعراس بزرگان دین کے موقعوں پر۔

نوٹ:۔ معزز قارئین کرام کی نگاہیں ان عنوانوں میں جلسوں اور کانفرنسوں کے عنوان کی متلاشی ہوں گی۔ ۔ ۔ معاف کیجئے ہم اس معاملے میں بڑے کنجوس واقع ہوئے ہیں۔ ۔ ۔ ہم ایک کانفرنس پر ایک رات میں ایک لاکھ روپے خرچ کرنے کے بجائے ان پیسوں سے دیہات میں درختوں اور دیواروں کے سائے میں تعلیم دین حاصل کرنے والے غریب طلبار کے لئے دس مدرسے بنوا دینا زیادہ اہم اور ضروری سمجھتے ہیں۔

گلدستۂ تہنیت

محمد یحییٰ قادری ثمر گجپوری

۱۹ر مارچ ۱۹۹۰ء بعد نماز عشا دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن عبد الغفور خاں اسٹیٹ کرلا ڈپو بمبئی ۷۰ کا پہلا عظیم الشان جلسہ دستار بندی نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوا جس میں علمائے کرام نے کافی تعداد میں شرکت فرمائی۔ خصوصًا مصباحی برادران سے ایسا لگتا تھا کہ یہ جلسہ بمبئی کا نہ ہو کر "گلشن حافظ ملت اشرفیہ مبارکپور" کا جلسہ ہو۔

دار العلوم ہٰذا سے فارغ ہونے والے حافظوں کے سروں پر مقتدر علما نے حفظ قرآن کا تاج زریں رکھا پھر حضرت مولانا محمد ظہیر الدین خاں صاحب قبلہ قادری مصباحی صدر مدرس دار العلوم محمدیہ بمبئی۔ حضرت مولانا محمد قمر الزماں خاں صاحب قبلہ اعظمی مصباحی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن۔ اور حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری مصباحی شیخ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے علی الترتیب علمی جواہر بکھیرے۔

اس سنہری موقع پر دار العلوم ہٰذا کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یحییٰ قادری ثمر گجپوری کا لکھا ہوا گلدستۂ تہنیت نہایت خوش الحانی کے ساتھ جناب مولانا محمد کلیم اللہ گونڈوی نے علما و حفاظ کی خدمت میں پیش کیا جسے بے حد پسند کیا گیا۔

قارئین حجاز کی دلچسپی کے لئے تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش خدمت ہے یوں تو کثیر علما نے اس پروگرام کو رونق بخشا مگر شاعر موصوف نے صرف انھیں علما کا ذکر فرمایا ہے جو خاص اہمیت کے حامل اور جلسے کی زینت تھے۔

فقط
فتح احمد بستوی مصباحی

پیشوائے قوم و ملت حضرت مفتی رفیق[5] — آپ کی علمی بصیرت اور صدارت زندہ با

حضرت قمر الزماں[6] خاں دہر میں ہیں جلوہ بار — ہو رہی ہے دین فطرت کی اشاعت زندہ با

مسند تدریس و میدان خطابت ہر جگہ — حضرت علامہ ظہیر الدیں[7] کی سطوت زندہ با

بانی محبوب سبحاں[8] حضرت عبد الرحیم[9] — گوہر نایاب اخلاص و اخوت زندہ باد

یا الٰہی فتح احمد[10] کو طفیل مصطفیٰ — ہو میسر تا ابد فتح و امارت زندہ باد

حضرت اطہر علی[11] کو باغ طیبہ کا ثمر[12] — کر عطا اے خالق محبوب امت زندہ باد

فخر[13] دیں کو ہو مبارک مرحبا عبد المبیں[14] — جبہ و دستار، گلہائے محبت زندہ باد

اک ثمر[15] ہی کیا یہاں تو ڈالی ڈالی باغ باغ
حافظ ملت[16] کا ہے مرہون منت زندہ باد

۱۔ حضرت مولانا سید حامد اشرف اشرفی جیلانی مصباحی بانی دار العلوم محمدیہ بمبئی۔
۲۔ حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی شیخ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔
۳۔ صدر الشریعہ حضرت علامہ حکیم ابو العلی محمد امجد علی علیہ الرحمۃ مصنف بہار شریعت
۴۔ حضرت مولانا مفتی محمد سخاوت علی مصباحی بستوی سرپرست دار العلوم غوثیہ کرلا بمبئی
۵۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیق مصباحی شیخ الحدیث دار العلوم غریب نواز ممبرا ضلع تھانہ مہاراشٹر
۶۔ حضرت مولانا محمد قمر الزماں خاں مصباحی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن
۷۔ حضرت مولانا محمد ظہیر الدین خاں قادری مصباحی صدر مدرس دار العلوم محمدیہ بمبئی
۸۔ دار العلوم محبوب سبحانی کرلا بمبئی
۹۔ حضرت مولانا عبد الرحیم مصباحی صدر مدرس دار العلوم محبوب سبحانی کرلا بمبئی
۱۰۔ حضرت مولانا فتح احمد بستوی مصباحی نائب ایڈیٹر ماہنامہ حجاز جدید دہلی
۱۱۔ حضرت حافظ سید اطہر علی رضوی ناظر دار العلوم محمدیہ بمبئی
۱۲۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ قادری ثمر گجپوری صدر مدرس دار العلوم غوثیہ کرلا ڈپو بمبئی
۱۳۔ ۱۴۔ حافظ فخر الدین و حافظ عبد المبین دار العلوم غوثیہ سے فارغ ہونے والے طلبا
۱۵۔ محمد یحییٰ ثمر گجپوری۔ ۱۶ استاذ العلما جلالۃ العلم عزیز الاولیا حضور حافظ ملت الشاہ عبد العزیز محدث مبارکپوری علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

حافظ ملت کا ہے مرہون منت زندہ باد

مرحبا صد مرحبا علما ملت زندہ باد — عاشقان جان ایمان اہلسنت زندہ باد

مشعل راہ طریقت سیدی حامد میاں[1] — خاندان جان رحمت کی سیادت زندہ باد

علم و عرفاں کی ضیا[2] و جان نثار مصطفیٰ — یادگار و مظہر صدر شریعت[3] زندہ باد

ناصر دین حنیف و صاحب فضل و کمال — حضرت مفتی سخاوت[4] کی قیادت زندہ باد

ماہنامہ حجاز جدید دہلی

www.muftiakhtarrazakhan.com

اُردو اکادمی، دہلی

گھٹا مسجد روڈ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

۱۹۸۶ء کی مطبوعات

① مولانا ابوالکلام آزاد، شخصیت اور کارنامے۔ مرتب: ڈاکٹر خلیق انجم۔ قیمت ۴۸ روپے۔ صفحات ۵۰۲۔
② بزمِ آخر۔ مصنف: منشی فیض الدین۔ مرتب: ڈاکٹر کامل قریشی۔ قیمت ۲۱ روپے۔ صفحات ۱۲۴۔
③ دہلی کی آخری شمع۔ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ۔ مرتب: ڈاکٹر صلاح الدین۔ قیمت ۲۳ روپے۔ صفحات ۱۴۷۔
④ دلی کا آخری دیدار۔ مصنف: سید وزیر حسن دہلوی۔ مرتب: سید ضمیر حسن دہلوی۔ قیمت ۱۷ روپے۔ صفحات ۴۷۔
⑤ دِلی والے (جلد اول)۔ مرتب: ڈاکٹر صلاح الدین۔ قیمت ۳۶ روپے۔ صفحات ۲۵۷۔
⑥ قلعۂ معلّیٰ کی جھلکیاں۔ مصنف: عرش تیموری۔ مرتب: ڈاکٹر اسلم پرویز۔ قیمت ۱۷ روپے۔ صفحات ۷۲۔
⑦ رسومِ دہلی۔ مصنف: سید احمد دہلوی۔ مرتب: ڈاکٹر خلیق انجم۔ قیمت ۲۸ روپے۔ صفحات ۲۰۸۔
⑧ داغ دہلوی، حیات اور کارنامے۔ مرتب: ڈاکٹر کامل قریشی۔ قیمت ۳۱ روپے۔ صفحات ۲۲۷۔

۱۹۸۷ء کی مطبوعات

⑨ عالم میں انتخاب: دِلی۔ مصنف: مہیشور دیال۔ قیمت ۵۲ روپے۔ صفحات ۵۲۱۔
⑩ سیر الخ دہلی۔ مصنف: شاہزادہ مرزا احمد اختر گورگانی۔ مرتب: مرغوب عابدی۔ قیمت ۱۷ روپے۔ صفحات ۶۴۔
⑪ خواجہ حسن نظامی: حیات اور کارنامے۔ مرتب: خواجہ حسن ثانی نظامی۔ قیمت ۲۹ روپے۔ صفحات ۲۰۸۔
⑫ دیوانِ حالی۔ مصنف: مولانا الطاف حسین حالی۔ مقدمہ: رشید حسن خاں۔ قیمت ۲۴ روپے۔ صفحات ۲۳۲۔
⑬ چراغِ دہلی۔ مصنف: میرزا حیرت دہلوی۔ قیمت ۳۹ روپے۔ صفحات ۵۳۶۔
⑭ اُردو صحافت۔ مرتب: انور علی دہلوی۔ قیمت ۳۲ روپے۔ صفحات ۳۳۲
⑮ دہلی کے اسکولوں میں اُردو نصاب کے مسائل۔ مرتب: صدیق الرحمان قدوائی۔ قیمت ۲۳ روپے۔ صفحات ۱۸۷۔
⑯ نوبتِ پنج روزہ یعنی وداعِ ظفر۔ مصنف: علامہ راشد الخیری۔ مرتب: ڈاکٹر تنویر احمد علوی۔ قیمت ۲۳ روپے۔ صفحات ۱۵۸۔
⑰ دِلی کی آخری بہار۔ مصنف: علامہ راشد الخیری۔ مرتب: سید ضمیر حسن دہلوی۔ قیمت ۲۰ روپے۔ صفحات ۱۲۷۔
⑱ اُردو غزل۔ مرتب: ڈاکٹر کامل قریشی۔ قیمت ۳۱ روپے۔ صفحات ۲۵۹۔
⑲ اُردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب۔ مرتب: ڈاکٹر کامل قریشی۔ قیمت ۳۹ روپے۔ صفحات ۴۵۹۔
⑳ لال قلعے کی ایک جھلک۔ مصنف: حکیم خواجہ سید ناصر نذیر الدین فراق دہلوی۔ مرتب: ڈاکٹر انتظار مرزا۔ قیمت ۱۹ روپے۔ صفحات ۱۰۹۔
㉑ دلی کی تہذیب۔ مرتب: ڈاکٹر انتظار مرزا۔ قیمت ۱۷ روپے۔ صفحات ۸۴۔
㉒ ڈائرکٹری اُردو ناشرین و تاجران کتب۔ مرتب: انور علی دہلوی۔ قیمت ۵۰ روپے۔ صفحات ۶۸۰
㉓ مرزا محمود بیگ کے مضامین کا انتخاب۔ مرتب: ڈاکٹر کامل قریشی۔ قیمت ۳۱ روپے۔ صفحات ۲۹۶۔

۱۹۸۸ء کی مطبوعات

㉔ نیا اُردو افسانہ: تجزیہ اور مباحث۔ مرتب: پروفیسر گوپی چند نارنگ۔ قیمت ۶۰ روپے۔ صفحات ۶۳۱۔
㉕ انتخاب کلامِ داغ۔ مرتبہ: بیگم ممتاز میرزا۔ قیمت ۳۴ روپے۔ صفحات ۲۴۹۔
㉖ دِلی والے (جلد دوم)۔ مرتب: ڈاکٹر صلاح الدین۔ قیمت ۵۶ روپے۔ صفحات ۵۰۶۔
㉗ دہلی اور اس کے اطراف۔ مرتبہ: ڈاکٹر صادقہ ذکی۔ قیمت ۲۵ روپے۔ صفحات ۱۳۴۔
㉘ دہلی کے مشائخ کی ادبی خدمات۔ مصنفہ: بیگم ریحانہ فاروقی۔ قیمت ۲۱ روپے۔ صفحات ۸۴۔
㉙ دِلی کی درگاہ شاہِ مرداں۔ مصنف: ڈاکٹر خلیق انجم۔ قیمت ۳۳ روپے۔ صفحات ۱۳۷۔
㉚ حواشی ابوالکلام آزاد۔ مرتب: سید مسیح الحسن۔ قیمت ۶۲ روپے۔ صفحات ۵۷۹۔
㉛ اُردو میں بارہ ماسے کی روایت۔ مصنف: ڈاکٹر تنویر احمد علوی۔ قیمت ۴۹ روپے۔ صفحات ۳۸۷۔
㉜ دِلی کے آثارِ قدیمہ۔ مرتب و مترجم: ڈاکٹر خلیق انجم۔ قیمت ۴۸ روپے۔ صفحات ۲۹۶۔
۳۳ سالہ اشاریہ آج کل۔ مرتب: جمیل احمد۔ قیمت ۷۷ روپے۔ صفحات ۶۸۴

○ اکادمی کی شائع کردہ کتابیں بذریعہ آفسیٹ طبع ہوئی ہیں۔
○ اکادمی کی سیل ڈپو کا کوئی سول ڈسٹری بیوٹر نہیں ہے۔
○ لائبریری کو ۱۵٪ کمیشن پر کتابیں فروخت کی جائیں گی۔

○ کتب فروشوں کو مبلغ پانچ سو روپے تک کی کتابوں پر ۳۳⅓٪ اور پانچ سو روپے سے زیادہ کی کتابوں پر ۴۰٪ کمیشن دیا جائے گا۔
○ کتابیں وی۔ پی۔ پی سے یا بینک کے ذریعے بھیجی جائیں گی۔

انچارج سیل ڈپو

مرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

● جہاں دینی و عربی تعلیم کے ساتھ عصری علوم وفنون کا بھی انتظام ہے ● جو بلاشبہ مسلمانان ہند کا عظیم علمی مرکز ہے۔ جو قطب ربانی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی، فقیہ اعظم صدر الشریعہ اعظمی، سید الخطباء حضرت محدث اعظم ہند، حضور مفتی اعظم ہند، حضرت سید العلماء مارہروی (علیہم الرحمۃ والرضوان) اور اکابر علماء ومشائخ کی روحانی یادگار ہے۔ جسے چالیس سال تک معمار سنیت حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے اپنی بے مثال قربانیوں سے پروان چڑھایا اور اس کو جامعہ کی شکل دی ● جس نے تدریس، تصنیف وتالیف، خطابت، مناظرہ، افتاء، صحافت، امامت، قرأت ہر میدان میں جید افراد قوم کو پیش کیے۔ ● جس کے فارغین نے ملک وبیرون ملک انگلینڈ، ہالینڈ، ممالک افریقہ، پاکستان، نیپال، بنگلہ دیش وغیرہ میں سینکڑوں مدارس، تصنیفی، تبلیغی، اشاعتی مراکز اور ادارے قائم کیے۔ جو آج اہل اسلام کی دینی وملی زندگی کا سرچشمہ ہیں۔

حد نظر تک وسیع وعریض خطۂ زمین پر علوم ومعارف کا ایک حسین شہر تعمیر کے مرحلوں سے گزر رہا ہے۔ شہزادہ حافظ ملت عزیز ملت مولانا شاہ الحاج عبد الحفیظ مرادآبادی سربراہ اعلیٰ کی حیثیت سے جس کی تعمیر وترقی میں شب وروز مصروف ومنہمک ہیں۔ آپ اس دینی مرکز کو فروغ دینے میں ارباب حل وعقد کا مخلصانہ تعاون کرکے عند اللہ ماجور ہوں۔

آپ تعاون کس طرح کریں!

تعمیر میں حصہ لیں، کوئی ایک یا چند کمرے اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے بنوائیں۔ مطبخ میں غلہ وغیرہ سے امداد کریں۔ ذی استعداد اور ضرورت مند طلباء کے وظائف کا بار برداشت کریں ● اشرفیہ کا کوئی محصل آپ کے پاس جائے تو اس کا خیر مقدم کریں، خود بھی تعاون کریں اور دوسروں کو بھی متوجہ کریں ● اور نہ پہنچنے کی شکل میں اپنی امدادی رقوم بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال کریں ● رمضان المبارک کے موسم خیر میں اور عید قرباں کے موقع پر اس کی ہمہ گیر خدمات اور ضروریات کو نہ بھولیں۔

نوٹ:- چک اور ڈرافٹ کے لیے یاد رکھیں — اپنی رقوم { بمد تعمیر بنام: الجامعۃ الاشرفیہ ALJAMIA ASHRAFIA / بمد تعلیم بنام: مدرسہ اشرفیہ MADRASA ASHRAFIA } ارسال کریں

رابطہ کا پتہ:- ناظم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور ۲۷۶۴۰۴، اعظم گڑھ (یو۔پی) (انڈیا)

المجمع الاسلامی مبارکپور کی مطبوعات

۱۔ اسلام اور امن عالم (اسلام کا آفاقی پیغام امن اور دعوتِ فکر و عمل) از مولانا بدر القادری ۳۵/-

۲۔ اسلام اور تربیت اولاد (بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق فکر انگیز مقالہ) 〃 〃 ۴/۵۰

۳۔ بادۂ حجاز (عشق و محبتِ رسول میں ڈوبی ہوئی نعتوں کا مجموعہ) 〃 〃 ۱۲/-

۴۔ مناجات (بدرگاہ قاضی الحاجات (منظوم اور رقت انگیز مناجات) 〃 〃 ۲/-

۵۔ تدوین قرآن (قرآن حکیم کی جمع و ترتیب پر علمی و تحقیقی کتاب) از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی ۲۶/-

۶۔ امام احمد رضا اور تصوف (فاضل بریلوی کے تصوف و احسان پر پہلا تحقیقی مقالہ) 〃 〃 ۱۰/-

۷۔ قصیدتان رائعتان (فاضل بریلوی کے دو عربی قصائد مع حیات) مرتبہ 〃 〃 ۵/-

۸۔ تذکرہ علمائے اہلسنت بستی از مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۸/-

۹۔ مصری مؤرخین (ایک تحقیقی مقالہ) 〃 〃 ۱۵/-

۱۰۔ المبین (اردو) (عربی زبان کی خصوصیات اور اہمیت پر بے نظیر تصنیف) از مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ سابق صدر شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۶/-

۱۱۔ حقائق تحقیق بالاکوٹ (سید احمد رائے بریلوی کے افسانۂ جہاد کا پس منظر) از شاہ حسین گردیزی ۱۳/-

۱۲۔ تحقیق الفتویٰ (اسمٰعیل دہلوی کے عقائد پر علامہ فضل حق خیرآبادی کا فتویٰ و دیگر علمائے ہند کی تصدیقات) ۱۸/-

۱۳۔ اجالا۔ از پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ۴/۵۰ - ۱۴۔ الرحیل ــ (انقلابی نظمیں) مولانا بدر القادری ــ

۱۵۔ حقوق والدین ــ از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ۴/- - ۱۶۔ احادیث شفاعت۔ از فاضل بریلوی ۱/۵۰

۱۷۔ دعوت میت۔ از فاضل بریلوی ۱/۵۰ - ۱۸۔ رسوم شادی۔ از فاضل بریلوی ۳/۵۰ - ۱۹۔ فلسفہ اور اسلام فاضل بریلوی ۵/- ۲۰۔ توحید اور شرک ۲/- - ۲۱۔ فیض الحکمۃ (فلسفہ) ۴/۵۰ - ۲۲۔ مسنون دعائیں ۱/-

۲۳۔ شرک ۲۰/-

نوٹ:- مکمل فہرست کتب ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر حاصل کریں۔ اور المجمع الاسلامی جیسے عظیم تصنیفی و اشاعتی قومی ادارے کا بھرپور تعاون اس کی نشریات کو گھر گھر پہنچا کر کریں۔ اپنے قریبی کتب فروش اور لائبریریوں کے پتے بھی ہمیں ارسال کریں۔ المجمع الاسلامی کا تعاون دین و مذہب اور قوم و ملت کا تعاون ہے۔ یہ کسی کا شخصی ادارہ نہیں ہے۔ اسے اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازیں۔

رابطہ کا پتہ

منیجر المجمع الاسلامی محمد آباد گوہنہ، ضلع اعظم گڑھ ۲۷۶۴۰۳ (یو-پی) انڈیا

تبرکاتِ مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ

تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوّت ہے اے جلوۂ جانانہ

جو ساقیٔ کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

دل اپنا چمک اٹھے ایمان کی طلعت سے
ہوں آنکھیں بھی نورانی اے جلوۂ جانانہ

سرشار مجھے کردے اک جام لبالب سے
تا حشر رہے ساقی آباد یہ میخانہ

ہر پھول میں بو تیری ہر شمع میں ضو تیری
بلبل ہے ترا بلبل پروانہ ہے پروانہ

سنگِ درِ جاناں پہ کرتا ہوں جبیں سائی
سجدہ نہ سمجھ زاہد سر دیتا ہوں نذرانہ

آباد اسے فرما ویراں ہے دل نوریؔ
جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ

مسجد قرطبہ و مدرسہ اہلسنت و جماعت بمبئی

مغربی جوگیشوری بمبئی مسلم اکثریتی علاقہ ہونے کے باوجود ایک ایسی درسگاہ سے محروم تھا جس کے ذریعہ قوم کی صحیح رہنمائی اور اس کی دینی الجھنوں کا حل تلاش کیا جا سکے۔

چنانچہ قوم کی اس ضرورت کو حضرت مولانا شرافت حسین برکاتی نے محسوس فرمایا اور اصحاب خیر کے تعاون سے ۱۹۸۲ء میں ایک سنی ادارہ کی بنیاد ڈالی۔

بتدریج ترقی کرتے ہوئے یہ ادارہ بحمدہ تعالیٰ آج ایک دارالعلوم کی شکل میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جس میں ۳۵ بیرونی طلبا جن کے مصارف کا ادارہ کفیل ہے زیر تعلیم ہیں۔ شعبہ حفظ و قرأت کے علاوہ ناظرہ کے سینکڑوں طلبا دینی تعلیم سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ قوم نے اگر مزید حوصلہ افزائی کی تو انشاء اللہ تعالیٰ درس نظامیہ کا شعبہ بھی قائم کیا جائے گا۔

اراکین:- مدرسہ اہلسنت و جماعت بزم برکات مسجد قرطبہ۔ گلشن نگر۔ منشی کپاؤنڈ جوگیشوری ویسٹ بمبئی ۱۰۲

کجا ہم خاک افتادہ کجا تم اے شہِ بالا
اگر مثلِ زمیں ہم ہیں تو مثلِ آسماں تم ہو

مفتی اعظم نوری

ماہنامہ حجاز جدید کے مفتی اعظم نمبر کی اشاعت پر قوم کی جانب سے ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

خان بہادر۔ شاپ نمبر ۱۔ عقب چھوٹا سوناپور
مولانا شوکت علی روڈ۔ بمبئی ۸

ظلمتِ قبر کا کیا خوف مجھے اے نوری
جب مرے قبر میں ایمان کا لمعاں ہوگا

مفتی اعظم نوری

دہلی سے نکلنے والے تاریخ ساز ماہنامہ حجاز جدید کی خدمات کو ہم تحسین و آفریں کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

نیک خواہشات کے ساتھ

اللہ بخش حاجی محمد سردار رضوی۔ محمد بخش
بلڈنگ این۔ ایم۔ جوشی مارگ۔ بائیکلہ۔ بمبئی ۲۷

HIJAZ JADEED, Monthly Sept. Oct. 1990 RNI No. 47
Postal Regd. No D[SE
Chief Editor : M. Yaseen Akhtar Misbahi
Copy Rs. 6/- 88/14 Zakir Nagar, N. Delhi-25